1857 کی جنگِ آزادی

اسلم خواجہ

1857 کی جنگِ آزادی

اسلم خواجہ

نام کتاب: 1857 کی جنگِ آزادی
مصنف: اسلم خواجہ
پبلشرز: علمی پرنٹرز، کراچی۔
فون:37650101
موبائل:0300-8228802
اشاعت: مئی 2011ء
قیمت: 200
کمپوزنگ: نزاکت علی کھوکھر

ترتیب

برصغیر میں انگریزوں کی آمد اور 1857ء کی جنگ آزادی کا پس منظر

پرتگیزی پہلی یورپی قوم تھی جس کے جہاز راس افریقہ کا چکر لگا کر بحیرہ عرب اور بحیرہ ہند کے ذریعے ہندستان پہنچے۔ اس سے قبل یورپ ان سمندری راستوں سے ناواقف تھا اور اسے مشرق کی اشیا بحیرہ قلزم کے راستے مصر سے ہوتی ہوئی بحیرہ روم کی بندرگاہوں کے ذریعے پہنچتی تھیں۔ ان دنوں اس تجارت کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔

2 مئی 1498ء کو واسکوڈی گاما کا سمندری بیڑا جنوبی ہندستان کی بندرگاہ کالی کٹ پر لنگر انداز ہوا۔ یہ ہندستان پر یورپی یلغار کی ابتدا تھی۔ آگے چل کر ان کی جگہ ہالینڈ اور بعد ازاں فرانس اور برطانیہ نے لی۔

پرتگیزی معاشی لوٹ مار کے ساتھ مذہبی جنون کی ایجنڈا بھی رکھتے تھے اور انہوں نے بحیرہ ہند میں آنے جانے والے جہازوں کو بے دریغ لوٹنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر بھی ان کی لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا، یہاں انکا زیادہ تر ہدف مسلمان بنتے رہے۔

بالآخر ان پرتگیزی اشتعال انگیزیوں کے جواب میں کالی کٹ کے راجہ نے بھی آنکھ کھولی اور ایک تاجر سے کئی جہاز لیکر ان کا مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ اگرچہ مقامی راجہ نے پرتگیزی حملہ آوروں کو ساحل پر تو شکست دے دی تاہم اس کے جہاز انکا کھلے سمندر میں مقابلہ کرنے سے قاصر تھے، اس لیے پرتگیزی جہاز کھلے سمندر میں دندناتے پھرتے رہے۔ انہیں شکست دینے کیلئے کالی کٹ کے راجہ نے مصر کے مسلمان حکمرانوں سے مدد طلب کی اور مصری بحری بیڑے نے بحیرہ ہند میں پرتگیزی بیڑے کو شکست دی تاہم پرتگیزی اپنی مدد کے سلسلے کے منقطع نہ ہونے کی وجہ سے ہندستانی سمندری حدود میں موجود رہے۔ اس دوران گجرات کا ایک مسلمان گورنر پرتگیزی حملہ آوروں کے ساتھ مل گیا، جس پر مصری امیر البحر 1509ء میں مایوس ہو کر واپس مصر لوٹ گیا اور اس طرح بحر ہند پر پرتگیزی حملے کی راہ صاف ہوگئی۔ اس کے بعد گوا کو پرتگیزیوں نے اپنا مستقل بحری مرکز بنا دیا۔ 1835ء میں ترک سلطان سلیمان اعظم نے پرتگیزی حملہ آوروں سے مقابلے کیلئے اپنا بحری بیڑہ، بحرہ ہند بھیجا لیکن وہ پرتگیزی طاقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکا اور شکست کھا کر لوٹ گیا۔

پورچگال کے بعد ہالینڈ کے قزاقوں نے برصغیر کا رخ کیا، ان میں مذہبی جنون کم اور تجارت کی حرص زیادہ تھی۔ فرانسیسی اور انگریز بھی تجارت کے ہی شوق میں بحر ہند کی طرف بڑھے تھے۔ انگریزوں کو پہلے

پہل گرم مصالحوں کی تجارت نے اپنی جانب کھینچا تھا بعد ازاں وہ کپڑا اور دیگر اشیا بھی ہندستان سے یورپ برآمد کرنے لگے۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے 1612ء میں سورت میں اپنی پہلی تجارتی کوٹھی قائم کی۔ 1615 میں برطانوی بادشاہ جیمز کا ایک سفیر جہانگیر کی دربار میں پہنچا۔ 1641 میں انہوں نے مدراس میں اپنا تجارتی مرکز قائم کیا۔ 1665 میں انہیں بمبئی میں پیر جمانے کا موقعہ ملا اور 1690 میں دریائے ھگلی کے کنارے مچھیروں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں انگریزوں نے اپنا تجارتی مرکز قائم کیا، جو آگے چل کر کلکتہ کے نام سے مشہور ہوا۔

ابتدا میں انگریزوں کی تمام تر سرگرمیاں تجارت سے متعلق ہی تھیں اور انہوں نے اس میں بہت منافع حاصل کیا کیونکہ ان دنوں یورپ بالخصوص برطانیہ میں ہندستانی کپڑے اور مصالحوں کی انتہائی مانگ تھی۔ وہ ملکی سیاست میں دخل اندازی نہیں کرتے تھے۔ اورنگزیب کے دور حکومت میں بنگال میں ایک انگریز تجارتی اہلکار نے مغل حکومت کے ایک کارندے سے بدتمیزی کی تو اسے گرفتار کرلیا گیا اور منت ساجت کے بعد جرمانہ عائد کرکے رہا کیا گیا۔

1707 میں عالمگیر کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کے اندرونی اختلافات کھل کر سامنے آئے اور دور دراز کے مقامی حکمرانوں نے تاج دہلی کے خلاف بغاوتیں شروع کردیں۔ انگریزوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور تجارت کے ساتھ ہندستانی سیاست میں بھی دخل اندازی کرنے لگے۔ یہ سلسلہ 1757 میں جنگ پلاسی تک جاری رہا جب انگریزوں نے بنگال کی حکومت کے دو دعویداروں میں سے ایک کا ساتھ دیکر بنگال میں خود کو مضبوط کرلیا۔

پلاسی کی لڑائی کے بعد میر جعفر بنگال میں نام کا تو نواب بنا لیکن اصل اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس رہے۔ اس ضمن میں میکالے کا یہ مشہور مقولہ 'دولت کے دریا یہاں سے انگلستان کو بہے چلے جارہے ہیں' ، رتحال کی عکاسی کرتا ہے۔ اس زمانے کے مشہور انگریز مقرر برک نے کمپنی کے اہلکاروں کا نقشہ کچھ یوں کھینچا 'نوعمر لونڈے ملک پر حکومت کررہے ہیں، جہاں کے باشندوں سے نہ ان کا میل جول ہے اور نہ ہی ہمدردی۔ دولت کی ہوس اور تیز مزاجی جتنی کہ کسی نوجوان میں ہوسکتی ہے، وہ ان میں بھری ہوئی ہے۔ اس ملک میں انکی آمد کا تانتا لگا ہوا ہے، ایک کھیپ لوٹتی ہے تو دوسری پہنچ جاتی ہے'۔

مغل سلطنت کے دن بہ دن کمزور ہونے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مضبوط ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1846 میں انگریزوں نے سندھ کے تالپور حکمرانوں کو اور 1849 میں پنجاب کو بھی زیر کرلیا۔ پنجاب کی فتح

کے ہات سال کے اندر انگریزوں کو پورے ہندستان میں ایک عظیم الشان مزاحمت کا سامنا پڑا، جسے 1857ء کی جنگ آزادی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آیئے مندرجہ بالا ادوار پر کچھ تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ اس ضمن میں دہلی کی حکمرانی، سندھ کی صورتحال، پنجاب کا اقتدار اور مجموعی صورتحال ہمارا خاص مطالعہ ہوگا۔

عام طور پر مغل سلطنت کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ظہیر الدین بابر سے اورنگزیب تک (یعنی 1526ء سے 1707ء تک) اور اسکے بعد 1857ء تک جب بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے بغاوت کے جرم میں معزول کر دیا۔ اس میں سے پہلا دور عروج کا جبکہ دوسرا زوال کا عہد کہلاتا ہے جس دوران مغل سلطنت خاص طور پر اپنے اندرونی خلفشار کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی اور مقامی لوگ اور غیر ملکی اسکی جگہ سنبھالتے چلے گئے۔

اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا زوال تیز تر ہوگیا۔ یہ فقط ایک سلطنت کا زوال نہیں تھا بلکہ ایک معاشرے کا بھی زوال تھا۔ مستحکم ریاست کی وجہ سے مضبوط ادارے بھی ریاستی ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں زوال کا شکار ہونے لگے۔ مغل سلنطت کے عروج کے دوران ہندستان کے لوگ بادشاہ کی ذات کو اپنے تحفظ کا ضامن سمجھتے تھے تاہم بادشاہت کی کمزوری نے اس تعلق پر کاری وار لگایا اور لوگوں نے اس احساس کے بعد کہ اب مغل بادشاہ سیاسی اور انتظامی طور پر اس قدر طاقتور نہیں کہ انکا تحفظ کر سکیں، مقامی نوابوں، راجاؤں اور خودمختار گورنروں کو اپنا ان داتا سمجھنا شروع کیا جو مغل سلطنت کے کمزور ہوتے ہی سیاسی طور پر آزاد اور خودمختار ہو گئے تھے۔

خانہ جنگی اور سیاسی توڑ پھوڑ کے اس عمل کے دوران جب فوجیں ایک سے دوسری جگہ کوچ کرتیں تو کھیتوں کو جلاتیں اور آبادیوں کی لوٹ مار کرتیں۔ عام لوگوں نے عدم تحفظ کے اس شدید احساس کی وجہ سے اپنے طور پر مسلح ہو کر اس لوٹ مار کا مقابلہ کیا۔ اسی دوران دیگر ریاستی اداروں پر عدم اعتماد ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے ریاستی امور بشمول عدالتی نظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس صورتحال کے پیش نظر فوج کے سپاہی بھی معاوضہ یا مال غنیمت نہ ملنے کی وجہ سے نہ صرف ملکی بغاوتوں میں بلکہ غیر ملکی حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے بجائے راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ اسکی ایک واضح مثال 1756ء میں دہلی پر احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت سامنے آتی ہے جب مغل حکومت کے وزیر عماد الملک کی فوج اسے چھوڑ کر فرار ہوگئی اور اسے اپنے آپ کو ابدالی کے حوالے کرنا پڑا۔

اس صورتحال نے غیر ملکی حملہ آوروں کو ہندستان کی جانب متوجہ کیا جن میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی قابل ذکر ہیں۔ نادر شاہ نے دہلی پر قبضہ کر کے جو دولت لوٹی اسکے تفاصیل تاریخ کی کتابوں میں کچھ اس طرح سے درج ہیں: خاص شاہی خزانے سے ساڑھے تین کروڑ روپے، جواہر خانہ خاص سے پندرہ کروڑ روپے، تخت طاؤس اور تخت رواں تین کروڑ روپے اور مختلف شاہی کارخانہ جات سے پندرہ کروڑ روپے، اسکے علاوہ وہ شاہی اصطبل سے ہاتھی اور گھوڑے بھی اپنے ساتھ لے گیا، جبکہ مختلف امرا کو سخت سزائیں دیکر ان سے کروڑوں روپے بھی وصول کیے۔ نادر شاہی مظالم کے باعث کئی امرانے خودکشیاں بھی کیں۔

احمد شاہ نے بھی نادر شاہی لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا۔ 1757 میں اس نے دہلی کے ہر غریب و امیر پر جرمانہ عائد کیا۔ تاریخ عالمگیری کا منصف لکھتا ہے، "یحیٰ خان نے ایک کلاہ پوش کلرک کے ہمراہ اپنا ٹیکس جمع کرنے کا دفتر کوتوالی کے قریب کڑہ روشن الدولہ میں قائم کیا۔ امیر لوگ خطوط یا پیغامات کے ذریعے بلائے گئے۔ ہر گلی پر ایک کلاہ پوش اپنی فوج کے ساتھ کھڑا تھا۔ دکانوں کے مالکان سے انکی استطاعت سے زیادہ مانگا گیا۔ عذاب کے ڈر سے لوگوں نے اپنے جواہرات، برتن اور کپڑے تک بیچنا چاہے لیکن کوئی خریدار ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا تھا۔ کئی لوگوں نے اس مصیبت کے خوف کے مارے خودکشیاں کیں، جن لوگوں نے رقم دی انکے بھی مکانات کھودے اور لوٹے گئے، غرضیکہ شہر کا کوئی باشندہ اس عذاب سے محفوظ نہیں رہا"۔

میر تقی میر جو اس تباہی کے عینی شاہد تھے، اپنی سوانح عمری میں لکھتے ہیں،

"درانی فوج اور روہیلہ ٹوٹ پڑے اور قتل و غارت میں لگ گئے، شہر کے دروازے توڑ ڈالے اور لوگوں کو قید کر لیا۔ کئی ایک کو جلا ڈالا یا سر کاٹ دیئے۔ کھانے پینے کی اشیا میں سے کچھ نہیں چھوڑا، چھتیں توڑ دیں، دیواریں ڈھائیں، شرفا کی مٹی پلید ہو رہی تھی، شہر کے عابد خستہ حال ہو گئے۔ بڑے بڑے امیر ایک گھونٹ پانی کیلئے بھی محتاج بن گئے۔ ان جفا کاروں کی بن آئی تھی۔ لوٹتے، کھسوٹتے، ایذائیں دیتے، ستم ڈھاتے، عورتوں کی بےحرمتی کرتے، ہر گھر، ہر گلی کوچے اور ہر بازار میں یہ غارت گر تھے"۔

دوسری جانب مغل سلطنت اپنے زوال کی ابتدا سے اپنے جانشین کے معاملے پر کشت و خون کے دریا سے گذرنے لگی۔ شاہجہان کے دور سے یہ روایت چلی کہ تخت کے تمام دعویداروں کو یا تو قتل کرا دیا جائے یا انہیں اندھا یا معذور کر کے دور دراز کے قلعوں میں قید کر لیا جائے۔ عالمگیر کے بڑے بیٹے اکبر نے جب بغاوت کی اور ناکامی کے بعد ایران فرار ہو گیا تو عالمگیر نے اسکے بیٹے نیکوسیر اور بیٹیوں کو اکبرآباد کے قلعے میں قید کرایا، شہزادے نے 40 سال قید میں گذارے۔ 1719 میں سید برادران کی بغاوت کے دوران اسے قید

سے نکال کر تخت پر بٹھایا گیا تاہم اسکی تخت نشینی چند روزہ ثابت ہوئی اور وہ دوبارہ معزول کر کے قید کیا گیا۔ جہاں دار شاہ خانہ جنگی کے بعد جس میں اسکے تین بھائی ہلاک ہوئے، بادشاہ بنا تو اس نے اپنے بھائیوں کی اولاد کو شاہجہان آباد کے قلعے میں قید کر دیا۔ فرخ سیر نے بادشاہ بنتے ہی جہاں دار شاہ اور اسکے بیٹے اعزا الدین کو قتل کرا دیا اور اپنے چھوٹے بھائی محمد ہمایوں بخت کو اندھا کرا دیا۔

فرخ سیر کے قتل کے بعد سید برادران کو ایسا کوئی شہزادہ نہیں مل سکا جسے بادشاہ بنایا جا سکے۔ جو قتل یا اندھے ہونے سے بچ گئے تھے وہ عورتوں اور خواجہ سراؤں کے ساتھ قید میں تھے۔ بالآخر بڑی مشکل سے شہزادہ رفیع الدراجات کو قید خانہ سے نکال کر تخت پر بٹھایا گیا۔ اسکی تخت نشینی اس قدر جلد بازی میں کی گئی کہ اسے کپڑے تک بدلنے کی فرصت نہیں ملی اور قید خانے کے میلے کپڑوں میں ہی اسے بادشاہی مالا پہنائی گئی۔ یہ شہزادہ قید خانے میں ٹی بی کا مریض ہو گیا تھا اور اسی کے ہاتھوں کچھ ماہ میں چل بسا۔ اسکے بعد اسکا بھائی رفیع الدولہ بادشاہ ہوا مگر وہ بھی چند ماہ میں بیماری کے ہاتھوں فوت ہو گیا۔ اسکے بعد محمد شاہ کو آٹھ سال کی قید کے بعد قلعہ سلیم گڑھ سے نکال کر بادشاہ بنایا گیا۔

فرخ سیر کے بعد تین بادشاہ یکے بعد دیگر سید برادران کی مرضی سے مقرر ہوئے۔ اسکے بعد جب روہیلہ، مرہٹے اور انگریز طاقتور ہوئے تو انکی مرضی اور حمائت سے ہی بادشاہوں کا تعین ہونے لگا۔ اس انتخاب میں محل کی سازشوں کو بھی عمل دخل حاصل ہوتا تھا اور بیگمات اپنے بیٹوں کی تخت نشینی کیلئے با اقتدار جماعت کی حمائت حاصل کرنے کیلئے سرگرم ہوتیں۔ محمد شاہ کی دو بیواہوں نے غلام قادر روہیلہ کو پیشکش کی کہ اگر انکے پوتون کو بادشاہ بنایا جائے تو وہ دس لاکھ روپے کی نظر دیں گی، بہادر شاہ ظفر کے عہد میں زینت محل اپنے بیٹے شہزادہ جواں بخت کو ولی عہد بنانے کیلئے سرگرداں تھیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران زینت محل اس امید پر انگریزوں کی حمائتی ہو گئی تھیں کہ بعد ازاں اسکے بیٹے کو بادشاہ بنایا جائے گا۔

جب شمالی ہندستان میں مرہٹوں کا عروج ہوا تو مغل بادشاہ شاہ عالم ان کا محتاج بن کر رہ گیا۔ مرہٹہ رہنما مادھو سندھیا نے بادشاہ کا نگران نظام الدین نامی ایک شخص کو بنایا، جس نے بادشاہ کے اخراجات کو انتہائی محدود کر لیا۔ جب ڈی بوئی مرہٹوں کی جانب سے شمالی ہندستان کا وائسرائے مقرر ہوا تو اس نے اپنی حکومت کو تجویز دی کہ بادشاہ کا الاؤنس پانچ ہزار روپے کیا جائے اور ولی عہد اکبر شاہ کو تیس ہزار روپے سالانہ والی کوٹہ قاسم جاگیر دی جائے۔

شاہ عالم جب تک نظام الدین کی نگرانی میں رہا، کم خوراکی کا شکار رہا۔ تاہم پیرون کے زمانے

میں جب وہ ایک فرانسیسی افسر کی زیرنگرانی تھا، مناسب برتاؤ کا حامل ہوا۔ اس نے کئی بار سندھیا کو لکھا کہ اس کا الاؤنس اسے براہ راست دیا جائے تا کہ اس تک پہنچنے کے دوران رقم میں جو خرد برد ہوتی ہے اس سے بچا جا سکے۔

1803ء میں جب جنرل لیک کی قیادت میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا تو شاہ عالم مرہٹوں کی قید سے نکل کر انگریزوں کی قید میں آ گیا، اگرچہ انگریز گورنر جنرل ویلزلی نے یہ اعلان کیا تھا کہ مغل بادشاہ کی حالت کو بہتر بنایا جائے گا تاہم عملی طور پر ایسا نہیں ہوا۔

بعدازاں جب امرا کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے لے لی تو شاہ عالم بھی کمپنی کی حفاظت میں آیا اور اسکے بعد مغل بادشاہ کی حکومت محدود ہو کر لال قلعہ تک رہ گئی۔ کمپنی کی کوشش تھی کہ اسکی اپنی طاقت میں اضافہ اور بادشاہ کی طاقت کا خاتمہ ہو چنانچہ دہلی کے ریزیڈنٹ منکاف نے بادشاہ پر دیگر ہندستانی حکمرانوں سے تحائف لینے اور دینے پر پابندی عائد کردی اور اسے پابند بنایا کہ وہ آئندہ کسی بھی ہندستانی حاکم کو کوئی خطاب نہیں دے سکے گا۔

انگریزوں کی حفاظت میں آنے کے بعد شاہ عالم قلعہ معلیٰ کا کلی حاکم ہو گیا۔ البتہ مغل خاندان کی بود و باش خاندان کے سربراہ کے طور پر اسکی ذمہ داری تھی۔ 1789ء میں اسے سترہ ہزار روپے کا مشاہرہ ملتا تھا جبکہ اسکے اخراجات پینتالیس ہزار روپے تھے۔ 1836ء میں اسکی پنشن مزید کم ہو کر ساڑھے گیارہ ہزار روپے ہو گئی۔

جب اکبر شاہ نے خواجہ فرید کو اپنا وزیر مقرر کیا تو اُس نے تین طریقوں سے اخراجات پورے کرنے کی کوشش کی۔ ایک تو اس نے تمام شہزادوں، بیگمات اور عملے کی تنخواہوں میں دس فیصد کٹوتی کر دی، دوسرا شاہی باورچی خانہ اور کچھ شاہی کارخانے بند کرا دیئے اور تیسرا یہ کیا کہ سونے اور تانبے سے بنی ہوئی دیوان عام کی چھت اکھاڑ کر انہیں الگ الگ کر کے سکے ڈھلوا کر قرضہ ادا کیا۔ اس پر دہلی کے لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ چاندی کی چھت نادر شاہ نے لوٹی اور تانبے کی خواجہ فرید نے۔ مسائل اس سے بھی حل نہیں ہوئے اور بادشاہ، بیگمات اور شہزادے زیورات اور جواہرات فروخت کر کے گزارہ کرنے لگے۔

دوسری جانب مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں، نادر شاہ اور احمد شاہ کے ہنگاموں میں کئی بار قلعے کو لوٹا گیا اور پوشیدہ خزانہ تلاش کرنے کیلئے قلعہ کی دیواروں اور فرش کو کھودا گیا۔ غلام قادر روہیلہ نے تو شاہی کتب خانے کی کتابیں تک بیچ دیں۔

مغل بادشاہوں اور شہزادوں کو اپنے بڑے حرم رکھنے کا خبط تھا۔ احمد شاہ کا حرم ایک میل تک پھیلا ہوا تھا جہاں وہ مہینوں رہتا اور اس دوران کسی مرد کی صورت بھی نہیں دیکھتا۔ شاہ عالم سے متعلق ایک سیاح نے لکھا کہ اسکی 500 محرمات تھیں جبکہ کنیزیں اسکے علاوہ۔ شاہ عالم کا بیٹا اکبر 18 سال کی عمر میں 18 بیویوں کا شوہر تھا۔

ریاستی امور چلانے میں مہارت حاصل کرنے یا ان میں دلچسپی لینے کے بجائے مغل خاندان کے افراد کی اپنی ذات کی عیاشی پر توجہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران باغی فوجوں نے بہادر شاہ ظفر کو اپنا رہنما بنایا تو بہت سے شہزادوں کو فوج میں اعلیٰ عہدے دیے گئے تاہم وہ اس دوران کسی اعلیٰ اخلاقی یا عسکری رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں ناکام رہے۔

اودھ کا شاہی خاندان

اودھ کے شاہی خاندان پر دو نقطہ نظر موجود ہیں۔ کچھ محققین اور تاریخدان انہیں عیش و عشرت کے دلدادہ گردانتے ہیں تو دوسرے مذہبی رواداری، عوام میں مقبولیت اور انگریزوں کے ہاتھوں تکالیف اٹھانے کے باعث انہیں عزت و تعظیم سے دیکھتے ہیں۔

اودھ پر کمپنی کے قبضے کی تاریخ انتہائی طویل اور دردناک ہے۔ بعض تاریخدان تو 1857ء کی جنگ آزادی کا اصل سبب ہی اودھ کے الحاق اور وہاں روا رکھا جانے والا انگریزی سلوک کو ہی بتاتے ہیں۔

1774ء میں وارن ہیسٹنگز نے نواب اودھ سے چالیس لاکھ روپے لیکر روہیلوں کی بیخ کنی کی، اسکے بعد سے کمپنی کی فوج مستقل طور پر اودھ میں رہنے اور اسکے روز مرہ کے امور میں مداخلت کرنے لگی۔ امدادی فوج کے اخراجات کے لیئے نواب نے ابتدا میں 35 لاکھ روپے کی رقم منظور کی لیکن یہ جلد ہی 75 ہزار تک جا پہنچی۔ اس کے علاوہ دیگر طریقوں سے رقم اینٹھنے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ نواب وزیر اودھ نے کوڑا اور الہ آباد کے علاقے کمپنی کے حوالے کیے لیکن آٹھ سال کے بعد یہی علاقے 45 لاکھ روپے میں کمپنی نے دوبارہ نواب کو فروخت کر دیئے۔ کمپنی کے بڑھتے ہوئے مطالبات کی وجہ سے نواب کو زمینوں کے لگان اور محصول میں اضافہ کرنا پڑا، جس پر کئی ایک مقامات پر مقامی سطح پر بغاوتیں بھی ہوئیں۔ اب کمپنی نے ڈنڈے کے زور پر اپنے طور پر براہ راست لگان وصول کرنا شروع کر دیا۔

1775ء میں نواب اودھ کی وفات پر کمپنی نے زرِ نقد کے سوا ادائیگی کے تمام معاہدے منسوخ کر دیئے اور نئی شرائط کی منظوری کیلیئے دباؤ ڈالا۔ امدادی فوج کے اخراجات میں اضافہ کرتے ہوئے بنارس کا

علاقہ کمپنی کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جس کی آمدنی 22 لاکھ روپے تھی۔

جب 1792ء میں سرجان شور گورنر جنرل بن کر آیا تو اس نے نواب سے طئے شدہ رقم سے زیادہ کا مطالبہ کیا۔ نواب کے انکار کرنے پر اسکے وزیر لال بھاؤ کو گرفتار کرلیا گیا، بالآخر نواب آصف الدولہ کو انگریزی شرائط منظور کرنے پڑے۔ آصف الدولہ کے مرنے پر کمپنی نے پہلے تو وزیر علی کو انکا جانشین تسلیم کیا تاہم بعد میں عدم مداخلت کے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سعادت علی سے ساز باز کر کے اسے تخت نشین کیا، جس نے انگریزوں کی تمام شرائط مانتے ہوئے اودھ کی حفاظت کیلئے دس ہزار انگریزی فوج رکھنے کی منظوری دی جسکے اخراجات نواب کو ہی اٹھانے تھے۔ جبکہ دیگر شرائط کے تحت الہٰ آباد کا علاقہ اور دس لاکھ روپے نقد کمپنی کے حوالے کیا جانا تھا جبکہ نواب کو کسی اور سلطنت سے خط و کتابت کی اجازت بھی نہیں تھی۔

بڑھتے ہوئے مطالبات کی ایک مثال بنارس کے راجہ چیت سنگھ کی ہے جسے 1775ء میں کمپنی نے اپنی سرپرستی میں لیا۔ 1778ء میں وارن ہیسٹنگز نے راجہ کو لکھا کہ ہندستانی ریاستوں کے خلاف کمپنی کی جاری جنگ کے اخراجات میں وہ اپنے حصے کے پانچ لاکھ روپے ادا کرے۔ اسکے بعد ہر سال یہی مطالبہ بڑھتا گیا تاوقتیکہ راجہ نے اس سے معذوری ظاہر کی تو اس جرم پر وارن ہیسٹنگز خود لشکر لیکر بنارس پر چڑھ دوڑا۔ بنارس کے عوام نے انگریزی فوج پر حملہ کردیا اور وہ بمشکل اپنی جان بچا کر بھاگ سکا۔ 1784ء میں بنارس قحط کا شکار ہوا، جس کے بعد راجہ چیت سنگھ کو معزول کر کے نیا راجہ بٹھا دیا گیا۔ اودھ کے راجہ آصف الدولہ نے 1779ء میں کمپنی بہادر سے اپنی فوجیں اودھ سے نکالنے کی درخواست کی مگر ہیسٹنگز نے یہ درخواست رد کرتے ہوئے چودہ لاکھ پونڈ کا مطالبہ کردیا۔

1800ء میں ولزلی نے ایک نیا مطالبہ کیا کہ نواب اپنی بے قاعدہ فوج ختم کرے اور مددگار انگریز فوج کو مزید پچاس لاکھ روپے سالانہ نذر دے۔ نواب کے انکار پر ولزلی نے مختلف حیلے بہانے کرتے ہوئے انگریزی فوجیں اودھ میں داخل کردیں اور حکم دیا کہ اسکے اخراجات کا بندوبست کیا جائے۔ نواب نے عاجزی سے احتجاج کیا تو ولزلی نے تمام مراسلات اس جواب کے ساتھ مسترد کردیئے کہ "ان کا طرزِ خطاب ہندستان کے سب سے بڑے برطانوی حاکم کی شان کے خلاف ہے۔"

نومبر 1801ء میں نواب سے ایک اور معاہدہ کر کے وسیع علاقہ کمپنی کی فوج کے اخراجات کے نام پر اپنے قبضے میں لے لیا گیا۔ جس کی سالانہ مال گذاری ایک کروڑ پینتیس لاکھ پچیس ہزار چار سو چوہتر روپے تھے۔ نئے معاہدے کے مطابق نواب کو اس بات کا بھی پابند بنایا گیا کہ وہ اندرونی معاملات میں بھی

کمپنی سے مشورہ کرے گا، تاہم معاہدے کے تحت اودھ کو فوجی امداد نہیں دی گئی۔

13 فروری 1847ء کو جب واجد علی شاہ تخت نشین ہوا تو اودھ مکمل طور پر کمپنی کے کنٹرول میں تھا۔ واجد علی شاہ نے اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود جب اکا دکا اصلاحات شروع کیں تو ریزیڈنٹ کو اسکی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔ فارن سیکریٹری سے لیکر گورنر جنرل اور ریزیڈنٹ تک ہر ایک نے ان پر اعتراضات کیے۔ نومبر 1847 میں اودھ کا دورہ کرنے کے بعد گورنر جنرل نے واجد علی شاہ کو متنبہ کیا کہ اگر دو سال کے اندر انتظام میں سدھار نہیں کیا گیا تو کمپنی اودھ کا انتظام خود سنبھال لے گی۔

جب کرنل سلیمن ریزیڈنٹ بن کر آیا تو اس نے واجد علی شاہ کے خلاف رپورٹیں لکھنا شروع کیں کہ ''وہ انتظامی معاملے میں بالکل ناکارہ ہے۔ اسکا وزیر تیسرے درجے کا آدمی ہے''۔ سلیمن کے حکم سے شاہی مہر سے لفظ ''غازی'' نکال دیا گیا۔

30 جولائی 1851ء کو ڈلہوزی اپنے ایک خط میں اودھ کے متعلق لکھتا ہے، ''یہ مزے دار پھل ایک دن ہمارے منہ میں آنے والا ہے جو کہ لمبے عرصے سے پک چکا ہے، تاہم ابھی الحاق مناسب نہیں۔''

بالآخر الحاق سے متعلق ریزیڈنٹ سلیمن اور آؤٹرام سے رپورٹیں طلب کی گئیں اور مخفی طور پر الحاق کا فیصلہ کرلیا گیا۔ واجد علی شاہ نے جب اودھ اور اسکی سرحدوں پر انگریز فوج کی غیر معمولی نقل حمل سے متعلق دریافت کیا تو اسے کہا گیا کہ شاہ نیپال یاترا کو جارہے ہیں اس لیے فوج جمع ہوئی ہے۔ بالآخر 30 جنوری 1856ء کو جنرل آؤٹرام نے واجد علی شاہ کے سامنے اودھ کی ضبطگی کا فرمان دستخط کیلئے رکھا تو اس نے غم زدہ ہوکر کہا، ''عہد نامہ برابر والوں میں ہوتا ہے۔ اسکی ضرورت نہیں کہ میں اس پر دستخط کروں۔ انگریزوں کو اختیار ہے کہ میرے اور میرے ملک کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں'' چنانچہ اودھ کو ضبط کرنے کا اعلان کرکے واجد علی شاہ کو جلاوطنی پر کلکتہ جانے کا حکم دیا گیا۔ جب اس نے اپنے وزیروں علی نقی اور راجہ بال کرشن کو ساتھ لے جانے کی خواہش ظاہر کی تو اسے اس سے روک دیا گیا۔ لندن کے بعض اخبارات نے بھی اودھ کے جبری الحاق کو ناانصافی قرار دیا جبکہ انگریزوں کے ایک اہم وفادار سر سید احمد خان کا کہنا تھا کہ ''اودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ کمپنی نے عہد و اقرار کی خلاف ورزی کی ہے۔''

اودھ شاہی کی ضبطی سے ایک اندازے کے مطابق سات لاکھ افراد بیروزگار ہوئے جن میں ستر ہزار شاہی فوجی بھی شامل تھے۔ جبکہ ضبطی اور نیلام کے ضمن میں 1857ء سے پہلے کے چار سالوں کے دوران 35 ہزار میں سے 21 ہزار جائیدادیں قرق یا نیلام کی گئیں۔

واجد علی شاہ اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر احتجاج اور فریاد کرتے رہے۔ اس ضمن میں ایک وفد لندن بھی روانہ کیا گیا جبکہ لکھنو میں اپنی جلاوطنی / قید سے وہ گورنر جنرل کو بار بار خطوط تحریر کر کے ناروا سلوک کی شکایات کرتے رہتے۔

30 اگست 1856ء کو لکھے گئے ایک خط میں وہ کہتے ہیں، ''میری ہزاروں چیزیں اور سامان ضبط کیے گئے ہیں، میری چھ پشتوں کی یادگار لاکھوں کی عمارت مسمار کر دی گئی ہے۔ فرح بخش کی عظیم الشان عمارت کو گھوڑوں اور کتوں کا اصطبل بنا دیا گیا ہے۔ میرے گھوڑے، بیل، ہاتھی کوڑیوں کے بھاؤ نیلام کیے گئے ہیں'' جبکہ 14 دسمبر 1856ء کے خط میں وہ بتاتے ہیں کہ شاہی بیگمات کی رہائش کیلئے استعمال ہونے والی لکھنو کی چھتر منزل کو زبردستی خالی کرا کے وہاں سے بیگمات کو نکال دیا گیا ہے۔

دیگر دیسی ریاستوں سے انگریزوں کا برتاؤ

بنگال: 23 جون 1757ء کو بنگال کے حکمران سراج الدولہ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان جنگ ہوئی جو کمپنی کے مقامی سربراہ لارڈ کلائیو کی سازشوں کی وجہ سے سراج الدولہ کے قتل اور انگریزوں کی فتح پر ختم ہوئی۔ اس جنگ کے بعد سراج الدولہ سے غداری اور انگریزوں سے ساز باز کرنے والے میر جعفر کو بنگال کے تخت پر بٹھایا گیا، جسے بنگال کے عوام ''کلائیو کا گدھا'' کہتے تھے۔ اس جنگ کے بعد انگریزوں کو بنگال، بہار اور اڑیسہ میں ''آزاد تجارت'' کی کھلی چھوٹ مل گئی۔ 2 لاکھ بائیس ہزار نو سو اکاون روپوں کے سالانہ لگان والا کلکتہ کے جنوب میں واقع چوبیس پرگنہ کا علاقہ انگریزوں کو مالِ غنیمت کے طور پر ملا۔ شورے کی تجارت کلائیو کے حوالے ہوئی، جاگیر اسکے علاوہ تھی جسکی سالانہ آمدنی ساڑھے انیس لاکھ روپے تھی۔ انگریزوں کے ہاتھ لگنے والے نقد روپوں کا آج تک صحیح اندازہ نہیں لگ سکا ہے۔ چار کروڑ روپے تو سازش کے دوران طے ہوئے تھے جبکہ ڈیڑھ کروڑ روپے بطور جنگی اخراجات، تقریباً اتنی ہی رقم کمپنی کے افسروں کو انعامات و اعزازات کے ضمن میں دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا تاہم نصف ادائیگی پر ہی بنگال کا خزانہ خالی ہو گیا تو باقی رقومات قسطوں میں ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کلائیو نے صلح کرانے کا معاوضہ سات لاکھ روپے وصول کیا۔

اس دور کا ایک مورخ اورمی اس لوٹ مار کے کچھ تفاصیل بیان کرتا ہے،

''انگریزوں کو سب سے پہلے یہ فکر لاحق تھی کہ معاہدے کی رقم کسی طرح وصول کی جائے، یہ خزانہ سات سو صندوقوں میں بند ہو کر ایک سو کشتیوں میں لد کر آیا۔ اس سے قبل انگریز قوم نے اتنی بڑی رقم یکمشت نہیں دیکھی تھی۔ یہ آٹھ لاکھ پونڈ کے لگ بھگ کا خزانہ تھا''

1760ء تک میر جعفر انگریزوں کیلئے انتہائی اطمینان بخش ثابت ہوا لیکن اس دوران اسکے بیٹے میرن نے اپنی عیاشی اور قوت کے گھمنڈ میں کچھ انگریز عورتوں کو قتل کر ڈالا تو انگریزوں نے میر جعفر سے نظریں پھیرنا شروع کیں تاہم جون اسٹریچی کے بقول: ''اصل وجہ یہ تھی کہ میر جعفر اب ایک ایسے کنویں کی طرح ہو گیا تھا جسکی تلی میں کچھ بھی باقی نہیں بچا تھا جو کہ انگریزوں کے ہاتھ آسکے۔'' چنانچہ اب میر جعفر کے داماد میر قاسم کی باری آئی۔

انگریزوں نے میر قاسم کو 1760ء میں تخت نشین کیا اور ٹکسال کھولنے کی اجازت دینے کیلئے بیس لاکھ روپے نقد وصول کیئے۔ میر قاسم بھی انگریز اہلکاروں کی زیادتیوں پر شکایات کرتا رہا۔ مارچ 1762ء میں کمپنی کے اہلکاروں کو لکھے گئے ایک خط میں وہ لکھتا ہے۔ ''ہر پرگنہ، گاؤں اور منڈی میں انگریز گماشتے نمک، چاول، چھالی، گھی، بانس، مچھلی، تمباکو وغیرہ کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ رعایا کا مال زبردستی اٹھا لے جاتے ہیں اور چوتھائی قیمت بھی نہیں دیتے۔ انکے ظلم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنے مال کے بدلے میں ایک کی جگہ پانچ گنا زبردستی لے جاتے ہیں۔ مجھے تقریباً 25 لاکھ روپے سالانہ کا نقصان ہو رہا ہے۔''

ان حالات سے مجبور ہو کر میر قاسم نے ہندستانی تاجروں کا محصول معاف کر دیا۔ اس سے اگرچہ اسے خود تو نقصان ہوا لیکن اس سے انگریزوں کی تجارتی لوٹ مار کی عمارت بھی گر گئی جس پر ان کا ناراض ہونا فطری تھا۔ یہی بات میر قاسم سے جنگ کا سبب بنی اور اب میر جعفر کا کردار سردار نجف خان کے حوالے ہوا جس کی رہنمائی میں انگریز رات کی تاریکی میں اودانالہ پہنچے اور نواب کا لشکر شب خون کے دوران انگریز توپوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکا۔ اس کے بعد میر جعفر کو دوبارہ نواب بنا کر لاکھوں روپے وصول کیے گئے اور پھر اسکے بیٹے نجم الدولہ کو نواب بنا کر بیس لاکھ روپے وصول کیے۔ بعد میں کلائیو کے اشارے پر نجم الدولہ کو زہر دیکر ہلاک کرایا گیا۔

کمپنی نے 1765ء میں شاہ عالم سے بہار، بنگال اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل کرتے ہی دوسرے یورپی تاجروں کو باہر نکال کر تجارت پر مکمل قبضہ کر لیا۔

1765-66ء سے 70-1770 تک کمپنی کی آمدنی 2 کروڑ ایک لاکھ تینتیس ہزار 579 پونڈ تھی اس رقم کا ایک تہائی حصہ ملک سے باہر بھیجا گیا۔ اس لوٹ مار کے نتیجے میں بنگال 1770 میں شدید قحط سالی کا شکار ہوا جس میں خود انگریزوں کے مطابق ایک تہائی آبادی لقمہ اجل بنی۔

1776ء میں زمینداروں کی جانب سے محصول کی ادائیگی نہ کرنے پر زمین / جائیداد بحق سرکار

قرق کرکے فروخت کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ انگلستان میں مقبول ہونے والے بنگال کے نفیس کپڑے کے استعمال پر پابندی عائد کرنے کا برطانیہ کی پارلیامنٹ سے قانون منظور کیا گیا۔

اڑیسہ: یہاں انگریزوں کا راج 1803ء میں قائم ہوا اور اس سے نقصان اٹھانے والے پائکوں نے 1817ء میں بغاوت کر دی۔ بغاوت کا فوری سبب مالِ گذاری کی رقم چار لاکھ روپے سے رفتہ رفتہ بڑھا کر دس لاکھ روپے کرنا تھا۔ پہلے یہ رقم ہنڈی کی صورت میں ادا کی جاتی تھی لیکن اب یہ چاندی کے سکوں کی صورت میں کلکتہ جانے لگی، جس سے چاندی کی ایک بڑی مقدار اڑیسہ سے باہر چلی گئی اور مقامی سکے کی قیمت گر گئی چنانچہ 1817 میں بُجا پتی کہلانے والے راجہ کی سربراہی میں کھردا ضلع پوری میں فوجی حیثیت رکھنے والے پائکوں نے بغاوت کر دی۔

مارچ 1817ء میں کھونڈوں کی ایک جماعت گھمسار ضلع گنجام سے کھردا میں داخل ہوئی تو پائک برادری کے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جن کی رہنمائی کھردا کا راجہ جنگ بندھو کر رہا تھا۔ دارالحکومت کٹک میں یہ اطلاع پہنچی تو انگریز افسر مجسٹریٹ ایڈورڈ اِمپی کے ساتھ فوج لیکر آگے بڑھا لیکن کھردا سے دو میل دور گنگ پارا میں باغیوں نے ایک جھڑپ میں انگریز فوج کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر بان پور میں سرکاری دفاتر کو آگ لگادی گئی، خزانہ لوٹا گیا، پولیس تھانوں پر حملے کیئے گئے، تقریباً ایک سو لوگ قتل ہوئے اور مقامی طور پر انگریزی اقتدار ختم ہو گیا۔ 12 اپریل 1817ء کو باغیوں نے پوری پر حملہ کیا، کیپٹن ولنگٹن جو صورتحال پر قابو پانے آیا تھا واپس کٹک فرار ہو گیا، دوبارہ فوج بھیجی گئی اس وقت تک جنگ بندھو، بان پور پر قبضے کیلئے پیش قدمی کر چکا تھا اس لیے انگریز فوج آسانی سے قابض ہو گئی اور کھردا کے راجا کو گرفتار کر کے 11 مئی 1817ء کو کٹک لایا گیا۔ یہ بغاوت فقط کھردا تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ ایسوریشو، تیران، ہری ہرپور اور گوپے تک پھیلی ہوئی تھی اور قریبی علاقوں کے راجہ بھی باغیوں کی مدد کر رہے تھے۔ انگریزوں نے بڑے پیمانے پر فوجی انتظامات کیئے اور بارہا کھرڈا وغیرہ پر چڑھائی کی تب جا کر اکتوبر 1817ء میں اس بغاوت پر قابو پایا جا سکا تاہم جنگ بندھو ہاتھ نہیں آسکا اور اپنی باغیانہ کارروائیوں میں مصروف رہا۔ اس نے 1825ء میں ہتھیار ڈالے اور نظر بندی کے دوران ہی 1829 میں فوت ہو گیا۔

بعد ازاں مقامی لوگوں نے چکرا بسوئی کی رہنمائی میں بغاوت جاری رکھی جس کا انگول کے راجہ سومناتھ جگدیو سے بھی خفیہ رابطہ تھا، اسی الزام کے تحت راجہ کو 1847 میں معزول کر کے ہزاری باغ میں نظر بند کیا گیا جس دوران وہ 1853ء میں فوت ہو گیا۔ جبکہ اسکے کمانڈر سندھو گرنا ٹک کو بارہ ساتھیوں سمیت

جلاوطن کیا گیا۔ ان بغاوتوں کا سلسلہ 1856ء تک جاری رہا، جسکے اگلے سال 1857 کی جنگ آزادی شروع ہوگئی۔

مدناپور سے بہار اور چھوٹا ناگپور تک مسلسل بغاوتیں ہوتی رہیں۔ سنگھ بھوم کے کول اور چھوٹا ناگپور کے منڈا قبیلے، مان بھوم کے بھومج قبیلے، راج محل کے سنتھال، اڑیسہ کے کھونڈ اور آسام کے کھاسی قبیلوں نے انگریزوں کے ناکوں چنے چبوادیے۔ بغاوتوں کا یہ سلسلہ 1768ء سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ 32-1831ء میں کولوں کی بغاوت رانچی سے شروع ہوکر سنگھ بھوم، ہزاری باغ، پالامئو، مان بھوم وغیرہ میں پھیلتی گئی جسے کچلنے کے لیے وسیع فوجی کاروائی کی گئی۔ 1855ء میں راج محل کے سنتھالوں نے بغاوت کی جو کہ لگان کے مطالبے کے خلاف تھی۔ اڑیسہ کے سرداروں نے 1804ء سے بغاوتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ آسام پر انگریزوں کے قبضے کے خلاف متعدد بغاوتیں ہوئیں۔ سنگ خو اور اسکے ساتھیوں نے 1830ء میں سادیا کے مقام پر حملہ کیا اسی طرح 1835ء اور 1839 میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ 1849ء میں ناگاؤں نے بغاوت کی۔

مالابار۔ میسور: 1792ء میں جب ٹیپو سلطان کی سلطنت کا کچھ حصہ کمپنی کے قبضے میں آیا تو مالابار کے تقریباً تمام راجہ 6 سال تک انگریزوں سے لڑتے رہے۔ کوٹایم کے راجہ کیرالا ورما نے ان لڑائیوں میں دوسرے راجاؤں سے مل کر نمایاں حصہ لیا اور یہ بغاوتیں اتنی خطرناک تھیں کہ انگریزوں کو راجہ کے ساتھ نرم شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ گنجام کی ریاست کمیری کے جاگیردار کو جب کمپنی نے خراج کی ادائیگی میں دیر پر گرفتار کیا تو وہاں 1797ء میں عام بغاوت پھیل گئی۔ مالابار میں 1802ء میں شروع ہونے والی بغاوتوں کا سلسلہ 1812ء تک جاری رہا۔ میسور کی فتح کے بعد مرہٹہ سردار دھونڈیا واگ نے بغاوت کی مگر 1800ء میں شکست کھا گیا اور 10 ستمبر 1800ء کو ایک جھڑپ میں ہلاک ہوگیا۔ 1834ء میں کورگ کے راجا ویرا نے بغاوت کی۔ ٹراونکور میں 1804ء میں بغاوت ہوئی۔ یہاں کے دیوان ویلوتامپی نے 1808ء میں کوچین کے دیوان کو اپنے ساتھ ملا کر سخت مقابلہ کیا اور 1809ء میں شکست کے بعد ایک مندر میں خودکشی کرلی۔

دکھنی علاقے: 1824ء میں ضلع بیجاپور میں دواکر ڈکشٹ نے لشکر جمع کرکے سرگی کے مقام کو لوٹا اور اپنی حکومت قائم کرلی۔ شیوالنگا کی موت پر جب کمپنی نے اسکے لے پالک بیٹے کو جانشین تسلیم کرنے سے انکار کیا تو 1824ء میں ریاست کٹور میں بغاوت ہوگئی جس میں کئی انگریز قتل بھی ہوئے۔ اگرچہ اس میں باغیوں کو شکست ہوگئی تاہم 1829ء میں دوبارہ بغاوت ہوئی۔ 1826ء میں تین سال سے قحط سالی کے شکار دکھنی علاقوں میں راموسس نے بغاوت کی۔

مدارس پریزیڈنسی میں پالیگاروں کی وقفے وقفے سے بغاوتیں ہوتی رہیں۔ راجہ وزیانگرم سے کمپنی نے تین لاکھ روپے کا مطالبہ کیا جو وہ پورا نہیں کر سکا تو اسکی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ راجہ نے 1794ء میں بغاوت کی جس دوران وہ ہلاک ہو گیا۔ تِتنے ولی، سواگری اور رام ناد وغیرہ کے پالیگاروں نے 1801ء میں بغاوت کی۔ شمالی ارکاٹ میں 05-1801ء اور دیگر علاقوں میں 1813ء میں بغاوتیں ہوئیں۔ 34-1830ء کے دوران راجہ سر بھدار اور راجہ جگن ناتھ نے بغاوت کی۔ گنجام ضلع اور نرسا ریڈی کرنول کے پالیگاروں نے 37-1835ء اور 47-1846ء کے دوران بغاوتیں کیں۔

آسام: انگریزوں کے سلہٹ اور کام روپ پر قبضہ کرنے کے خلاف راجہ تیرت سنگھ نے 1829ء میں کھاسی کی پہاڑیوں نونگ کھلاؤ میں بغاوت کی اور ریاست میں انگریزوں کی جانب سے سڑک بنانے کے کام میں رکاوٹیں ڈالیں۔ مقابلے میں بھاری پڑنے پر انگریزوں نے اپنے روایتی حربے استعمال کر کے راجہ کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اور پیشکش کی کہ اگر وہ انگریزوں کی بالادستی قبول کر لے تو اسے ریاست واپس مل سکتی ہے۔ راجہ نے یہ پیشکش قبول کرنے کے بجائے جلاوطنی اختیار کی اور 1834ء میں ڈھاکہ میں انتقال کر گیا۔

جنگ برما کے بعد 1826ء میں آسام کے علاقے کمپنی کے قبضے میں آئے۔ پرانے نظام میں تبدیلیوں اور لگان کے دن بہ دن بڑھتے ہوئے مطالبات کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دارانگ کے علاقے کے راجہ وجے نارائن سے 42 ہزار روپے اور ڈیڑھ ہزار پائکوں کی خدمات طلب کی گئی۔ جلد ہی یہ رقم بڑھا کر 54 ہزار ہو گئی۔ راجا کے احتجاج پر تین ہزار روپے کی رعایت کی گئی۔ سال بھر رقم کی ادائیگی کے بعد جب معلوم ہوا کہ راجہ کے ذمے 21 ہزار روپے مزید نکلتے ہیں تو اسکی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ انہی حالات میں 1826ء کے دوران آسام کے سابق حکمران خاندان کے ایک نوعمر فرد گوم دھر کوار کی سربراہی میں بغاوت شروع ہوئی جس میں علاقے کے معتبرین اور بااثر افراد کثیر تعداد میں شامل تھے۔ گوم دھر کو تخت نشین کیا گیا اور مریانی کی جانب پیش قدمی کی گئی تاہم جلد ہی یہ بغاوت کچل دی گئی۔ گوم دھر کو سزائے موت دی گئی جو کہ بعد ازاں سات سال قید میں تبدیل کی گئی۔ کچھ سال بعد بغاوت کی ایک اور کوشش ہوئی جس کا رہنما دیا نگ گومندر اؤ عرف گودھر سنگھا تھا۔ سابق راجہ کے اس رشتہ دار نے ایک دیسی فوجی صوبہ دار سے بھی رابطہ کیا لیکن اس نے باغیوں کو گرفتار کرا کے گوہاٹی بھجوا دیا۔

اسی دوران 1803ء میں سنگ فو اور کھامتی قبیلوں کی بغاوت شروع ہوئی جس میں شمالی آسام

کے بیشتر زمیندار شریک تھے تاہم فروری 1830ء میں یہ بغاوت کچل دی گئی۔ دوسری جانب 1829ء کی بغاوت کے دوران بچ جانے والے دھن جوئے نے ایک گاؤں میں اپنے بیٹوں کے ساتھ مل کر دوبارہ بغاوت کا منصوبہ بنایا تاہم 20 فروری 1830 کو ایک باغی رہنما کی گرفتاری پر اسکے قبضے سے ملنے والے خطوط کی وجہ سے انگریز اس بغاوت کو شروع ہونے سے قبل ہی کچلنے میں کامیاب ہوگئے تاہم اسکے باوجود باغیوں نے 25 فروری کو رنگ پور پر حملہ کیا جو پسپا ہوگیا اور کئی باغی گرفتار کر لیے گئے۔ دھن جوئے ایک بار پھر انگریزوں کے ہاتھ میں آیا۔

جون 1839 میں ایک اور قابل ذکر بغاوت کھامتی قبیلے کی جانب سے ہوئی جو تمام شورشوں سے بڑی تھی اور اس دوران انگریز رجمنٹ کا کمانڈر میجر وہائٹ باغیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ انگریزوں کو یہ بغاوت کچلنے کیلئے باہر سے امداد طلب کرنی پڑی۔ 1841ء میں گوہائیں قبیلے نے پھر سے بغاوت کر دی جس کی باقاعدہ منصوبہ بندی تو کی گئی تھی تاہم قیادت اور تنظیم کی کمزوری کی وجہ سے یہ بغاوت ناکام ہوئی۔

سانوت وادی اور کولھاپور: شمالی کونکن کے مقام ساونت میں 1833، 1832 اور 1836ء میں بغاوتیں ہوئیں۔ 1844ء میں کولھاپور نے بغاوت کا مشاہدہ کیا اور اس میں انا صاحب نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ آندھرا اسٹیٹ کے ضلع وزاگا پٹم میں برابھد روزے اور جگناتھ روزے نامی سرداروں نے 1830ء سے 1834ء تک بغاوت کی رہنمائی کی، پل کونڈہ میں 1831ء میں عام بغاوت ہوئی۔ 1840 میں ایک برہمن نرسم دتاتریہ کی رہنمائی میں کچھ عربوں نے نظام کے علاقے سے نکل کر بادامی قلعہ پر قبضہ کیا اور نرسم کی حکومت کا اعلان کر دیا۔ ضلع ساگر کے چند زمینداروں نے 1842ء میں بغاوت کی۔ اس سال دکھنی علاقوں کے پالیگاروں نے بیلاری، کڑاپا، اننت پور اور ضلع کرنول وغیرہ میں زبردست بغاوتیں کیں۔

کولہاپور کی ریاست سے 1827ء میں کمپنی کا معاہدہ ہوا جس کے تحت کمپنی کو ریاست کا وزیر اعظم نامزد کرنے یا برطرف کرنے کا اختیار تھا۔ 1837ء میں راجہ شیواجی چہارم عرف بابا صاحب تخت نشین ہوا۔ اسکی کم عمری کے باعث ایک کونسل تشکیل دی گئی تاہم کمپنی اپنے نامزد کردہ وزیر اعظم کرشنا پنڈت کے ذریعے ریاستی امور میں مداخلت کرتی رہی یہاں تک کہ قلعوں پر قبضہ اور راجہ کی فوج کو غیر مسلح کرنا بھی شروع کر دیا۔ حالات کے ناقابل برداشت ہونے پر سمن گد اور بھودرگد کے دیسی فوجی دستوں نے بغاوت کی تو 19 ستمبر 1844ء کو بیلگام سے فوجیں طلب کی گئیں جنہوں نے 13 اکتوبر تک بمشکل حالات پر قابو پایا۔ گوا کے بعض سرداروں نے باغیوں سے رابطے قائم کیے اور نومبر 1844ء میں ان باغیوں نے گوا کے سرداروں سے

مدد طلب کی اور لکھا کہ کولہاپور پہنچ کر ان بدمعاشوں سے ہماری جان چھڑاؤ۔ باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کا سردار پنالا پر جنگ میں ہلاک ہوا تاہم ان حالات نے ساونت وادی پر بھی گہرے اثرات ڈالے اور دیسی رجمنٹ میں بغاوت ہوگئی۔ منوہر گد کے عوام نے انگریزی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، نومبر 1844ء میں ایک بااثر سردار پھوند سانوت تمبولیکار اپنے آٹھ بیٹوں کے ہمراہ بغاوت میں شریک ہوا اور سار ڈیسائی کے سولہ سالہ لڑکے انا صاحب کو بھی اپنے ساتھ ملایا جو تخت کا وارث تھا۔ گوا کے عوام میں بھی باغیوں کیلئے ہمدردی کا رجحان تھا تاہم پرتگالی انتظامیہ نے پابندیاں عائد کیں تاکہ باغیوں کو عوام سے مدد نہ مل سکے جبکہ انگریزوں کا خیال تھا کہ باغیوں کو گوا کے گاؤں پرولی نزد بھیم گد سے اسلحہ اور گولہ بارود فراہم کیا جارہا ہے اور وہاں دوسو باغی چھپے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے جنوری 1845ء میں پرتگالی انتظامیہ کو سخت اقدامات کرنے اور ڈیسائی برادری کے افراد پر کڑی نگاہ رکھنے کا مشورہ دیا۔

جنوری 1845ء کے آخر میں او ایس ڈی کولہاپور کرنل جے آؤٹرام کو باغیوں کے تعاقب کیلئے گوا کی سرحد پر بھیج کر گوا کے حکام کو لکھا گیا کہ باغیوں کو اسکے حوالے کیا جائے اور اگر ضرورت ہو تو آؤٹرام کو باغیوں کا تعاقب کرنے کی اجازت دی جائے۔ پھوند ساونت اپنے ساتھیوں کے ساتھ گوا کی حدود میں تھا جبکہ انا صاحب بھی اپنے دوسو ساتھیوں کے ساتھ اسکے ساتھ مل چکا تھا۔ یہ لوگ گوا کے ایک گاؤں ٹورسا کو مرکز بنا کر بغاوت کی رہنمائی کر رہے تھے۔ گوا کے حکام نے باغیوں کو انگریزوں کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے طور پر حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ تین سال بعد 1848ء میں انگریز حکام نے انہیں 45 باغی سرداروں کی ایک فہرست بھی ارسال کی۔ اسی سال مئی میں انا صاحب کو وطن واپس آنے اور سو روپے مہینہ پنشن کی اجازت دی گئی، تاہم پرتگالی اہلکار ساونت وادی کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ میجر لی گرانڈ جیکب کے شرائط ماننے سے انکاری رہے۔ 1851ء تک انگریز گوا کی انتظامیہ کو مسلسل باغیوں کی سرکوبی کیلئے خطوط لکھتے رہے۔ اسی دوران حکمرانوں کی سخت پالیسی کے خلاف گوا کی عوام نے پرتگالی حاکموں کے خلاف بغاوت کردی۔ ستاری سے تعلق رکھنے والا دیپاجی رینے اس بغاوت کا سرغنہ تھا جس نے نانس کے قلعہ پر قبضہ کرکے اسلحہ لوٹ لیا اور ستاری سے پرتگالیوں کو نکال دیا۔ اس خطرے کے پیش نظر پرتگالی حکومت کو ساونت وادی کے انگریز حکام اور باغی رہنماؤں سے مدد مانگنی پڑی۔ انگریز حکام نے دو باغی سرداروں قاسم خان اور شیخ ابراہیم کو دیپا رینے کی مدد کرنے کے الزام میں گرفتار کیا اور پرتگالی انتظامیہ کو اسلحہ فراہم کیا۔ دیپا رینے اور ہنومنت ساونت 1855ء تک پرتگالی حکومت کے ہاتھ نہیں آسکے۔ جون 1856ء میں ان باغیوں نے ضلع منگلور میں کسٹم ہاؤس اور

ایک پولیس چوکی پر حملہ کیا جس دوران کچھ باغی گرفتار ہوئے تاہم دیپا رینے بچ نکلنے میں کامیاب رہا۔ اسی دوران ہندستان میں 1857ء کی جنگ آزادی نے اسے گوا کے پرتگالی حاکموں کے خلاف اپنی کاروائیاں تیز کرنے کا موقعہ فراہم کیا کیونکہ انگریز گوا میں پرتگالی اقتدار کو بچانے کے بجائے اپنے اقتدار کو بچانے کی تگ ودو میں مصروف ہو گئے تھے۔

بہار: 46-1845ء میں بہار میں انگریزوں کے خلاف ہمہ گیر بغاوت کی تیاریاں شروع ہوئیں تاہم دسمبر 1845 کے دوران ایک جمعدار کے ذریعے انگریزوں کو اس کا علم ہوگیا۔ پٹنہ کے نہ صرف جاگیردار بلکہ پولیس افسر اور سپاہی بھی اس میں شریک تھے۔ فرسٹ رجمنٹ کا منشی پیر بخش اخراجات کیلئے باغیوں میں روپے تقسیم کر رہا تھا کہ 24 دسمبر کو گرفتار ہوگیا۔ اسکے پاس باغیانہ خطوط اور رجسٹر وغیرہ برآمد ہوئے جس کے نتیجے میں نیوریا کا زمیندار راحت علی 25 دسمبر کو گرفتار کیا گیا۔ وہ 1829ء میں وقف جائیداد پر سرکاری قبضے اور عیسائیت کی تبلیغ کے خلاف میر عبداللہ کے ساتھ ایک مظاہرے میں بھی شرکت کر چکا تھا۔ پتہ چلا کہ دہلی کا ایک مغل جو بظاہر ایک کتب فروش تھا اکثر اسکے پاس آتا تھا۔ راحت علی کے محلہ سبزی منڈی پٹنہ کے گھر سے جو کاغذات ملے ان سے سہسرام کے کبیر الدین کا نام بھی سامنے آیا۔ پیر بخش سے پوچھ گچھ پر پتہ چلا کہ اس سازش کا اصل سرغنہ خواجہ حسین علی تھا جو پچھلے چند سال سے گوالیار میں ملازم تھا اور کلکتہ میں ریاست کا وکیل بھی رہ چکا تھا۔ تاہم وہ تنظیم کے رکن پٹنہ کے داروغے میر باقر کی جانب سے باخبر کرنے پر گرفتاری سے محفوظ رہا۔ حسین علی 18 اکتوبر 1846ء کو ایک مجسٹریٹ سامنے پیش ہوا تاہم عدم ثبوت کی بنا پر رہا ہوگیا۔

کنور سنگھ بھی اس معاملے میں شریک تھا جو اکثر پٹنہ آکر راحت علی سے رابطے میں رہتا۔ راحت علی نے ہی شیخ پیر بخش سے رابطہ قائم کیا جس کے ساتھ پنڈت درگا پرشاد کے ذریعے منصوبہ بندی کی گئی۔ رجمنٹ کو چھ ماہ کی تنخواہ اور بغاوت کی تاریخ مقرر کی گئی۔ تاہم بغاوت سے پہلے ہی سازش پکڑی گئی اور کئی گرفتاریاں ہوئیں۔

مولوی نیاز علی افسر قانون، برکت اللہ وکیل سرکار، میر باقر داروغہ نوکریوں سے برخاست کیے گئے۔ پولیس جمعدار حسن علی خان کو 1857ء میں پھانسی دی گئی۔

وسطی ہندستان راجپوتانہ وغیرہ: کیپٹن آؤٹرام نے 1835 میں گجرات اور گردونواح کے مختلف علاقوں کا دورہ کرکے رپورٹ کیا کہ یہاں کے تعلقہ دار اور جاگیردار بغاوت کیلئے پرتول رہے ہیں، اس رپورٹ میں کچھ اور کاٹھیاواڑ میں ہونے والی کچھ بغاوتوں کا بھی ذکر ہے جو 1815ء سے 1832 تک

جاری رہیں۔ یہاں پرواگھیر قبیلے کی سرکردگی میں بغاوتیں جاری تھیں۔

1803ء میں بندیل کھنڈ پر انگریزوں کے قبضے کے بعد یہاں کے تقریباً ڈیڑھ سو قلعہ داروں اور سرداروں نے بغاوت کردی۔ اجے گڑھ کے لکشمن راؤ کو جب قید کیا گیا تو اس نے درخواست کی کہ اسے توپ سے اڑایا جائے۔ 1809ء میں خانہ دیش کے بھیل بغاوت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور 1846ء تک بار بار بغاوت کرتے رہے۔ کولھی برادری نے 1828ء سے 1850ء تک وقفے وقفے سے بغاوتیں کیں۔

راجپوتانہ کے علاقے مرہٹوں کے ماتحت رہے۔ کمپنی کے زیر اقتدار آنے پر راجپوت مسلسل بغاوت کرتے رہے۔ جودھ پور کا راجہ مان سنگھ ان بغاوتوں میں شامل تھا۔ کوٹہ، میواڑ اور مارواڑ کے جاگیردار بھی ان بغاوتوں اور انکی منصوبہ بندی میں شریک رہے، یہاں سے تعلق رکھنے والے شعرا راج بانکی داس اور سوریہ مل مصرا کی شاعری انہی بغاوتوں کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔

گوالیار کی بیجا بائی زوجہ دولت راؤ سندھا 1838ء سے ہی انگریزوں کے خلاف بغاوتوں کی منصوبہ بندی میں شریک تھی۔ اسکے ساتھ دکنی پنڈتوں کا ایک گروہ بھی عوام کو بغاوت کیلئے آمادہ کرتا رہا۔

بریلی: یہاں 1816ء میں ایک خونی بغاوت ہوئی جس میں مفتی محمد عیوض نے فتویٰ دیکر حصہ لیا اور زخمی ہوا۔ نہ صرف بریلی بلکہ پیلی بھیت، رام پور، شاجہان پور وغیرہ سے دو دن کے اندر پندرہ ہزار کے قریب لوگوں نے بریلی پر چڑھائی کی۔ اس دوران 21 اپریل 1816ء کو ایک انگریز افسر کو قتل کردیا گیا۔ انگریز فوجی دستوں کی شکست کے بعد باہر سے فوجیں بلاکر باغیوں کو پسپا کیا گیا۔ سب سے اہم جھڑپ پرانے شہر میں حضرت شاہ دانا ولی کی مزار کے قریب ہوئی جو باغیوں کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس بغاوت کے بعد مفتی عیوض ٹانک منتقل ہوگئے۔

سہارن پور میں 1813 میں گوجروں نے بغاوت کی، جسکی ناکامی کے بعد 1824ء میں دوبارہ منصوبہ بندی کی گئی تاہم دوآبے کے علاقے میں بڑے پیمانے پر بغاوت کرنے کی اس منصوبہ بندی کا انگریزوں کو پتہ چل گیا۔

ستارا کے رانگو باپوجی: وہ 1840ء سے 1853ء کے تیرہ سال برطانیہ میں رہ چکے تھے۔ اسی دوران عظیم اللہ خان بھی برطانیہ میں مقیم تھا جسے نانا صاحب نے اپنا وکیل بنا کر برطانیہ بھیجا ہوا تھا۔ رانگو باپو وہاں ستارا کے راجہ پرتاپ سنگھ کا وکیل تھا۔ اس نے اپنی جدوجہد کو قانونی روپ دیا۔ انگریزی سیکھی، پارلیمنٹ کے اراکین سے رابطہ کرکے انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جابرانہ اقدامات سے آگاہ کیا۔ لی گرانڈ جیکب اپنی

کتاب ''ویسٹرن انڈیا'' میں لکھتا ہے کہ رانگو باپو جی نے ستارا کے حالات اور نانا صاحب سے رابطے کا فائدہ اٹھا کر زبردست سازش کی بنیاد رکھی۔ وہ پرلی میں مقیم تھا اور مسلح بغاوت کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ انگریز اہلکار اسٹیورٹ الفنسٹن نے گوا کے پرتگیزی حکام کو لکھا کہ ''ستارا میں یورپی افسران کو قتل کرنے کی سازش کا انکشاف ہوا ہے جس کا اصل سرغنہ رانگو باپو جی ہے جو غالباً پرتگالی علاقے میں روپوش ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے ہمارے حوالے کیا جائے۔'' اسی طرح ستارا کے مجسٹریٹ نے سیکریٹری گورنمنٹ آف بمبئی انڈرنس کو 7 جولائی 1857ء کو تحریر کیئے ہوئے ایک خط میں بتایا کہ ستارا میں ایک طئے شدہ منصوبے کے تحت کچھ لوگ جمع ہوئے لیکن راز کھل جانے پر تیرہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ ایک چپراسی بھی گرفتار ہوا جو فوج کے صوبے دار کو سازش اور بغاوت کیلئے آمادہ کر رہا تھا تاکہ جب ستارا میں تعینات انگریزوں پر حملہ کیا جائے تو یہ لوگ مقابلہ نہ کریں۔ جب اس چپراسی کو پھانسی دی گئی تو اس نے اپنے ہم وطنوں کو اس طرح للکارا۔

''آج انگریز اس وقت سے کہیں زیادہ مصیبت میں ہیں جب وہ اس سرزمین پر آئے تھے۔ میرے ساتھ میرے ہم وطنوں نے غداری کی اور پھانسی دلوائی۔ لوگو! عمل اور حرکت کا وقت آ گیا ہے۔ اگر تم ہندوؤں اور مسلمانوں کی اولاد ہو تو ضرور اٹھو گے اور اگر عیسائیوں کا تخم ہو تو خاموش رہو گے۔''

اس سازش کے انکشاف کے بعد باپو جی جون 1857ء میں گم ہو گیا، کے سی تھیکر نے اپنی مراٹھی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہ 1861 تک زندہ تھا۔ ستارا کے سترہ باغیوں کو پھانسی ہوئی جن میں رانگو باپو جی کا بیٹا سیتارام بھی شامل تھا۔

پنجاب: بنیادی طور پر مذہبی برادری سے تعلق رکھنے والے سکھ افغانوں سے لڑائی کے دوران فوجی قوت بن گئے۔ 1767ء میں احمد شاہ ابدالی کے واپس جانے پر انہوں نے دریائے جمنا سے راولپنڈی تک کے علاقے پر اپنا راج قائم کر دیا۔ کچھ عرصے کیلئے مراٹھوں نے سکھوں کے اقتدار میں خلل ڈالا تاہم 1803ء میں لارڈ لیک کے ہاتھوں مراٹھوں کی پسپائی نے سکھوں کو دوبارہ ابھرنے کا موقعہ فراہم کیا۔

رنجیت سنگھ 1780ء میں پیدا ہوا اور 19 سال کی عمر میں اس نے کابل کے افغان حکمران زمان شاہ کو پنجاب فتح کرنے میں مدد فراہم کی۔ زمان شاہ نے رنجیت سنگھ کو 1799ء میں لاہور کا گورنر مقرر کر کے راجہ کا خطاب دیا۔ 1802ء میں اس نے امرتسر بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ بعدازاں وہ ستلج کے مغرب میں اپنی فتوحات کا سلسلہ بڑھاتا گیا۔

رنجیت سنگھ کو سر جارج برلو (7-1805) کی عدم مداخلت کی پالیسی سے تقویت ملی۔ اسکا ارادہ ان سکھ ریاستوں کو اپنی تحویل میں لینا تھا جو ایک زمانے میں سندھیا کے زیر اثر تھیں تاہم بعد ازاں غیر رسمی طور پر برطانوی تسلط میں آ گئیں۔ 1806ء میں ان ریاستوں کے مہاراجاؤں نے آپس کی چپقلش کے دوران رنجیت سنگھ کو مداخلت کی دعوت دی۔ رنجیت سنگھ نے موقعہ غنیمت جانا اور ستلج پار کر کے لدھیانہ پر قبضہ کر لیا جس پر سکھ مہاراجاؤں نے پریشانی کے عالم میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے تحفظ کی درخواست کی۔ گورنر جنرل لارڈ منٹو طئے کر چکا تھا کہ رنجیت سنگھ کو ستلج کے مغربی کنارے تک ہی محدود رکھنا ہے۔ چنانچہ کمپنی کے آنکھ دکھانے پر دونوں فریقوں کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے اور 1809ء میں دستخط ہونے والے معاہدہ امرتسر میں رنجیت سنگھ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حدود کا تعین کیا گیا۔

اپنی سرحد کو مشرق کی جانب توسیع نہ دے سکنے پر رنجیت سنگھ نے مغرب کی جانب پیش قدمی شروع کی اور 1810ء میں ملتان پر چڑھائی کرنے کے بعد بالآخر 1818ء میں اسے اپنی ریاست کا حصہ بنا لیا۔ اس نے گورکھوں سے کانگرہ اور افغانوں سے اٹک بھی چھین لیا۔ 1814ء میں اس نے کوہ نور ہیرے کے عیوض شاہ شجاع کو پناہ دی۔ رنجیت سنگھ نے 1819ء میں کشمیر اور 1823ء میں پشاور پر بھی قبضہ کر لیا۔ اگرچہ اسکا ارادہ سندھ کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا تھا تاہم انگریزوں کی مخالفت کے باعث اس سے باز رہا۔ رنجیت سنگھ 50 سال کی عمر میں 1839 میں فوت ہو گیا۔

انگریزوں کے ساتھ رنجیت سنگھ کے قریبی تعلقات بیس برس پر محیط تھے جو معاہدہ امرتسر سے شروع ہوئے، جس کے تحت اسے انگریزی تسلط کے تحت ہندستان کے بجائے مشرق کی جانب پیش قدمی کی کھلی چھوٹ دی گئی تھی تاہم 1809ء میں دستخط ہونے والے اس معاہدے کے ابتدائی تین سال تک فریقین میں شکوک وشبہات برقرار رہے۔ اس دوران رنجیت سنگھ نے برطانوی سرحد کے قریب پھلور کے مقام پر ایک چھوٹا قلعہ تعمیر کر کے مکھم چند کو اس کا ذمہ دار تعینات کیا۔ ابتدائی دنوں میں مکھم چند برطانوی فوج کے بھگوڑوں کو اپنے ہاں پناہ دیتا رہا، تاہم آہستہ آہستہ رنجیت سنگھ اور برطانوی حکام کے درمیان تعلقات بہتری کی جانب استوار ہوئے۔ ان سرد تعلقات کا ایک اہم سبب رنجیت سنگھ کی جانب سے 47 علاقوں پر دعویٰ تھا جن میں سے 12 متنازعہ تھے۔ 1827ء میں برطانوی حکام نے ان متنازعہ علاقوں کو عملی طور پر اپنی تحویل میں لے لیا۔ ان میں سے اہم ترین فیروز پور تھا جہاں انگریزوں نے 1835ء میں قبضہ کیا اور 1838ء میں وہاں چھاونی قائم کی۔

1815ء میں گورکھوں کے وکیل پرتھی بلاس اور بلاس پور کے راجہ کے با اعتبار کارندے شیودت رائے نے رنجیت سنگھ سے ملاقات کر کے انگریزوں کے خلاف گورکھوں کی جنگ میں مدد کرنے، بنیوں سے پانچ لاکھ روپے قرض کی سفارش کرنے اور گورکھوں کو گنگا اور جمنا دریا پار کرنے میں مدد فراہم کرنے کی درخواست کی۔ اس نے انگریزوں کے خلاف گورکھوں کی مدد کرنے سے معذرت کی۔ اس طرح 1822ء میں پیشوا باجی راؤ کی جانب سے مدد کی درخواست بھی نظرانداز کر دی جبکہ اس نے کمپنی کے برما جنگ میں مصروف ہونے کے دوران موقعہ کا فائدہ اٹھا کر انگریزوں کو زک پہنچانے سے بھی گریز کیا۔ 26-1825ء میں اس نے بھرت پوری عوام کی بھی کوئی مدد نہیں کی جب وہاں کے حاکم نے اسے ہرون کی فوجی پیش قدمی کے عیوض ایک لاکھ روپے اور اپنی مدد کیلئے بیس ہزار فوجیں فراہم کرنے پر اضافی پچاس ہزار روپے فراہم کرنے کی پیشکش کی تھی۔

1827 سے 1831ء کے دوران پشاور اور دیگر پشتون علاقوں میں سید احمد شہید نے رنجیت سنگھ کے خلاف بغاوت کر دی۔ سندھ کے ضمن میں رنجیت سنگھ شکارپور حاصل کرنا چاہتا تھا جو کہ خراسان کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔ شکارپور پر قبضہ رنجیت سنگھ کو افغانستان اور بلوچستان کے علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرنے میں مدد فراہم کرتا۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز اہلکار پوٹنگر امیران سندھ سے ایک تجارتی معاہدے کیلئے مذاکرات کر رہا تھا۔ سندھ میں انگریزوں کی دلچسپی کے پیش نظر رنجیت سنگھ سندھ کے شہر شکارپور پر قبضہ کرنے کے منصوبے سے دستبردار ہو گیا۔ تاہم 1835ء میں ایک مرتبہ پھر رنجیت سنگھ نے سندھ پر حملہ کرنے اور شکارپور پر قبضہ کرنے کی ٹھانی۔ ستمبر میں رنجیت سنگھ نے اپنا دربار سجایا اور نہال سنگھ کو ملتان اور بعد ازاں مٹھن کوٹ کی جانب پیش قدمی کا حکم دیا۔ اسکے ذریعے سندھ کے حکمرانوں کو یہ پیغام بھی جانا تھا کہ اگر انہوں نے رنجیت سنگھ کو خراج ادا نہ کیا تو شکارپور پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ ہری سنگھ نالوہ کو نہال سنگھ کی مدد کیلئے بھیجا گیا جبکہ ملتان کے گورنر دیوان سوہن مل کو پیش قدمی کرنے کیلئے کہا گیا۔ جنگ ناگزیر بن گئی تھی تاہم انگریزوں کے درشت رویے کی وجہ سے رنجیت سنگھ ایک مرتبہ پھر اس سے دستبردار ہو گیا۔

رنجیت سنگھ اور ولیم بنٹنک کے درمیان روپر کے مقام پر ملاقات ہوئی۔ انگریز حکام اس ملاقات سے یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ انکے اور رنجیت سنگھ کے درمیان تعلقات خوشگوار نوعیت کے ہیں جبکہ رنجیت سنگھ اس بات کو دنیا کے سامنے لانا چاہتا تھا کہ انگریز اسے خالصہ ریاست کا سربراہ تسلیم کرتا ہے۔

جب جیمس برنس افغانستان کے حکمران دوست محمد سے مذاکرات کرنے کابل گیا تو اس نے

انگریزوں سے معاہدے کے عیوض پشاور کا انتظام رنجیت سنگھ سے لیکر اسے دینے میں مدد طلب کی۔ برنس کا خیال تھا کے پشاور کے غیر منافع بخش ہونے کی وجہ سے رنجیت سنگھ اس سے بخوشی دستبردار ہو جائے گا تاہم لارڈ آکلینڈ نے اس ضمن میں رنجیت سنگھ سے بات کرنے سے انکار کیا اور برنس کسی سمجھوتے کے بغیر کابل سے لوٹ آیا۔

تاہم 1838ء میں رنجیت سنگھ، شاہ شجاع اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان سہ فریقی معاہدہ ہوا۔ اگرچہ نومبر 1838ء میں فیروز پور کے مقام پر رنجیت سنگھ اور لارڈ آکلینڈ کے درمیان ہونے والی ملاقات کے دوران یہ طے ہوا تھا کہ برطانوی فوجیں پنجاب میں قدم نہیں رکھیں گی تاہم اگلے ہی سال رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد انگریزوں نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی اور پہلی افغان جنگ کیلئے انگریزی فوج نے پنجاب سے پیش قدمی کی۔

1839ء میں رنجیت سنگھ کے انتقال کے بعد اسکا بنایا ہوا پورا ڈھانچہ کاغذی قلعہ ثابت ہوا۔ اب فوج مضبوط ہو گئی تھی اور حکمرانوں کی مقرری اور معزولی کے تمام فیصلے بھی اسکی مرضی سے ہونے لگے۔ رنجیت سنگھ کے جانشین کے طور پر اسکا بڑا بیٹا کھڑک سنگھ تخت پر بیٹھا، جس نے دھیان سنگھ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ رنجیت سنگھ کے ایک اور بیٹے شیر سنگھ اور نہال سنگھ نے اسکی مخالفت کی۔ کھڑک سنگھ نومبر 1840 میں چل بسا۔ اسکا بیٹا نہال سنگھ لاہور قلعے کے دروازے کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔ جانشینی کیلئے جاری چپقلش کے دوران فیصلہ کیا گیا کہ نہال سنگھ کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہونے تک مائی چاند کور اقتدار سنبھالے گی جبکہ اس دوران دھیان سنگھ وزیر کے طور پر اور شیر سنگھ وائسرائے کے طور پر فرائض سرانجام دیں گے۔ شیر سنگھ نے اس نئے انتظام کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور جنوری 1841ء میں اقتدار پر قبضہ کر کے خود کے مہاراجہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ شیر سنگھ کے دور اقتدار میں ہی انگریز فوج کو پہلی افغان جنگ کیلئے پنجاب سے گذر کر کابل جانے کی اجازت دی گئی۔ جون 1842ء میں چاند کور کا قتل ہو گیا۔ جبکہ ستمبر 1843ء میں شیر سنگھ بھی ہلاک کر دیا گیا۔ دھیان سنگھ کو بھی قتل کر دیا گیا جسکے بیٹے ہیرا سنگھ نے اپنے باپ کے انتقام کی ٹھانی۔ اس نے نابالغ دلیپ سنگھ کو تخت نشین کیا اور خود اسکا نگران بن گیا۔ دسمبر 1844ء میں ہیرا سنگھ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ جس کے بعد اقتدار رانی جنداں کے بھائی جواہر سنگھ اور عاشق لال سنگھ کے حوالے ہوا۔ ستمبر 1845ء میں جواہر سنگھ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا اور لال سنگھ وزیر بن گیا۔ 11 دسمبر 1845 کو سکھ فوج نے دریائے ستلج پار کیا اور 13 دسمبر کو انگریزوں نے اعلانِ جنگ کر دیا۔

46-1845ء میں ہونے والی پہلی سکھ جنگ کا اہم ترین سبب لال سنگھ اور رانی جندان کے ہاتھوں خالصہ فوج کے اختیارات میں تخفیف تھا۔ پچھلے چھ سال تک یہ فوج بادشاہ گرتھی اور رنجیت سنگھ کے دور میں پنجاب کے مختلف علاقے فتح کرنے میں بھی اسی فوج کا کردار تھا۔ فوج کو مصروف رکھنے کیلئے لال سنگھ اور رانی جندان سے اسے انگریز فوج سے جنگ کرنے پر اکسایا۔ فتح کی صورت میں پورے ہندستان پر راج کرنے کی خواہش کے ساتھ خالصہ فوج نے ستلج کے کنارے پر مورچہ بنایا جسکی دوسری جانب لدھیانہ میں 35 ہزار برطانوی فوجی ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ اسکے علاوہ انبالہ مین بھی برطانوی فوج تعینات تھی، اس صورتحال نے خالصہ فوج کو پریشان کیا ہوا تھا۔ انگریزوں نے ستلج دریا پار کرنے کیلئے کشتیوں کا ایک پل تعمیر کیا۔ انہی حالات میں دسمبر 1845ء میں خالصہ فوج کے دریائے ستلج پار کرنے سے پہلی سکھ لڑائی شروع ہوگئی۔

اس جنگ کے اہم محاذ مدکی، فیروز شاہ، علی وال اور سبھراوں تھے۔ سکھوں کو مدکی کے مقام پر شکست ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ لال سنگھ کی غداری تھی جس نے عین جھڑپ کے دوران اپنے پیروکاروں کو لڑائی سے روک دیا۔

فیروز شاہ کی جھڑپ 21 دسمبر 1845 کو ہوئی۔ سکھوں نے یہاں بھرپور مزاحمت کی اور انگریزوں کو کھدیڑ ڈالا تاہم تیجا سنگھ کی غداری یہاں انگریزوں کو بچا گئی۔ وہ خالصہ فوج کو کسی کمانڈر کے بغیر میدان جنگ میں چھوڑ کر فرار ہوگیا۔

بعدازاں تقریباً ایک مہینے تک لڑائی بند رہی۔ خالصہ فوج کسی کمانڈر کی عدم موجودگی اور انگریز فوج اس جنگ سے نپٹنے کی منصوبہ بندی نہ کرسکنے کی وجہ سے خاموش رہے۔ سکھوں کو رنجھور سنگھ کی صورت میں رہنما مل گیا جس نے 21 جنوری 1846ء کو بدی وال کے مقام پر سر ہنری سمتھ کو شکست دے دی تاہم رنجھور سنگھ نے نہ صرف دشمن کا تعاقب نہیں کیا بلکہ وہ بدی وال سے بھی چلا گیا، جسے سر ہنری نے دوبارہ فتح کرلیا، سکھوں کو علی وال کے محاذ پر شکست ہوئی اور رنجھور سنگھ فرار ہوگیا۔

اسی دوران گلاب سنگھ نے لاہور میں اپنی گرفت مضبوط کرکے انگریزوں سے مذاکرات شروع کردیئے۔ ان کے درمیان طے ہوا کہ انگریز سکھ فوج پر حملہ کریں گے اور شکست کے بعد سکھ حکومت اپنی فوج کو ختم کردیگی۔ ستلج کے راستے پر کوئی مزاحمت نہیں ہوگی اور فاتحین کو دارالحکومت تک پیش قدمی کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ گلاب سنگھ کو ان خدمات کے عیوض انگریزوں نے کشمیر کے انتظامات سپرد کرنے کا وعدہ کیا۔ ان حالات میں سبھراوں کی لڑائی ہوئی جس کی خالصہ صف بندی سے گلاب سنگھ انگریزوں کو تین دن پہلے ہی

باخبر کر چکا تھا۔ سبھراؤں میں سکھوں کو شکست دینے کے بعد انگریزوں نے لاہور کی جانب پیش قدمی کی اور 20 فروری 1846ء کو اُسے مغلوب کیا۔ مارچ 1846ء میں معاہدہ لاہور پر دستخط ہوئے۔

اس معاہدے کے تحت جالندھر، دوابہ اور ہزارہ انگریزوں کے پاس چلے گئے۔ سکھوں کو زرِ تلافی کے طور پر ڈیڑھ کروڑ روپے ادا کرنے پڑے۔ وہ اپنے خزانے سے 50 لاکھ روپے ہی ادا کر سکے باقی رقم کی ادائیگی کیلئے کشمیر کو گلاب سنگھ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ سکھوں کی فوج اور اسکے ساز و سامان میں تخفیف کی گئی۔ سکھوں کو ان تمام توپوں سے محروم کیا گیا جو انہوں نے انگریزوں کے خلاف استعمال کی تھیں۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پنجاب کا حکمران تسلیم کیا گیا۔ ایک سال کیلئے برطانوی فوجوں کو لاہور میں تعینات کیا گیا۔ ہنری لارنس کو لاہور میں برطانوی ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔

معاہدہ لاہور کے بعد بھی پنجاب کے حالات معمول پر نہیں آئے۔ لال سنگھ اور کئی دیگر سکھ رہنما جموں اور کشمیر کا علاقہ گلاب سنگھ کو دینے کے مخالف تھے۔ رانی جندان اور لال سنگھ کو مصائب کا ذمہ دار قرار دیکر انکے خلاف انکوائری کی گئی اور لال سنگھ کو جلاوطنی میں بنارس بھیج دیا گیا۔

دسمبر 1846 میں برطانوی حکومت نے حکومتِ لاہور سے معاہدہ بھیرو وال کے نام سے ایک اور معاہدہ کیا جس کے تحت انگریزوں کے حمایتی 8 سکھ رہنماؤں پر مشتمل ایک مشاورتی کونسل تشکیل دی گئی جسے برطانوی ریزیڈنٹ کے مشورے اور رہنمائی کے تحت عمل کرنا تھا۔ لاہور میں برطانوی فوج کی تعیناتی کو برقرار رکھا گیا اور سکھوں کو ہر سال 22 لاکھ روپے کی ادائیگی کا پابند کیا گیا۔ یہ انتظام 1854ء تک چلنا تھا جب مہاراجہ دلیپ سنگھ بالغ ہو کر اقتدار سنبھالتے۔

1847 اور 1848ء کے دوران پنجاب میں کئی ایسے اقدامات کیے گئے جو سکھ معتبرین کے خلاف تھے جس نے انہیں ناخوش کر دیا۔ دوسری جانب ختم کی گئی سکھ فوج کے کارندے بھی اپنی تنخواہوں اور الاؤنسز سے محرومی پر نالاں تھے۔ غداری کے باعث شکست اور برطانوی ایجنٹوں کی جانب سے سرحدی علاقوں کے قبائلیوں سے براہ راست گفت و شنید بھی سکھوں میں اشتعال کا باعث تھے۔ انہیں مسلمانوں کو مراعتیں بالخصوص اذان اور گائے کے ذبح کرنیکی اجازت دینا بھی قابل قبول نہیں تھا۔ رانی جندان اپنے اقتدار کے خاتمے پر آگ بگولہ تھی جنہیں سازش کا مرتکب قرار دیکر چنر بھیج دیا گیا تھا۔

اگرچہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پنجاب کے حالات انتہائی مخدوش تھے جو بغاوت کا پیش خیمہ بن سکتے تھے تاہم ملتان کے گورنر مول راج کی بغاوت نے صورتحال میں تیزی پیدا کر دی۔ وہ 1844ء

سے ملتان کا گورنر تھا۔ حکومتِ لاہور نے مول راج سے ایک کروڑ روپے کا خراج طلب کیا، اسکی جانب سے اتنی بڑی رقم کی ادائیگی پر معذوری ظاہر کرنے پر یہ رقم 18 لاکھ کردی گئی۔ پہلی سکھ لڑائی کی وجہ سے اس رقم کی ادائیگی میں تعطل آ گیا تھا تاہم جنگ کے بعد دوبارہ اسکا مطالبہ کیا گیا۔ اس مرتبہ 19 لاکھ روپے طلب کیئے گئے، جسکی ادائیگی نہ کرنے پر یہ رقم بڑھا کر 20 لاکھ روپے کرنے کے ساتھ اسے اپنے ایک علاقے سے دستبردار ہونے کا بھی حکم دیا گیا۔ مول راج نے اس شرط پر مستعفی ہونے کی پیشکش کی کہ تمام معاملات کو خفیہ رکھا جائے گا اور اسکے خلاف کوئی مقدمہ دائر نہیں کیا جائے گا جبکہ وہ پچھلے ایک سال کا گوشوارہ جمع کرانے پر راضی تھا۔ تاہم برطانوی ریزیڈنٹ نے یہ شرائط ماننے سے انکار کرتے ہوئے اسے غیر مشروط طور پر مستعفی ہونے اور پچھلے دس سال کے گوشوارے جمع کرانے کا حکم دیا۔ ریذیڈنٹ نے اینڈرسن اور ایگنیو کو سردار خان سنگھ کے ہمراہ ملتان روانہ کیا تاکہ مول راج کو برخاست کیا جاسکے۔ مول راج نے 19 اپریل 1848ء کو ملتان کا قلعہ انکے حوالے کردیا، جس نے ملتان کی عوام میں اشتعال پیدا کردیا اور 20 اپریل کو بغاوت کرکے دو برطانوی افسروں کو ہلاک کردیا گیا۔

انگریزوں نے فوری طور پر جوابی کاروائی سے گریز کیا اور مہینوں انتظار کیا جس کے دوران بغاوت کی یہ لہر پورے پنجاب میں پھیل گئی۔ 16 نومبر کو گاف نے دریائے راوی پار کیا اور 22 نومبر کو رام نگر کے مقام پر لڑائی شروع ہوئی۔ دسمبر 1848ء میں ملتان کا محاصرہ کیا گیا جو کہ جنوری 1849ء میں ملتان کے سرنگوں ہونے تک جاری رہا۔ 13 جنوری 1849ء میں چلیانہ والہ میں فوجوں کا ٹکراؤ ہوا۔ فروری میں گجرات میں جھڑپ ہوئی جسے توپوں کی لڑائی کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ سکھوں کو شکست ہوئی اور 13 مارچ 1849ء کو جنگ کا خاتمہ ہوا۔ 29 مارچ 1849ء کو پنجاب کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندستانی حکومت میں شامل کیا گیا۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ کو معزول کرکے پنشن پر بھیج دیا گیا۔

سندھ: 1783ء میں تالپوروں نے سندھ پر مکمل قبضہ کرلیا اور انکا سردار میر فتح علی سندھ کا حکمران بن گیا۔ جس نے سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کرکے خدا آباد، خیرپور اور میرپور خاص کو انکا دارالخلافہ بنایا۔ میر فتح علی کے خدا آباد میں ہونے کی وجہ سے اسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ بعد ازاں میر فتح علی نے اپنا دارالخلافہ حیدرآباد منتقل کیا۔

1801ء میں میر فتح علی پسمانگان میں ایک بیٹا صوبدار خان چھوڑ کر انتقال کرگیا۔

سندھ میں برطانوی دلچسپی 1635ء سے شروع ہوئی جو کہ بڑی حد تک معاشی مفادات سے

متعلق تھی۔ اس سال ٹھٹہ میں پہلی برطانوی تجارتی کوٹھی قائم کی گئی جسے 1662 میں بند کر کے دوبارہ 1758ء میں سندھ کے حکمران غلام شاہ کلہوڑو کی اجازت سے شروع کیا گیا۔ یہ کوٹھی اور شاہ بندر میں واقع ایک اور کوٹھی 1775ء میں دوبارہ بند کر دی گئیں۔ اس مرتبہ اس بندش کا سبب سندھ کے حکمران سرفراز خان کلہوڑو کی ظالمانہ پالیسیاں بتایا گیا۔

1799ء میں بمبئی حکومت کے ایک وفد نے ٹھٹہ اور کراچی میں دوبارہ تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اجازت حاصل کی۔ 1809ء میں لارڈ منٹو نے ایک وفد سندھ بھیجا جس نے معاشی مفادات پر مبنی پہلا تجارتی معاہدہ کیا۔ گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹنک کے دور تک انگریز تالپور دربار میں اپنا اثر رسوخ استعمال کرے معاشی مفادات حاصل کرتا رہا، اس وقت تک انگریزوں کی جانب سے سندھ پر قبضہ کرنے کا کوئی عندیہ نہیں ملتا۔

اسی دوران ایسٹ انڈیا کمپنی نے دریائے سندھ میں کشتی رانی کے آزادانہ حقوق حاصل کرنے کی تگ ودو شروع کی اور اس ضمن میں الیگزنڈر برنس کو دریائے سندھ کے سروے کی ذمہ داری سونپی گئی جو حیدر آباد کے حکمران میر مراد علی خان تالپور کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

1831ء میں برنس کو کنگ جارج چہارم کی جانب سے پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو تحائف پہنچانے کے بہانے سے دریائے سندھ کا سفر کرنے کا حکم دیا گیا۔

برنس کے سندھ آمد پر تالپوروں نے اعتراض کیا تو گورنر جنرل نے 1809ء کے معاہدے کے تحت دریائے سندھ کے اس سفر پر اپنا حق جتایا۔ سندھ کے کچھ اہم اہلکاروں کو اس سفر کی ابتدا پر یہ کہتے ہوئے سنا گیا، ''افسوس! سندھ سرنگوں ہو گیا۔ دریائے سندھ اسکی فتح کا راستہ ہے''۔

دریائے سندھ کے ذریعے وہ 23 اپریل 1811ء کو خیر پور پہنچا۔ الیگزنڈر برنس کے دریائے سندھ کے اس سفر کے بعد انگریز وقت بوقت مختلف حیلے بہانوں سے دریائے سندھ اور اسکے اردگرد کے علاقوں کا سروے کرتے رہے۔

1831ء اور 1836ء کے درمیان رنجیت سنگھ کئی بار سندھ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرتا رہا، جسے انگریز اہلکاروں نے باز رکھا۔ اسی کے نتیجے میں 1838 میں تالپوروں اور انگریزوں کے درمیان ایک اور معاہدہ ہوا جس کے تحت انگریزوں کو حیدر آباد میں اپنا ریزیڈنٹ مقرر کرنے کی اجازت حاصل ہوئی۔

ہنری پوٹنگر کی تجویز پر برطانوی فوجیں سندھ میں داخل ہوئیں اور برطانوی ریذیڈنٹ نے ایک نیا معاہدہ تالپوروں کو پیش کیا۔ کیپٹن ایسٹوک اور منشی لطف اللہ نے اس معاہدے کی نوک پلک درست کی۔

جب یہ معاہدہ دستخط کیلئے پیش کیا گیا تو میر نور محمد تالپور نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ''سندھ اور انگریزوں کے درمیان تعلقات کی ابتدا سے ہی عجیب وغریب چیزیں پیش آ رہی ہیں، آپکی حکومت کسی بات پر مطمئن ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔''

پوٹنگر نے اس موقعہ پر متنبہ کیا کہ کمپنی کی فوجیں ہر سمت سے سندھ پر لشکر کشی کیلئے تیار ہیں۔ اس صورت حال میں سندھ کے حکمرانوں کے پاس 1839ء کے اس معاہدے پر دستخط کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

چارلس نیپئر کی آمد سے سیاسی مسائل اور صورتحال میں یکسر تبدیلی آ گئی۔ اسے گورنر جنرل سے لامتناہی اختیارات حاصل تھے۔ گورنر جنرل نے تالپوروں کی جانب سے مبینہ زیادتیوں پر عدالتی جاچ کا حکم جاری کرتے ہوئے سندھ کی سیاسی ایجنسیوں کے خاتمے کا اعلان کیا۔ میجر آؤٹرام کو اپنی رجمنٹ واپس بھیج کر چارلس نیپئر کو سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا گیا۔

چارلس نیپئر نے لارڈ ایلن بروکو خوش کرنے کیلئے سندھ میں مہم جوئی کی منصوبہ بندی شروع کی۔ نیپئر نے ایک اور معاہدہ تالپوروں کے پاس دستخط کیلئے بھیجا جس پر میر صوبدار خان، حسین علی، محمد خان اور نصیر خان نے بلا چوں وچرا دستخط کر دیئے۔

10 جنوری 1843ء کو جنگ کے باضابطہ اعلان کے بغیر نیپئر نے امام گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کر کے اسے مسمار کر دیا۔ جس پر بدحواسی میں تالپوروں نے دفاعی اقدامات کیے جنہیں انگریزوں نے اپنے خلاف جارحیت سے تعبیر کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ 12 فروری 1843ء کو میر رستم تالپور سمیت تمام تالپوروں نے اس معاہدے پر بھی دستخط کر دیے۔ آؤٹرام کے بقول، ''تالپور تا حال تصفئے سے متعلق پر امید تھے اور وہ امن کی بھرپور خواہش کے حامل تھے''۔

16 فروری 1843ء کو چارلس نیپئر 28 سو سپاہیوں اور 12 توپوں کے ہمراہ ہالا سے مٹیاری پہنچا۔ دوسری جانب حسین علی خان تالپور اور رستم خان نے دیگر قبائلی زعما کے ساتھ مل کر میر جان محمد کی قیادت میں 18000 سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر تشکیل دیا۔ غلام شاہ، سید عبداللہ شاہ، ابراہیم خان اور دیگر اسکے نائبین تھے جبکہ ہوش محمد عرف ہوشو شیدی کو گولہ بارود کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔

یہ لڑائی حیدر آباد کے قریب پھلیلی کینال کے کنارے میانی کے مقام پر 17 فروری کو شروع ہوئی۔ بہادری سے لڑنے کے باوجود کمانڈر جان محمد اور غلام شاہ تالپور کی ہلاکت نے سندھی فوج کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ شکست سے دوچار ہوئی۔

اس لڑائی میں بجارانی، محمودانی اور ملکانی برادری کے افراد نے لاتعلقی اختیار کی جبکہ چانڈیا برادری نے تو انگریز فوج کو اپنے دس ہزار قبائل دینے کی بھی پیشکش کی۔ تین گھنٹے کی اس لڑائی میں 27 انگریز مارے گئے جبکہ سندھی لشکر کے 5000 افراد ہلاک ہوئے۔ اس شکست کے بعد، چارلس نیپئر فاتح میانی کے طور پر حیدرآباد میں داخل ہوا۔ تالپور امرا کو جنگی قیدی بنا کر قلعہ پر یونین جیک لہرایا گیا۔ چارلس نیپیئر نے بطور نئے حاکم کے پہلا حکم خزانے کی ضبطی کا جاری کیا۔

خزانے اور مالِ غنیمت سے چارلس نیپئر کا اپنا حصہ تقریباً 70 ہزار پاؤنڈ بنا۔ اس موقعہ پر جیمز آؤٹرام اس لوٹ مار اور سابقہ شاہی خاندان سے روا رکھے جانے والے برتاؤ کی مخالفت کرتا رہا۔

بعد ازاں 24 مارچ کو میرپور خاص کے حاکم میر شیر محمد خان تالپور نے حیدرآباد سے 10 میل کے فاصلے پر واقع دوابہ کے مقام پر نیپئر کی فوج کو للکارا۔ اس موقعہ پر میر علی مراد اور اسماعیلی برادری کے افراد نے انگریزوں کی مدد کی۔ نیپیئر اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ دوابہ پہنچا جبکہ میر شیر محمد کی فوج ہوش محمد اور نواب احمد خان لغاری کی قیادت میں وہاں پہنچی۔ ہوش محمد شیدی سے منسوب سندھ دوست نعرہ "مر ویسوں مرویسوں پر سندھ نہ ڈیسوں" بھی دوابہ کی اسی لڑائی سے متعلق ہے۔

ہوش محمد اپنے پانچ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس لڑائی میں ہلاک ہوگیا۔ میانی کی طرح یہاں پر بھی سندھی لشکر کی شکست کا اہم سبب اسکا غیر تربیت یافتہ ہونا تھا۔ اسی کا شاخسانہ تھا کہ عین لڑائی کے عروج کے دوران میر شیر محمد اگلے دن لڑائی جاری رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے میدان سے نکل کر اپنے خیموں میں چلا گیا جبکہ ہوش محمد اپنے سپاہیوں کی کم تعداد کے ساتھ لڑائی جاری رکھے ہوئے تھا۔

ہگ مُرے اس لڑائی کو ہندستان میں ہونے والی سخت ترین لڑائی کہتا ہے۔

27 مارچ کو نیپئر نے میرپور خاص پر قبضہ کیا اور 14 اپریل کو عمرکوٹ اسکے ہاتھ آیا۔ جبکہ میر شیر محمد 10 جون کو شہدادپور کے مقام پر رابرٹ اور جیکب کی کمان میں انگریز فوج سے شکست کھا کر فرار ہوگیا۔

چارلس نیپئر نے مغلوب تالپوروں کو ریاستی قیدیوں کے طور پر بمبئی روانہ کیا۔ میر علی مراد کو خیرپور اور کوٹ ڈیجی پر مشتمل اسکے علاقے تک محدود کر دیا گیا تاہم 1852ء میں لارڈ ڈلہوزی نے اس سے شمالی سندھ کے رئیس کی اعزازی حیثیت واپس لے لی۔ میر شیر محمد 1855ء میں جلاوطنی سے واپس آیا تو اسے میرپور خاص کے قریب چھوٹی سی جاگیر دی گئی۔ دیگر جلاوطنوں کو بھی بنگال سے واپسی کی اجازت دی گئی تاہم خیرپور کے رستم خان اور نصیر خان اور حیدرآباد کے صوبدار خان، نصیر خان اور شہداد خان جلاوطنی میں ہی چل بسے۔

سندھ کی فتح کے بعد چارلس نیپئر کو سندھ کا پہلا گورنر اور کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا۔ گورنر کو سیاسی، محصولاتی اور فوجی امور کا حتمی اختیار دیا گیا۔ فروری 1843ء میں ہی حکومت نے لوگوں کو انگریزوں کا وفادار بننے سے متعلق ایک فرمان جاری کیا۔ انگریزوں سے وفاداری کا اظہار کرنے والے جاگیرداروں اور زمینداروں کو اسناد سے نوازا گیا۔ اسناد و اعزازات دینے کا یہ سلسلہ وقفے وقفے سے جاری رہا جبکہ 1857 کی جنگ آزادی کے دوران انگریزوں کی مدد کرنے یا کم از کم غیر جانبدار رہنے والے انگنت افراد کو بھی زمینوں اور جاگیروں سے نوازا گیا۔

ابتدائی انگریز ایام کاری میں سندھ کو تین اضلاع کراچی، حیدرآباد اور شکارپور میں تقسیم کیا گیا جبکہ کراچی میں صوبے کا پولس ہیڈکوارٹر قائم کیا گیا۔ 1847ء میں سندھ میں اول اور دوئم بلوچ رجمنٹ تشکیل دی گئیں۔

سید احمد شہید کی جہادی تحریک میں سندھ کا کردار

انیسویں صدی کے پہلے اور دوسرے عشرے میں لکھنو کے نواب کی فوج سے تعلق رکھنے والے سید احمد نے مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انگریزوں سے مذہب کی بنیاد پر جہاد کرنے کی ٹھانی۔ مذہبی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ ٹانک کے نواب کی فوج میں شامل ہوا اور ٹانک کے انگریزوں کے قبضے میں چلے جانے کے بعد مکہ روانہ ہوا جہاں سے واپسی پر شاہ عبدالعزیز کے داماد شاہ عبدالحئی کے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے منصوبے پر جٹ گیا۔ سید احمد نے اس ضمن میں دو ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر بھی تشکیل دیا۔

ٹانک پہنچنے پر وہاں کے نوابین وزیر الدولہ اور سید حمید الدین نے سید احمد کو سندھ میں جہاد کا مرکز بنانے کی ہدایت کی۔ اس ہدایت کے کئی عوامل تھے۔ تاہم جب مولوی نصیر الدین سید احمد کے ساتھ شامل ہونے کیلئے جاتے ہوئے کاتیرو قلعہ پہنچا تو انگریزوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے میں شریک تالپور حکمرانوں کے وفادار افراد نے ان پر حملہ کر دیا تاہم میر رستم کے پروانہ راہداری کی وجہ سے انکی جان خلاصی ہوئی۔ مولوی نصیر اور سید احمد کی ملاقات پیر جو گوٹھ میں ہوئی جہاں آخر الذکر پیر صبغت اللہ شاہ پیر پاگارو کا مہمان تھا۔ پیر پاگارو کے علاوہ کئی دیگر مذہبی رہنماؤں نے بھی سید احمد کو جہاد میں اپنی حمایت کا یقین دلایا تھا۔ ان میں کھہڑا ے مخدوم عبدالخالق، گمبٹ کے ابراہیم شاہ، شاہ کوٹ کے سید جعفر علی شاہ بھی شامل تھے۔ البتہ ہالا کے مخدوم خاندان نے مولوی نصیر کو مناسب تعداد میں اپنا لشکر تشکیل دینے میں کامیاب ہونے کی صورت میں اپنی حمایت کا وعدہ کیا تھا۔ اس ضمن میں مولوی نصیر نے نوشہرو فیروز کے امیر عبدالحئی اور ہنگورجا کے سید نصر علی شاہ سے بھی ملاقات کی۔

مولوی نصیر لکھتا ہے، ''سندھ کے پیروں اور مذہبی علما نے مجھے اپنی حمایت کا یقین دلاتے ہوئے اس معاہدے پر دستخط کیے کہ سندھ کے لوگ جہاد میں شرکت کیلئے تیار ہیں۔'' مولوی نصیر نے نزاری قبیلے کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے ان کی زمینوں پر رہائش اور جہادی تربیت کی سہولت حاصل کی گئی۔

1837ء میں سید احمد نے روجھان کے قلعہ پر حملہ کیا اس کاروائی کا مقصد سکھوں کو سبق سکھانا تھا تاہم سید احمد شکست کھا کر واپس ہوا تو حیدرآباد کے تالپور حکمرانوں نے اُسے اپنے ہاں پناہ دی۔ انہی دنوں پیر پاگارو نے سید احمد کے فلسفہء جہاد سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے منتخب مریدوں کو ''حُر'' کا خطاب دیکر جہاد پر روانہ کیا۔

اس دوران سید احمد اور پیر پاگارو کے درمیان خط وکتابت بھی ہوتی رہی۔

سندھ پر قبضہ کرتے ہی انگریزوں نے ایک طرف تو پیروں، سیدوں اور زمینداروں کو نوازنا شروع کیا تو دوسری جانب عالموں پر اپنی دہشت کی دھاک بٹھانا بھی شروع کردی۔ 26 اگست 1843ء کو سخت فوجی نظم وضبط کا اعلان کرکے تمام لوگوں کو غیر مسلح رہنے کا حکم دیا گیا اور اسلحہ اٹھانے والوں کو موقعہ پر سزائیں سنائی گئیں۔ ایستوک اس حکم نامے کو مارشل لا سے تعبیر کرتا ہے اور لکھتا ہے، ''ملک میں مارشل لا نافذ کرنے کی وجہ سے فقط تہمت عائد ہونے پر ہی لوگ سخت عذاب کا شکار بنتے تھے۔ معمولی جرائم پر بھی دس، پندرہ اور بیس ہزار روپے تک کا جرمانہ یا سات سے دس سال قید کی سزا سنائی جاتی۔''

رچرڈ برٹن لکھتا ہے کہ تالپور حکومت کے بعد بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کو شکایت تھی کہ انہیں انگریزوں کی جانب سے کوئی تنخواہ مل رہی ہے نہ وظیفہ۔ سندھ کی برصغیر کی جغرافیائی اراضی میں ایک سرحدی چوکی کی حیثیت ہونے کی وجہ سے انگریز اسے ہر صورت میں پرامن حالات کے ساتھ اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے سرچارلس نیپئر نے سندھ کے جاگیرداروں کو ''فطری مہذب'' کہہ کر انہیں یقین دلایا کہ انگریز حکومت کے قیام پر بھی وہ اپنی املاک پر سکون سے قابض رہیں اور ضبط شدہ زمینیں بھی انہیں واپس کردی جائیں گی۔ اسی دوران اعلان کیا گیا کہ 24 مئی 1844ء کو تمام جاگیردار سلامتی کیلئے گورنر کے حضور میں حاضر ہوں جہاں آنے والوں کو پروانہ سلامی دیا جائے گا۔ اسی دربار میں جاگیرداروں کو زمین کا موروثی حق دیا گیا جبکہ اس سے قبل کسی زمیندار یا جاگیردار کے مرنے پر یہ زمین ریاستی تحویل میں چلی جاتی تھی۔

تالپوروں نے آخری ایام میں سندھ کے پیروں کی تحویل میں چار درجہ بندیوں انعام، مدد معاش،

خیرات اور پٹہ داری پردی گئی جاگیریں تھیں۔ تالپور حکمرانوں کی جگہ پر غیر مسلم حکمرانوں کی آمد نے پیروں کو اس تشویش میں مبتلا کردیا کہ یہ حکمراں نہ تو دعا کے طالب ہیں اور نہ ہی اللہ کے نائب کے طور پر حکومت کر رہے ہیں تاہم انگریزوں نے ان پر واضح کیا کہ سرپرستی اور واضح فرمانبرداری کی صورت میں انکی مراعات جاری رہیں گی بلکہ ان میں اضافہ بھی ممکن ہے۔ اس طرح انگریز حکمرانوں اور مقامی پیرون اور جاگیرداروں مین اشتراکِ عمل شروع ہوا۔

سندھ میں اپنے پیر جمانے کے بعد انگریزوں نے جاگیریں دینے کے اپنے 1844ء کے فیصلے میں 1845ء کے دوران ایک اور تبدیلی کی۔ جس کے تحت جاگیروں کے تحویل دار کی موت کے بعد زمین سرکاری تحویل میں لیکر سرکاری توثیق کے بعد اسناد جاری ہونے لگیں۔ 1855ء میں جاگیروں کے کمشنر کی تعیناتی کے بعد کئی ایک چھوٹے زمینداروں سے زمینیں واپس لیکر تالپور دور سے قبل کے جاگیروں کے مالکان کو انکا مالک بنایا گیا۔ اس سے زیادہ تر فائدہ سندھ میں رہنے والے کئی بلوچوں کو ہوا جو بعد ازاں انگریزوں سے وفاداری نبھاتے رہے۔

پیروں کے ضمن میں سب سے پہلی مشکل پروانہ سلامی کے حوالے سے آئی۔ اگرچہ 1846ء میں چارلس نیپئر کے اعلان کے مطابق باغوں کے تحویل داروں کو "سلام" کی چھوٹ دی گئی تھی تاہم کئی مذہبی گھرانوں کی تحویل میں باغوں سمیت ایسی اراضی بھی موجود تھی جو سلام نہ کرنے کی وجہ سے ضبط کی گئی۔ کچھ پیروں نے مذہبی بنیادوں پر "کافر" حکومت سے رابطہ نہ رکھنے کی پالیسی اختیار کی اور اپنی ملکیت گنوا بیٹھے جبکہ دیگر نے اپنے خاندان کے دیگر افراد یا زیر اثر کسی بااعتماد شخص کو یہ فریضہ ادا کرنے کی ذمہ داری سونپی۔

مسلمان مولویوں اور قاضیوں کو نوازنے کیلئے انگریزوں نے "مدد معاش جاگیر" اور "خیرات جاگیر" سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی دور میں اخراجات کی پرواہ کیئے بغیر اور قرضوں میں جکڑے جانے کے باوجود ان جاگیرداروں نے فوجی اور سول افسران کو دعوتوں اور شکاری مہمات پر مدعو کرنا شروع کیا۔ برطانوی عملدار ایسے وفادار جاگیرداروں کو حکومتی اداروں کی دعوتوں، اسلحہ رکھنے کے لائسنس یا آفرین نامہ دینے کی صورت میں معاوضہ ادا کرتے۔ اس شکریہ ادائیگی کیلئے خطوط، اسناد، اسلحہ اور کپڑے کی صورت میں سرکاری تحائف دیے جاتے۔ ایسے ہی جاگیرداروں کو "رئیس" "خان صاحب" یا "خان بہادر" کے القاب بھی دیے جاتے۔

پیروں کو ابتدا میں بیس سے تیس ایکڑ زمین دی جاتی تھی تاہم 1870ء میں اس سلسلے کو ختم کرکے

انہیں دربار میں کرسی، سونے اور چاندی سے تحریر شدہ آفرین نامے، مختلف چادریں، تلواریں اور بندوقیں، لائسنس یا بلا لائسنس اسلحہ رکھنے کے اجازت نامہ دیے جانے لگے۔

مختلف سرکاری کاموں کیلئے جبری مشقت کیلئے مطلوب افراد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ ان پیروں سے جرائم پیشہ افراد کی سرکوبی میں بھی مدد حاصل کی جانے لگی۔ ان پیروں کی انگریز دربار میں فوری ترقی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں ہالا کے مخدوم کی کرسی 75 ویں نمبر پر تھی، 1890ء میں یہ 37 ویں نمبر پر آ گئی جبکہ 1912ء میں یہ 9 نمبر پر چلی گئی۔

کیپٹن ایستوک کے مطابق فروری 1843ء میں حیدرآباد کلیکٹوریٹ میں جاگیر کے طور پر اراضی چالیس لاکھ بیگھہ پر مشتمل تھی جو کہ تقریباً پندرہ ہزار انفرادی جاگیرداروں میں منقسم تھی۔

17 فروری 1843ء کو میانی کے مقام پر سندھی لشکر کی شکست کے بعد انگریزوں نے 5 مارچ کو فارسی میں ایک اعلامیہ جاری کر کے سندھیوں اور بلوچ سرداروں کو متنبہ کیا کہ مزید مزاحمت انکے لیے تباہی کا باعث بنے گی تاہم اسی میں یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ ''لیکن اگر پر امن رہو گے اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ گے تو تمہاری جاگیریں تمہیں توثیق کر کے دی جائیں گی۔ انگریز سرکار تمہاری دوست اور خیر خواہ رہے گی۔''

13 مارچ کو ایک اور فارسی اعلامیہ جاری ہوا جس میں سندھ کی عوام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ برطانوی حکومت کو اسی طرح پیداوار فراہم کرتے رہیں جیسا کہ قبل ازیں تالپور حکمرانوں کے دور میں ہوتا تھا۔ 17 مارچ کو گورنر جنرل کے حکم کے تحت سندھ میں بیرونِ ملک سے آنے والے سامان پر محصول ختم کر دیا گیا۔

اگرچہ سرداروں، جاگیرداروں اور پیروں نے مزاحمت سے پرہیز کی تھی تاہم اسکی تصدیق کیلئے چارلس نیپیئر نے 20 مئی 1843ء کو فارسی میں ایک فرمان جاری کیا۔

''خدا انتہائی مہربان ہے۔ تم بلوچ سرداروں کو گورنر کے حضور میں اپنے طور پر حاضر ہونے کیلئے بلایا جاتا ہے۔ انہیں (گورنر سندھ) آ کر سلام کرو تا کہ برطانوی حکومت کی جانب سے تمہاری جاگیروں اور دیگر تمام جائیدادوں کی توثیق اور منظوری دی جائے۔ تمہارے رتبے میں کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔ اسکی یقین دہانی کی جائے کہ اس دعوت کی خلاف ورزی نہیں ہوگی، اور اگر ایسا کرنے میں ناکام رہو گے تو پھر مندرجہ بالا فوائد و مراعات حاصل کرنے میں ناکام رہو گے۔''

ابتدائی فرمان میں سلام کیلئے پیش ہونے کی کوئی حتمی تاریخ درج نہیں تھی تاہم 10 ستمبر کے اعلامیے کے مطابق اسکی حتمی تاریخ یکم نومبر 1843ء مقرر کی گئی۔

حیدرآباد کے پہلے کلیکٹر کیپٹن رتھبون نے 22 دسمبر کو اس بات کا عندیہ دیا کہ ''اس دیس میں چھوٹے کسانوں سے بھی چھوٹی حیثیت رکھنے والے کئی ایک جاگیروں کے مالک موجود ہیں جن کے پاس کراچی جانے تک کے وسائل نہیں ہیں، تو اس لیے اگر گورنر کے نمائندے کے طور پر انکی میرے سامنے سلامی کو بھی مدنظر رکھا جائے گا تو یہ کاروائی مکمل ہو سکے گی''۔

چارلس نیپئر نے 26 ستمبر کے اپنے خط میں اس تجویز کو قبول تو کرلیا تاہم حکم جاری کیا کہ جاگیرداروں کو اس ضمن میں جنرل سمپسن کا انتظار کرنا چاہئے اور اس دوران ایسے جاگیرداروں کی فہرست کلیکٹر آفس میں جمع کرائی جائے۔

فرمان برداری کی اس میعاد میں 24 مئی 1844ء تک کی توسیع کی گئی تاہم 25 نومبر کو کیپٹن رتھ بون نے یہ سوال اٹھایا کہ جنگ کے دوران ہلاک ہونے والے جاگیرداروں کے ورثا کو جاگیروں کے اجرا کا حقدار سمجھا جائے یا نہیں۔

سندھ میں انگریزوں کی پہلی دربار کا انعقاد

اعلامیہ: ''ہندستان کے گورنر جنرل کے حکم سے سندھ کا گورنر تمام جاگیرداروں کیلئے مشتہر کرتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ حیدرآباد میں 24 مئی 1844ء کو ملاقات کرے گا، جو کہ ملکہ برطانیہ کا جنم دن بھی ہے۔ اس لیے گورنر، سندھ کے تمام سرداروں اور جاگیرداروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ آ کر جمع ہوں اور ایک عظیم الشان اجتماع میں کھڑے ہوکر ملکہ کو سلام پیش کریں کہ یہ عمل ہمیشہ پوری دھرتی پر انتہائی خوشی اور طمانیت کا باعث ہوگا۔ ہر ایک سردار کو، ملکہ کے حضور میں چابکدستی کے علامت کے طور پر اپنی تلوار اور ڈھال اٹھانے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کسی بھی جاگیردار کو اس عظیم الشان اجتماع سے غیر حاضر نہیں رہنا ورنہ وہ اپنی جاگیر گنوادے گا۔''

تاہم شمالی سندھ کے جاگیرداروں کو فاصلے کی وجہ سے حیدرآباد میں منعقدہ اس دربار سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے شکارپور میں جنرل سمپسن سے ملاقات کا انتظار کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

چارلس نیپئر نے 3 مئی کو اس اجتماع کے ضمن میں ایک اعلامیہ جاری کیا جس کی رو سے پولس اور فوج کو حفاظتی اقدامات کرنے تھے جسکے تحت پولس کپتان نے حیدرآباد کے باہر سے آنے والے سرداروں کے علاوہ دیگر مسلح افراد کی حیدرآباد آمد روکنے کیلئے اپنے عملے کے افراد کو کوٹڑی اور پھلیلی پر تعینات کیا۔ اسی اعلامیہ کے مطابق جاگیرداروں کو اپنے ساتھ فقط ایک غیر مسلح شخص حیدرآباد لانے کی اجازت دی گئی۔

اس دربار کے موقعہ پر ایک اعلامیہ پڑھ کر سنایا گیا جس میں فرمان برداری، وفاداری اور بہتر خدمات کی شرائط پر جاگیروں کو بحال کیا گیا تھا۔ شکست تسلیم کرنے اور فرمان برداری کا یقین دلانے والوں کی ایک فہرست بھی مرتب کی گئی۔ اس دربار کے موقعہ پر چارلس نیپئر کے دستخط اور مہر سے جاری ہونے والی اسناد پر تحریر تھا کہ فلاں چل کر آیا اور اپنی شکست تسلیم کی، اس لیے اسے 17 فروری 1843ء (میانی کی جنگ کا دن) کو حاصل غیر متنازعہ جاگیر واپس دی جاتی ہے۔

یکم اکتوبر 1847ء کو سر چارلس نیپئر کی جگہ پرنگل نے سندھ کے شہری انتظامات اپنے ہاتھ میں لیے۔ تاہم اس سے قبل ہی 18 ستمبر 1848ء کو گورنر جنرل نے کمپنی بہادر کے بورڈ کو ہدایت کی تھی کہ سر چارلس نیپئر کی روانگی پر سندھ کو بمبئی پریزیڈنسی کے ساتھ جوڑا جائے اور وہاں پر کمشنر تعینات کیا جائے اور بمبئی حکومت کے چیف سیکریٹری پرنگل اکتوبر 1847ء سے جنوری 1851ء تک اس عہدے پر فائز کیے گئے۔

گورنر بمبئی سر جارج کلارک اپریل 1848ء میں سندھ کے دورے پر آیا تو 24 اپریل کو اُسے سندھ کے جاگیرداروں کو حکومتی اثر رسوخ و اختیارات کے ذریعے کنٹرول کرنے کی منصوبہ بندی سے متعلق تفصیلی آگاہی دی گئی۔

جنوری 1951ء میں پرنگل کی جگہ پر فریئر کی تعیناتی کی گئی جو کہ اکتوبر 1959ء تک جاری رہی۔

میجر گولڈ سمتھ 1858ء میں اپنی ایک رپورٹ میں تحریر کرتا ہے کہ 1857ء کی جنگ آزادی کے دوران جاگیرداروں کو برطانوی حکومت سے تعاون کی فرمان برداری تسلی بخش رہی۔ درحقیقت سرداری کے دعویدار افراد میں سے فقط ایک امام بخش جتوئی نے برطانوی حکومت سے ناراضگی کا اظہار کیا تھا اور اسکی موروثی جاگیر بحال کرنے کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا اور حکومتی حکم کے تحت اسے جاگیر سے محروم کر دیا گیا۔

سندھ میں جنگِ آزادی

1857ء کی جنگِ آزادی سے 14 سال قبل انگریزوں کے قبضے میں آنے والی سندھ نے ایک حد تک اس بغاوت میں حصہ لیا۔ جغرافیائی لحاظ سے کراچی سے جیکب آباد تک مختلف شہروں میں سپاہیوں، سابقہ حکمران تالپور خاندان کے افراد اور مقامی سرداروں نے بغاوت کا علم بلند کیا۔

مرکزی ہندستان (مغل سلطنت) سے باہر کی ریاست سمجھی جانے والی سندھ میں نہ صرف بہادر شاہ ظفر نے دہلی سے خطوط بھیج کر لوگوں کو بغاوت میں شامل ہونے کی دعوت دی بلکہ اس سے کچھ عرصہ قبل سید احمد شہید اور اس کے ساتھیوں کی جانب سے بھی سندھ کے باسیوں بالخصوص مختلف پیروں کو انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی جا چکی تھی۔

سندھ میں مقامی افراد کو ہتھیار فروخت کرنے اور ان کی نقل و حمل پر سر چارلس نیپیئر کے حکم سے پابندی عائد کی جا چکی تھی۔

سندھ میں ذرائع ابلاغ بالخصوص کراچی سے شائع ہونے والے اخبار ''سندھ قاصد'' پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ 16 جون 1857ء کو سندھ قاصد نے لکھا: ''اخبارات کو سنسر شپ کے ذریعے دھمکایا جا رہا ہے تاکہ آزادی کی فضا کو کچلا جا سکے اور تمام تر معاملات کو حکومت کے تابع رکھا جائے۔ عمومی طور پر سپاہی نہ تو اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے حالیہ برتاؤ میں ذرائع ابلاغ کا کوئی ہاتھ ہے۔ سندھ کے مقامی سپاہیوں کو برطانوی حکومت کی جانب سے شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان سے ناروا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔''

بہادر شاہ ظفر نے شیر سندھ میر شیر محمد خان تالپور کو ایک خط ارسال کر کے بغاوت میں امداد فراہم کرنے کی درخواست کی۔ میر شیر محمد نے اپنے بلوچ سپاہیوں کو اسلحہ اور رقم دے کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ تاہم تالپور خاندان کے ایک فرد کی جانب سے میر شیر محمد کے اس اقدام سے انگریز اہلکاروں کو مطلع کرنے پر یہ منصوبہ مکمل طور پر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

ان دنوں سندھ میں بمبئی نیٹو انفنٹری کی 13، 14، 16 اور 21 ویں رجمنٹ، سیکنڈ یورپین انفنٹری، فرسٹ بمبئی فیوزیلرز، تھرڈ ٹروپ ہارس آرٹلری کی چوتھی بٹالین کی دو کمپنیاں اور سیکنڈ سندھ اریگولر ہارس اور چھٹی بنگال اریگولر کیولری تعینات تھی۔

سندھ میں جنگِ آزادی کی ابتدا کراچی بندرگاہ پر ''ایشیا'' نامی جہاز کے لنگر انداز ہونے سے ہوئی۔ جہاز کے کپتان نے اپنی اور جہاز کی حفاظت اور بے چینی کو پھیلنے سے روکنے کے پیشِ نظر قانون کو ہاتھ میں لیا اور باغی رہنما کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ باقی ماندہ عملے نے ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جہاز کے ساحل پر لنگر انداز ہوتے ہی انہیں حراست میں لیا گیا۔

مقامی سپاہیوں نے اس واقعے کا سنجیدگی سے نوٹس لیا اور عدم اطمینان اور غم و غصے کی لہر پورے سندھ میں پھیل گئی۔ اس بے چینی کے اہم مراکز کراچی، حیدرآباد، شکارپور، جیکب آباد، سکھر اور میرپور خاص تھے۔ ایک برطانوی اہلکار کے مطابق:

,,14 ستمبر کی شب گیارہ بجے دو ہندوستانی افسران نے کراچی کے کمانڈنگ افسر کو مطلع کیا کہ 21 ویں رجمنٹ کے سپاہی آپس میں صلاح مشورہ کر رہے ہیں اور یہ کہ بمبئی نیٹو انفنٹری نیم شب کو بغاوت کا ارادہ رکھتی ہے۔ کمانڈنگ افسر فوراً شہر روانہ ہوا اور شہری انتظامیہ کو مطلع کیا۔ فوری طور پر خواتین اور بچوں کو ایک محفوظ مقام پر منتقل کرنے کے انتظامات کئے گئے جبکہ سیکنڈ یورپین لائیٹ انفنٹری نے 21 ویں رجمنٹ کے رہائشی علاقے کا محاصرہ کر کے سپاہیوں کو پیش ہونے کا حکم دیا۔ سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے کے بعد چھپائے گئے ہتھیاروں کی کھوج شروع ہوئی اور سپاہیوں کی رہائش گاہ سے کچھ تلواریں برآمد ہوئیں۔ رجمنٹ کو غیر مسلح کرنے کے بعد گنتی سے معلوم ہوا کہ 20 افراد غیر حاضر ہیں جنہیں بعد ازاں گرفتار کیا گیا جبکہ کراچی میں تعینات 21 ویں بمبئی نیٹو انفنٹری کے وہ 30 سپاہی جنہیں باغیوں نے جنرل کمانڈنگ افسر، کمشنر اور دیگر سرکاری اہلکاروں کے قتل کا حکم دیا تھا، پہاڑوں کی طرف فرار ہو گئے۔ یہ سپاہی بھی بعد ازاں گرفتار کئے گئے، اور ان کا کورٹ مارشل کیا گیا۔ ان میں سے پانچ کو توپوں سے اڑا دیا گیا، گیارہ کو پھانسی دی گئی۔ جبکہ باقی جلاوطن کیے گئے۔''

کراچی سے شائع ہونے والے اخبار ''سندھ قاصد'' کے 15 ستمبر 1857ء کے شمارے میں اس مقدمے کا کچھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

''دس کی تعداد میں قیدیوں کو یورپی پہریداروں کی نگرانی میں لکڑی کے بنے ہوئے ایک چبوترے میں ان کی کور کے سامنے لایا گیا۔ بریگیڈ کے میجر کیپٹن لیکی نے زوردار اور صاف آواز میں الزامات اور کورٹ مارشل کا فیصلہ پڑھ کر سنایا جس کی میجر گولڈ اسمتھ نے واضح انداز میں وضاحت کی۔ سات افراد کو سزائے موت سنائی گئی جبکہ تین کو توپ کے ذریعے اڑانے کا فیصلہ سنایا گیا۔''

سندھ قاصد نے 18 ستمبر کے اپنے شمارے میں ان سزاؤں پر عمل درآمد کی چشم دید تفصیل دی ہے:

''سات قیدیوں کو فوری طور پر سیڑھیوں کے ذریعے تختے پر پہنچایا گیا۔ ان کے ہاتھ پیچھے باندھے گئے تھے، ان کی آنکھوں پر پٹی باندھے بغیر ان کی گردنوں میں رسی کسی گئی۔ مقامی جلادوں کو اشارہ کیا گیا اور ان کے پیروں تلے تختہ کھینچ لیا گیا۔

''بعد ازاں اپنے ساتھیوں کے انجام کا مشاہدہ کرنے والے تین قیدیوں کو کھلے میدان میں کھڑا کیا گیا جہاں یورپی اور دیسی سپاہیوں نے پوزیشن اختیار کی ہوئی تھی۔ تین آرٹلری توپیں تیار کی گئیں اور پشت کی سمت بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ باغیوں کو ان کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ تمام چیزیں تیار تھیں، میجر بلیک نے ہاتھ لہرا کر اشارہ کیا، توپچیوں نے فوری طور پر توپیں تیار کیں اور ایک کے بعد ایک باغی توپ دم ہوا۔ دور دور تک اڑنے والے ان کے جسمانی اعضاء کو جمعداروں نے فوراً جمع کیا اور ایک ریڑھے میں ڈال کر کچھ فاصلے پر لے گئے۔ اس کے بعد پھانسی دیئے گئے قیدیوں کی رسیاں کاٹی گئیں اور انہیں بھی اسی طرح لے جایا گیا۔ اس طرح کراچی کے باشندوں کی زندگی میں پیش آنے والا یہ انتہائی متاثر کن واقعہ اختتام پذیر ہوا۔''

بعد ازاں مزید 43 افراد کو گرفتار کیا گیا جن میں سے 14 کو پھانسی دی گئی، تین فرار ہونے کی کوشش میں مارے گئے، چار کو توپوں سے اڑایا گیا جبکہ 22 کو جلاوطن کیا گیا۔

کراچی میں ان انقلابی سپاہیوں کے رہنما رام دین پانڈے تھا جس کا تعلق 21 ویں نیٹو انفنٹری سے تھا۔ اُسے بدھ 23 ستمبر کو توپ سے اڑایا گیا۔ جبکہ اُس کے باقی ساتھیوں کو تاعمر جلاوطن اور مقامی دیہی پولیس کی نگرانی میں کراچی کی بندرگاہ سے جہاز پر سوار کرایا گیا۔

حیدرآباد

جون کے مہینے میں حیدرآباد میں تعینات 13 ویں نیٹو انفنٹری کے کچھ سپاہیوں نے بغاوت کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ حیدرآباد اور کوٹری میں افسران کو سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے اعلیٰ افسران سے پیشگی اجازت کے بغیر دو گھنٹوں سے زائد وقت اپنے علاقے سے باہر نہیں گذاریں۔ بغاوت کے خدشے کے پیش نظر برطانوی اہلکاروں نے احتیاطاً اور تیز فہمی کے تحت کوٹری کو اپنی پناہ گاہ کے طور پر منتخب کیا۔ جبکہ زیادہ تر عام عیسائیوں نے حیدرآباد قلعہ میں پناہ لی تھی۔ سپاہیوں نے 10 ستمبر کو بغاوت کرنے کا فیصلہ کیا۔

تاہم صوبیدار میجر کی جانب سے لیفٹیننٹ بٹی کیمپی کو اس کی اطلاع ملنے پر 9 تاریخ کو حیدرآباد میں موجود سپاہیوں کو غیر مسلح کر دیا گیا۔ شام چار بجے میدان کے کونے میں سپاہیوں کو جمع کیا گیا۔ ان سے بندوقیں اور تلواریں واپس لی گئیں۔

22 ستمبر کے "سندھ قاصد" کے مطابق، انتظامیہ نے یہاں پر انتہائی چابکدستی کا مظاہرہ کیا اور حال ہی میں تشکیل شدہ رضا کاروں کا نصف حصہ آج صبح حیدرآباد روانہ کیا گیا۔ ان کے ایک ہم وطن بے وفا صوبیدار نے ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر برطانوی اہلکاروں کو بغاوت سے متعلق ان کی مخبری کی۔ جنگی کونسل نے برگیڈیئر کی رہائش گاہ پر صلاح مشورے کے بعد مقامی سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے کا فیصلہ کیا جس پر فوری عمل درآمد کیا گیا۔ اس دوران کچھ سپاہیوں کو حراست میں بھی لیا گیا۔ ان پر سختی روا رکھی گئی۔ باغی سپاہیوں کے رہنما سمجھے جانے والے کچھ سپاہیوں کو کورٹ مارشل کر کے توپ سے اڑایا گیا۔ انہیں ہلاک کرنے کیلئے ایک چھ پاؤنڈ والی توپ استعمال کی گئی۔ جبکہ باقی چار باغیوں کو تاحیات جلاوطنی پر بھیجا گیا۔ توپ داغنے کے اس عمل کو سرعام کیا گیا جس کا سینکڑوں لوگوں نے مشاہدہ کیا۔

شکار پور

حیدرآباد میں سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے کے بعد یورپی فیوزیلرز کے تقریباً 55 سپاہی شکار پور روانہ کئے گئے۔ مقامی سپاہیوں نے بغاوت کر کے اسلحے پر قبضہ کر لیا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کچھ یورپی سپاہی ان پر حملہ آور ہونے والے ہیں چنانچہ پولیس کی جانب سے اسلحے پر قبضے سے قبل وہ ایک چوک میں صف آراء ہوئے اور فائرنگ شروع کر دی۔ اس ٹکراؤ سے دو باغی سپاہی اور تین پولیس اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ ایک مقامی جمعدار شدید زخمی ہوا۔ ایک مقامی جمعدار نے برگیڈیئر کو مطلع کیا کہ باغیوں کو شمال کی جانب سے کچھ سپاہیوں کے اپنے ساتھ شامل ہونے کی توقع تھی۔ 23 تاریخ کی شب 14 یا 16 سپاہیوں نے میدان میں چھپائی گئی بندوقیں اٹھا کر ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔ گھوڑے سوار باغی سپاہیوں کے مقابلے میں کیپٹن منٹگمری کی کمان میں 300 سے زائد برطانوی اور ان کے دیسی وفادار سپاہی تھے تاہم 10 یا 12 سپاہی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ نیٹو انفنٹری رجمنٹ کے شکار پور میں تعینات ایک صوبیدار کو بغاوت کی قیادت کرنے کے الزام میں گرفتار کر کے سزائے موت دی گئی۔

شکار پور میں صورتحال انتہائی تلخ تھی اور اس وجہ سے کمپنی بہادر سے بغاوت کرنے کیلئے انتہائی سازگاریوں تھی کہ ایک تو یہاں پر اودھ سے تعلق رکھنے والے سپاہی تھے جو اپنے ملک کے حالات کی وجہ سے

بے چین اور بھپرے ہوئے تھے۔ دوسرا یہ کہ یہاں سے شمال کی سمت میں پنجاب کے مقامی لوگ بغاوت کر رہے تھے۔ جبکہ دریا خان جکھرانی اور دل مراد خان کھوسو جیسے پرانے باغی شمالی سندھ کے بلوچوں کو بغاوت پر اکسا رہے تھے۔ واضح رہے کہ دریا خان کو انہی الزامات کے تحت 1854ء میں چارلس نیپئر نے گرفتار کیا تھا تاہم جان جیکب کی مداخلت پر انہیں رہا کیا گیا تھا جو کہ دریا خان کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ انہیں بالآخر جیکب آباد کے مسٹر میری ویدر نے گرفتار کیا اور بعد ازاں جلاوطن کیا گیا۔ دریا خان کی گرفتاری سے متعلق فریئر لکھتا ہے: ''مجھے کیپٹن منٹگمری کے ہاتھوں شکارپور میں باغیوں کی گرفتاری اور جیکب آباد کے جکھرانی سردار دریا خان کی کیپٹن میری ویدر کے ہاتھوں گرفتاری کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں۔ شکارپور میں بغاوت کرنے والے افراد جیکب آباد اور شکارپور میں موجود اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ دریا خان کو یہاں سے سکھر روانہ کیا گیا جہاں سے کشتی کے ذریعے کراچی بھیجا گیا تاکہ وہ احمد نگر یا جنگی کونسل کے فیصلہ کے تحت کسی دوسری جیل میں عمر قید کی سزا بھگت سکے۔''

جیکب آباد

سندھ کے سرحدی ضلع جیکب آباد کے قبائلی سردار دریا خان جھکرانی طویل عرصے سے مقامی قبائل کو برطانوی راج کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رہے تھے۔ اپنی گرفتاری کے بعد انہوں نے فریئر کو بتایا کہ وہ ملتان میں بغاوت کے کامیاب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ ملتان میں بغاوت کے کامیاب ہوتے ہی جیکب آباد میں بغاوت شروع ہو جاتی۔

سکھر

سندھ کے دیگر شہروں کے مقابلے میں سکھر زیادہ پرامن رہا۔ شکارپور میں بغاوت کے ناکام ہونے کے بعد برطانوی اہلکاروں کو تشویش لاحق تھی کہ وہاں سے فرار ہونے والے سپاہی دیگر شہروں کے ساتھ سکھر کا بھی رخ کریں گے۔

اس ضمن میں دریائے سندھ کے ساتھ اور شہر کے اندر گھوڑے سوار سپاہیوں کا گشت شروع کیا گیا۔ تمام گرفتار شدگان کو موقعہ پر پھانسی دی گئی۔

میرپور خاص

شیر سندھ میر شیر محمد تالپر نے 1857ء میں ایک بار پھر سندھ کی آزادی کیلئے کوشش کی۔ میرپور خاص سے تعلق رکھنے والا سندھ کے سابق حکمران خاندان کا یہ اہم فرد انگریزوں کے خلاف کئی گوریلا کارروائیوں

کے ناکام ہونے پر روپوش ہوکر بیرونِ ملک چلا گیا تھا اور کوئٹہ، قندھار اور دیگر مقامات سے ہوتا ہوا پنجاب جا پہنچا۔ لاہور میں اپنے قیام کے موقعہ پر میر شیر محمد تالپور نے جس علاقے میں پینے کے پانی کا ایک کنواں کھدوایا تھا وہ آج بھی "میراں دی کھوئی" کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزوں کی اس یقین دہانی پر کہ ان کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جائے گی وہ 1854ء میں سندھ واپس پہنچے جہاں جگہ جگہ ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ان کی سندھ واپسی اور بعد ازاں ان کے کردار سے متعلق مختلف آرائیں سامنے آتی رہی ہیں۔

ضلع تھرپارکر کے گزیٹیئر کے مطابق ان کی وطن واپسی مخصوص حالات میں ہوئی۔ گزیٹیئر کی رو سے شیر محمد کا وفادار ساتھی نواب امیر علی لغاری حیدرآباد میں گرفتار ہوا۔ جب انہیں یہ خبر لاہور میں موصول ہوئی تو انہوں نے سندھ پہنچ کر خود بھی گرفتاری دینے کا فیصلہ کیا۔ انگریزوں نے پیش بندی کے طور پر شہر سے باہر خیمے لگوادیے اور ان سے کہا گیا کہ وہ غیر مسلح ہوکر آگے بڑھیں۔ انہوں نے انکار کیا تو انہیں خیمے میں نظر بند کیا گیا۔ بعد ازاں سر جان لارنس کی سفارش پر انہیں میرپور خاص میں رہنے کی اجازت دی گئی۔ بعض روایات کے مطابق 1857ء کی جنگِ آزادی میں انگریزوں کا وفادار رہنے پر برطانوی حکومت نے انہیں سی ایس آئی کا خطاب دیا لیکن ایک دوسری روایت کے مطابق شیر سندھ نے 1857ء میں جنگِ آزادی کی غرض سے لشکر جمع کرنا شروع کیا لیکن حیدرآباد کے میر ہز ہائی نس محمد علی خان نے انگریزوں کو اس کی اطلاع کردی۔ راز فاش ہوجانے کے باعث بغاوت کی کاروائی معطل ہوگئی اور انگریزوں نے بھی مصلحتاً ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا جبکہ کے آر ملکانی اپنی کتاب "سندھ کی کہانی" میں لکھتے ہیں کہ انہیں گرفتار کرنے کے بعد کراچی کے رام باغ میں توپ سے اڑایا گیا۔

برطانوی سرکار کو ستمبر 1857ء میں بغاوت کچلنے کے بعد بھی مزید بغاوتوں کا خدشہ لاحق تھا چنانچہ برطانیہ سے مزید افواج بلا کر سندھ میں تعینات کی گئی جس کے اعداد و شمار کچھ اس طرح ہیں:

نومبر 1857ء میں کراچی میں 80 افسران اور 1928 سپاہی تعینات کئے گئے۔

دسمبر میں مزید 31 افسر اور 720 سپاہی تعینات گئے گئے، جبکہ جنوری 1858ء میں مزید 83 افسران اور 2184 سپاہی آئے جبکہ اس کے بعد کے تین ماہ میں تعینات کئے جانے والے افسران کی تعداد 194 اور سپاہیوں کی تعداد 4832 تھی۔

برطانوی انتظامیہ کے پاس تجربہ کار اہلکار تھے جنہوں نے ابتدا سے آخر تک حالات کو اپنے کنٹرول میں رکھا جبکہ بغاوت کرنے والے سپاہی قیادت سے محروم تھے اور وہ اپنے منصوبوں کو مخفی نہیں رکھ

سکے۔ ہتھیاروں کی عدم دستیابی بھی ان کی ناکامی کا اہم سبب تھی۔

برطانوی اہلکاروں کے پاس دولت کی فراوانی تھی جبکہ سندھ کے خوشحال طبقات نے سپاہیوں کی کوئی مدد نہیں کی۔

خیر پور میں تالپور گھرانے کے سربراہ میر شاہنواز خان نے شکارپور میں بغاوت کچلنے کیلئے انگریزوں کی عملی مدد کی۔

کے آر ملکانی اپنی مشہور کتاب ''سندھ کی کہانی'' میں لکھتے ہیں کہ میر پور خاص کے میر شیر محمد خان تالپور نے انگریزوں کا اچھا مقابلہ کیا تاہم اسے گرفتار کر کے کراچی کے رام باغ (تقسیم کے بعد آرام باغ) میں توپ دم کیا گیا جبکہ دریا خان جکھرانی کو چارلس نیپئر کی جانب سے جاگیر دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش ناکام ہونے پر جلاوطن کر کے عدن (یمن؟) بھیجا گیا۔

واضح رہے کہ سندھ میں انگریزوں کے ابتدائی ایام کے دوران ناؤمل کی انگریز وفاداری کے کردار کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر زیرِ نظر کتاب میں علیحدہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

میجر گولڈ اسمتھ 1858 میں سندھ کی جاگیروں کی تفصیل کے لئے تیار کردہ اپنی رپورٹ میں بتاتا ہے کہ 1857 کی جنگِ آزادی کے دوران سندھ کے جاگیرداروں کے تعاون، فرمانبرداری اور سرداری کے دعوے دار افراد میں سے فقط ایک شخص امام بخش جتوئی ہی تھے جنہوں نے برطانوی حکومت سے ناراضگی کا اظہار کیا اور ان کی موروثی جاگیر کو بحال کرنے کی دعویٰ کو کچھ اسباب کی بنا پر رد کیا گیا اور انہیں حکومتی حکم کے تحت جاگیر سے محروم کیا گیا۔

لبِ تاریخ سندھ کے مصنف خداداد خان اپنی کتاب میں جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کا ساتھ دینے والے افراد کی نشاندہی کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شکارپور سے تعلق رکھنے والے جتوئی قبیلے کے سردار امام بخش جتوئی اور خان بہادر الف خان کو انگریزوں سے بدخواہی کرنے کی بنا پر جاگیر سے محروم کیا گیا۔

شاہ پور

یہ شہر، جیکب آباد سے چالیس میل کے فاصلے پر قلات ریاست کی سرحد پر واقع تھا۔ یہاں سید خاندان کے ایک فرد عنایت شاہ جنگِ آزادی کی قیادت کر رہے تھے۔ شاہپور کے سیدوں کا قلات، بھاگ ناڑی اور شمالی سندھ میں انتہائی اثر ورسوخ تھا، جبکہ ابڑو، سومرو، سرکی، چاچڑ، ببر اور جت برادریوں سے ان کا عقیدتمندی کا تعلق تھا۔ لاشاری اور بگٹی قبائل کے افراد بڑی تعداد میں سید عنایت شاہ کے جدِ امجد سید حسن شاہ

کے مرید تھے۔ نامور مصنف برکت علی آزاد لکھتے ہیں کہ "جیکب آباد کے مجاہدین کو وقت بوقت شاہپور کے سیدوں سے یہ ہدایت ملتی رہتی تھیں کہ کسی بھی قیمت پر دین کے دشمن فرنگیوں کو اس سرزمین پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔"

یہاں یہ امر باعثِ دلچسپی ہوگا کہ جیکب آباد اور قرب و جوار میں جنگِ آزادی کے دنوں میں انگریزوں کے لیے دردِ سر بننے والے دونوں بلوچ سردار دریا خان جکھرانی اور میر دلمراد خان کھوسو فکری اور روحانی طور پر سید عنایت شاہ ہی کے مرید تھے۔ جنگِ آزادی کے دوران انگریز فوج نے اپنے دیسی سپاہیوں کی ایک بڑی کمک کے ساتھ شاہپور کی درگاہ اور گاؤں کا محاصرہ کیا۔ سید عنایت شاہ نے اپنے ساتھیوں سمیت بے جگری سے مقابلہ کیا اور کئی ساتھیوں کی شہادت کے بعد گرفتار ہوگئے۔ انہیں ایک درخت کے ساتھ باندھ کر توپ داغی گئی لیکن کسی وجہ سے توپ نہیں چلی۔ بعد ازاں انہیں رہا کردیا گیا۔

رہائی کے بعد بھی وہ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف رہے اور لوگوں کو بغاوت پر اکساتے ہوئے 1878ء میں سوئی بلوچستان کے قریب ایک گاؤں میں انتقال کر گئے۔

اسی جنگِ آزادی میں سندھ سے تعلق رکھنے والے ایک ہندو گنگا رام کا کردار بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انگریز مصنف ایلفنٹن لکھتا ہے کہ گنگا رام دہلی کا باشندہ تھا اور اسکے عزیز و اقارب تجارت کی غرض سے روہڑی میں رہائش پذیر تھے۔ اُسے دہلی سے بغاوت کی مکمل معلومات موصول ہوتی جو وہ مقامی آبادی میں پھیلاتا۔ ایلفنٹن کے بقول وہ انگریزوں کیلیئے زیادہ مصائب کا ذمہ دار تھا۔ ریاست قلات کے ایک امیر آزاد خان کے مطابق گنگا رام نے مقامی آبادی میں انگریزوں کے خلاف نفرت کو اپنے عروج پر پہنچا دیا تھا اور اس ضمن میں وہ دلمراد خان اور دریا خان کے ساتھ بھی رابطے میں تھا۔

حیدرآباد سندھ کے مجسٹریٹ کا کمشنر سندھ کے نام خط

نمبر 1185-1857ء

محکمۂ فوج

منجانب مجسٹریٹ حیدرآباد

بنام کمشنر سندھ

جناب عالی!

میں نہایت ادب سے سرکاری طور پر اور نہایت تفصیل سے آپ کی خدمت میں وہ واقعات پیش کرتا ہوں جو اس مقام پر رونما ہوئے اور جن کے متعلق میں نے نیم سرکاری طور پر آپ کو مختصراً اطلاع کر دی تھی۔

کئی دنوں سے مجھے یہ افواہیں سننے میں آ رہی تھیں کہ فسادی شورش برپا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لیکن اصل صورتحال معلوم نہیں ہو سکی تھی اور میں انہیں بازاری افواہیں سمجھتا رہا۔ تاہم مجھ پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ لوگوں میں بڑی حد تک بے اطمینانی اور بدامنی کا جذبہ کارفرما ہے، جس کا تدارک کرنا مناسب ہوگا۔ میں نے برگیڈیئر کو یہ بات باور کرانے کا تہیہ کیا ہوا تھا کہ توپوں کو قلعہ میں منتقل کرنا ضروری ہے تاکہ فساد کی صورت میں وہ محفوظ رہیں۔

9 ستمبر کی صبح توپ داغنے کے وقت برگیڈیئر میرے پاس آیا اور بتایا کہ گذشتہ شب توپ خانے کی پانچویں کمپنی اور چوتھی بٹالین سے تعلق رکھنے والے لیفٹننٹ بیٹس کومبر نے بتایا کہ اس کے صوبیدار میجر نے جو کہ ایک غیر مقامی فرد ہے، اطلاع دی کہ کچھ لوگ خفیہ میٹنگز کر کے بغاوت کا منصوبہ بنا رہے ہیں اور اگر یہ بات درست ہے تو لیفٹننٹ بیٹس کومبر کو اس کا مشورہ ہے کہ وہ لائین (چھاؤنی؟) کے قریب نہ جائے ورنہ وہ اس کی جان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ یہ سُن کر میں نے برگیڈیئر سے درخواست کی کہ وہ لیفٹننٹ بیٹس کومبر اور صوبیدار میجر سے تفصیلی معلومات حاصل کرے۔ اس دوران میں نے لیفٹننٹ نانگلور سے مشورہ کیا کہ ضرورت پڑنے پر باغیوں سے ہتھیار واپس لینے میں پولیس کا کردار کیا ہوگا۔ اس دوران آدمیوں کی ایک بڑی جمعیت فراہم کرنے کے انتظامات شروع کر دیئے گئے خاص طور پر سواروں کی ہمت میں اضافہ کرنے اور بوقت

ضرورت ان کو تیار کرنے پر زور دیا گیا۔ چونکہ توپوں کا قلعہ میں جمع ہونا ضروری تھا۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ دیسی محافظ دستے کو جو کہ 13 این آئی کی طرف سے متعین تھا چھٹی دے دی جائے اور قلعہ کو مکمل طور پر یورپی سپاہیوں کے حوالے کیا جائے۔ چنانچہ دن دو بجے یورپی بیرکوں میں مقیم دستہ قلعہ کی طرف چل پڑا اور دیسی محافظ دستے سے انتظامات اپنے ہاتھ میں لئے۔

ہمارا ارادہ یہ نہیں تھا کہ مشتبہ افراد پر عمومی نظر رکھنے کے علاوہ ان کے خلاف کوئی اور کاروائی کریں یا صوبیدار میجر کے خدشے کی تصدیق ہونے تک ان سے ہتھیار واپس لینے کی انتہائی کاروائی کریں لیکن تین بجے سہ پہر بریگیڈیئر نے مجھے لیفٹننٹ بیٹس کو مبرّا ایک خط لاکر دیا جس میں اس منصوبے کی تفصیلات درج تھیں جو بغاوت کرنے والوں نے بنایا تھا۔ اس میں توپیں چھیننا، تمام یورپی لوگوں کو قتل کرنا اور قلعہ پر قبضہ شامل تھا۔ یہ پڑھ کر میں نے سوچا کہ اب مزید غور و خوص کرنے یا مزید تحقیقات کی گنجائش نہیں چنانچہ میں نے بریگیڈیئر کو مشورہ دیا کہ دن کی باقی ماندہ روشنی کا فائدہ اٹھانا ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور ہم تیاری نہ کرسکیں۔ ہمیں فوراً توپوں پر قبضہ کرنے کے انتظامات کرنے چاہئیں۔ پولیس کو اس کے اختیار میں دیا گیا۔ مجھے لیفٹننٹ ناگلور کی حکمت عملی اور دلیری کے علاوہ اس کے دیسی افسران اور عملے کی وفاداری پر پورا بھروسہ تھا۔

بریگیڈیئر نے میری بات سے اتفاق کیا اور طے ہوا کہ لیفٹننٹ ناگلور کو اپنے سواروں کے ساتھ توپوں پر زبردستی قبضہ کرنا ہے۔ دیہاتی اور شہری پولیس کے ایک مضبوط دستے اور 13 ویں این آئی کے چیدہ چیدہ سپاہیوں کی مدد حاصل کرکے اور قلعہ کی حفاظت کا کام نان کمیشنڈ افسران کے حوالے کرکے یہ دستہ اسی وقت روانہ ہوگیا۔

سوا چار بجے کے قریب لیفٹننٹ ناگلور اپنے نائب لیفٹننٹ گلیسی، اور تقریباً 180 سواروں کی معیت میں گھوڑے دوڑاتے ہوئے آیا اور توپوں پر قابض ہوگیا۔ آرٹلری کے سپاہیوں کو پہلے ہی حکم دیا جاچکا تھا کہ وہ ہتھیاروں کے بغیر اپنی لائین کے بائیں جانب پیچھے کی طرف جمع ہوجائیں' اس کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ اس اقدام کی مخالفت کی جاتی ہے یا نہیں۔ دیہاتی پولیس کا ایک جتھہ اور چند سوار ان سپاہیوں کے پیچھے کھڑے کیئے گئے تاکہ کسی مزاحمت کی صورت میں انہیں روکا جاسکے۔ ان کی صف بندی مکمل ہونے کے بعد بریگیڈیئر نے اپنے خطاب میں انہیں ہتھیار لیے جانے کی وجوہات بتائیں۔

اس دوران کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی اور شام تقریباً 6 بجے تک تمام توپیں بحفاظت قلعہ میں

داخل کی گئیں۔ رات کو ہر طرح سے سکون رہا۔

ان حالات کی تحقیق کیلئے کل ایک تحقیقاتی عدالت قائم کی گئی جس کا اجلاس تا حال جاری ہے۔ برگیڈیئر کا کہنا ہے کہ اگرچہ ابھی تک کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی ہے جس کی بنا پر امداد پہنچنے سے پہلے گرفتاریوں کا کوئی جواز پیدا کیا جاسکے، تاہم اسے اس بات پر یقین کرنے کیلئے کافی شواہد مل چکے ہیں کہ صوبیدار میجر کے خدشات غلط نہیں تھے۔ اور اگر کوئی سازش تکمیل کے مراحل میں داخل نہیں ہوئی تھی تو کم از کم اس کی تیاری ضرور ہو رہی تھی جسے قبل از وقت کچل دیا گیا۔

جہاں تک لوگوں کی خیر خواہی کا تعلق ہے تو مجھے ہمیشہ ان پر انتہائی اعتماد رہا ہے۔ 9 تاریخ کے واقعات کے بعد سے تو اس کا اظہار نہایت واضح طور پر ہوا ہے۔ متعدد لوگ میرے پاس آ کر اپنے اطمینان اور تحفظ پر اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض نے تو بوقت ضرورت اپنی خدمات بھی پیش کی ہیں۔

قلعہ اس حالت میں ہے کہ اپنی مدافعت کر سکے۔ اسے لیفٹننٹ میری مین کی زیرِ نگرانی رکھا گیا ہے۔ سامانِ رسد جمع کر دیا گیا ہے اور کسی بھی حملے کو روکنے کیلئے ہر طرح کی احتیاط برتی گئی ہے۔ اس مراسلے کے آخر میں ایک یادداشت بھی شامل کرتا ہوں جو میری مین نے ترتیب دی ہے۔ اس کے ساتھ وہ خاکے بھی ہیں جو قلعہ کی صورتحال بتاتے ہیں، جن سے پتہ لگتا ہے کہ کسی حملے کو روکنے کیلئے اس میں کتنی صلاحیت ہے۔

آخر میں لیفٹننٹ میجر کی ایک یادداشت بھی شامل کرتا ہوں، جس میں پولیس کا وہ کردار بیان کیا گیا ہے، جو اس نے سپاہیوں سے ہتھیار لیتے ہوئے ادا کیا۔

ان دو افسران سے مجھے سب سے زیادہ مدد ملی، انہوں نے جو عاجلانہ اور شدید اقدامات کیے ان کی بنا پر ہم اپنی حربی تدابیر کو کامیابی کی منزل تک پہنچا سکے۔ اس موقع پر پولیس کے شاندار رویے کو بھی خاص طور پر آپ کے گوش گذار کرتا ہوں۔

مجسٹریٹ آفس، حیدر آباد

13 ستمبر 1857

دستخط

سی پی ڈاؤن۔ مجسٹریٹ

مکتوب انجینئر حیدرآباد (سندھ)

لیفٹننٹ میری مین انجینئر کے ایک نیم سرکاری خط کا اقتباس

مورخہ 10 ستمبر 1857

منگل کی شب صوبیدار میجر توپ خانہ نے افسر کمان دار توپ خانہ کو مطلع کیا کہ بندوقچیوں نے انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔ اس پر اگلی صبح غور کیا گیا۔

میں نے برگیڈیئر سے کہا کہ یہ انتہائی ضروری ہے کہ یورپی سپاہیوں کو فوری طور پر بیرکوں سے قلعہ منتقل کیا جائے اور یہ کہ داخلی انتظامات کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیسی سپاہیوں کو وہاں سے نکالا جائے۔ یہ بات مان لی گئی اور اسی کے مطابق احکامات جاری کئے گئے۔ دن کے دو بجے کے قریب ٹھیک اس وقت جب یہ کام کیا جا رہا تھا، صوبیدار میجر نے افسر کمانڈر کو مجوزہ حملے کے پروگرام کے مطابق توپ خانہ فراہم کیا۔ پروگرام یہ تھا:

۱۔ بندوقوں پر قبضہ کرنا

۲۔ یورپین کو قتل کرنا

۳۔ بندوقوں کے بل پر خزانے کو لوٹنا

۴۔ قلعہ پر حملہ کرنا

۵۔ بنگلوں کو لوٹنا اور نذر آتش کرنا وغیرہ۔

برگیڈیئر ڈاؤن اور میں نے مشورہ کے بعد طے کیا کہ توپ خانے کے سپاہیوں کو غیر مسلح کر کے اور ان کی بندوقیں قلعہ میں پہنچا کر اس ہنگامے کو کچل دیا جائے۔ جب دیسی محافظ سپاہی قلعے سے نکلے تو میں نے اپنی آرڈیننس کے حوالداروں اور منشیوں کی مدد سے اس کی حفاظت کرنے کا انتظام کر لیا اور اس کو مسٹر ہیتھیلسن کی تحویل میں دیا۔ اس میں 25 یورپین کی نگرانی ہوتی ہے۔ نیلر مع 30 سوار، کچھ دیہاتی اور شہری پولیس اور 13 ویں رجمنٹ کے 100 آدمی جنہیں وفادار سمجھا جا رہا ہے، یہ ہماری کل فوج ہے۔ بندوقچیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ہتھیار کے بغیر میدان میں جمع ہوں۔ سوار تیزی سے آگے بڑھے اور بندوقوں پر قبضہ کر لیا۔ سائیسوں کو حکم دیا گیا کہ وہ گھوڑوں پر زینیں کس لیں اور ہم لوگ انتہائی تنظیم کے ساتھ توپیں لے کر قلعے میں داخل ہو گئے۔

اب ہم ہر صورت میں مقابلہ کر سکتے ہیں اور دشمن کو اس کی توقع سے زیادہ زک دے سکتے ہیں۔

یورپی لوگ یہاں قلعے کے اندر بالکل آرام سے ہیں جہاں انہیں ابتدا سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ میں نے جو عمل تجویز کیا ہے اس کے متعلق آپ کو ایک دو روز میں تفصیل سے آگاہ کردوں گا۔ ساتھ ہی قلعہ کی دیوار کا ایک خاکہ بھی بھیجوں گا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ بالکل درست خاکہ بنا سکوں۔ آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ میں تنہا نگران کار ہوں۔ میں نے مسٹر میتھیسن کو بتا دیا ہے کہ کسی تاخیر کے بغیر انہیں کہاں کہاں توپیں نصب کرنی ہیں۔ وہ جتنا کر سکتے ہیں وہ کر رہے ہیں۔ میں نے پھاٹکوں کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور ان کو مستحکم بھی کرلیا ہے۔ پانی پچھلے دروازے سے ہو کر بیرونی تالابوں سے لینا پڑتا ہے۔ دروازے کی حفاظت کیلئے ایک توپ کا انتظام کیا گیا ہے جو پوری طرح تیار ہے۔ آپ کو یاداشت میں قلعے کے اندر کنوؤں وغیرہ سے متعلق بھی معلومات ملے گی۔ میں نے قلعہ کے اندر ایک قدیم مکان ٹھیک کرادیا ہے تاکہ اس میں وہ سامان رکھا جاسکے جس کی قلعہ میں مقیم یورپیوں کو ضرورت پڑے گی۔ جس قدر ممکن ہوگا میں مطلوبہ سامان کمشنری کے گوداموں سے حاصل کرلوں گا۔ یورپی باشندوں کو آرڈیننس کے منتظمین کی ایک اقامت گاہ میں ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ پھاٹک کے قریب ایک عمارت ہے جس کی آرڈیننس کے محکمے کو ضرورت نہیں ہے۔ اس کی جائے وقوع بھی خاکے میں دکھاؤں گا۔

دستخط

آئی گبس

اسسٹنٹ کمشنر

مکتوبِ خفیہ (اقتباس)

نمبر 223 ڈی/1857ء

محکمۂ راز

مورخہ 14 ستمبر 1857ء

حضور والا!

نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ گذشتہ شب سوا گیارہ بجے 21 ویں رجمنٹ این آئی کے دو افسران صوبیدار رام نبی اور جمعدار لکشمن گداری نے میجر میگ گریگر رجمنٹ کمانڈر کو مطلع کیا کہ ایک حوالدار رام دین پانڈے ان کے پاس آیا تھا اور یہ دریافت کرنے کے بعد کہ "کب تک اس بات کے منتظر رہو گے کہ یہ گورے ہمیں توپوں سے اڑا دیں جیسا کہ ہندوستان میں ہو چکا ہے۔" اس نے انہیں مطلع کیا کہ آج رات دو بجے پوری رجمنٹ بغاوت کردے گی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ 14 ویں این آئی کو بغاوت پر آمادہ کرنے کیلئے ایک شخص کو بھیجا گیا ہے جبکہ دوسرے شخص کو شہر روانہ کیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں سے تعاون حاصل ہو سکے۔ انہیں دونوں جگہوں سے امداد ملنے کی توقع ہے۔ وہ کسی بھی دیسی افسر کو جو اُن کی مخالفت کرے گا، قتل کردیں گے اور ہتھیار اور خزانہ لے کر دہلی روانہ ہوں گے۔ اس اطلاع کی تصدیق بعد ازاں ایک حوالدار سورج بالی تیواڑی سے بھی ہوئی۔ یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ مقررہ وقت پر رجمنٹ میں شدید ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میجر میگ گریگر کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ جس سے وہ یہ معلومات حاصل کرسکیں کہ کتنے افراد سے وفادار رہنے کی توقع رکھی جاسکتی ہے اور یہ دیکھ کر کہ ہنگامی صورتحال اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تحقیقات میں وقت صرف کیا جائے، اس نے فوراً بریگیڈیئر کو مطلع کردیا۔ اس نے توپ خانے اور 20 یورپی باشندوں کو بھی مطلع کیا۔ سب سے پہلے خزانے پر یورپی سپاہیوں کا پہرا لگادیا گیا، پھر 21 ویں رجمنٹ کو جمع کرکے غیر مسلح کیا گیا۔ یہ کام اتنی پھرتی سے کیا گیا کہ بہت سارے لوگ جو میری طرح ابھی پریڈ گراؤنڈ پہنچے بھی نہیں تھے سے قبل ہی ہتھیار لینے کا کام مکمل ہوگیا۔

جب حاضری لی گئی اور ہتھیاروں کی جانچ پڑتال کی گئی تو 21 آدمی غائب تھے اور 13 توڑے دار بندوقیں بھری ہوئی ملیں جبکہ ایک شخص کی تھیلی میں سے کچھ بارود بھی برآمد ہوا۔

مکتوبِ خفیہ (اقتباس)

سندھ ریکارڈ سیاسی رفوجی (بنگالہ کی بغاوت)

فائل نمبر 1، جلد 4

مراسلہ نمبر 361 (محکمہ راز)

مورخہ یکم اکتوبر 1857ء

جنابِ عالی!

لیفٹننٹ کیمپل کمانڈر 9 ویں انڈین رائل کیولری نے 21 ستمبر کو مواچ سے تحریر کیا ہے کہ میری رجمنٹ کے تقریباً 20 سواروں نے آج صبح میرے اجیٹن اور میجر پر بندوقوں سے فائر کئے اور کوہ نمک اور شاہ پور کی جانب فرار ہوگئے۔ لیفٹننٹ کیمپل نے ان کے تعاقب میں سپاہی روانہ کئے اور باغیوں میں سے دو کو ہلاک کر دیا گیا جبکہ باقی بھی امید ہے کہ بچ نہیں سکیں گے۔

بہرحال یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ سردار دریا خان نے 21 تاریخ کو جیکب آباد میں اپنی گرفتاری سے کچھ دیر پہلے اپنے ساتھیوں کو یقین دلایا تھا کہ لاہور اور ملتان کے قرب و جوار میں زبردست بغاوت رونما ہو چکی ہے۔

مکتوبِ خفیہ (اقتباس)

فائل نمبر 4

بخدمت جناب کپتان صاحب پولیس۔ سندھ کراچی

سرکاری روداد۔ 22 جولائی

جنابِ عالی!

شیر خان جمعدار، تھانیدار روہاورا کی رپورٹ ہے کہ مٹھا کھوسہ کا سرحد پر بحیثیت جاسوس دوبارہ تقرر کیا گیا ہے۔ روہاورا کے وکیل سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ 14 مئی کو سوار نے واپس آ کر رپورٹ پیش کی کہ حاجی داد محمد خان وکیل شاہِ دہلی کا، گیارہ افراد کے ہمراہ خان بہاولپور کے ہاں پہنچا جہاں اس نے خفیہ گفتگو کی۔ وکیل کا تین دن تک وہاں قیام رہا اور چوتھے دن خان نے اسے خلعت دے کر رخصت کیا۔

انگریز اہلکاروں کی جانب سے 7 فروری 1839ء کو سقوط کراچی کیلئے پیش کیا گیا معاہدہ

1۔ کراچی کے قلعہ اور شہر کا مکمل قبضہ آج سے گورنر نے برطانوی اہلکاروں کے سپرد کر دیا ہے۔

2۔ برطانوی بری افواج کو آج سے یا جس مناسب دن بریگیڈیئر ویلینٹ چاہیں گے، شہر کے قریب کیمپ قائم کرنے کی اجازت ہوگی۔ مقامی حکومت ضرورت کے تحت کشتیوں اور اونٹوں کو رائج کرایہ پر فراہم کرے گی، جبکہ کیمپ میں تعینات برطانوی فوجیوں کے لیے مطلوبہ اشیائے صرف بھی مقامی حکومت مقامی نرخوں کے مطابق فراہم کرے گی۔

مندرجہ بالا شرائط پر عمل درآمد کی صورت میں برطانوی افسران ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے کراچی کے قلعہ اور شہر کے مکینوں کی زندگیوں اور املاک کو محفوظ گردانتے ہیں اور انہیں حسب سابق اپنا کام کاج کرنے کی آزادی ہوگی، ان کی تجارتی کشتیوں کو حسب معمول بندرگاہ میں داخل ہونے اور تجارت کرنے کی اجازت ہوگی۔

دستخط

فریڈرک لیوس منگلینڈ اور دیگر

سیٹھ ناؤمل ھوت چند

یکم جنوری 1867 کو کراچی میں حال ہی میں تعمیر شدہ فریئر ہال میں ایک خصوصی عظیم الشان دربار کا انعقاد کیا گیا۔ اس دربار کی صدارت بمبئی کے گورنر سر ایچ بی ای فریئر کے سی ایس آئی، کے سی بی نے کی۔ شہر کے تمام معززین اور اہم حکومتی اہلکار اس تقریب میں مدعو تھے۔ یہ منظر قابل دید تھا۔ اختیارات و امارت کا یہ مظاہرہ ایک ادھیڑ عمر کے شخص سیٹھ ناؤمل ہوت چند کو اعزاز سے نوازنے کیلئے کیا گیا تھا جو کہ تاج برطانیہ کے لیے انکی خدمات کا اعتراف تھا۔

سیٹھ ناؤمل کی شخصیت اور کردار کو تفصیل سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آیئے اس ضمن میں بنیادی طور پر انکی یادداشت کو بنیادی ماخذ بنا کر جائزہ لیتے ہیں۔

سیٹھ ناؤمل کا انگریزوں سے تعلق 1837 میں شروع ہوا جب انہوں نے سندھ کے ساحلی علاقے کے سروے کے لیے ذمہ دار برطانوی بحری فوج کے کیپٹن کارلس کو اشیائے خوردونوش اور اہم معلومات فراہم کی۔ اس دن سے سیٹھ ناؤمل سندھ میں اہم ترین برطانوی ایجنٹ کی حیثیت کے حامل تھے۔ وہ یہ کام کھلے عام کرتے رہے جسکا تالپور حکمرانوں کے ساتھ سندھ کے عام و خواص کو بھی علم تھا۔ تالپور حکمران ایک طویل عرصے تک انکی اس کارستانی کو برطانوی حیثیت سے مرغوب ہونے کی وجہ سے برداشت کرتے رہے۔ تالپور حکمران اور انکے کارندے بس اتنا ہی کر سکے کہ وقتاً فوقتاً انہیں ہراساں کرنے یا برطانوی فوجوں کیلئے ناؤمل کی جانب سے فراہم کی جانے والی اشیائے خوردونوش کی کھیپ کی ترسیل میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔

انگریزوں کیلئے سیٹھ ناؤمل کی خدمات پہلی افغان جنگ سے قبل خصوصی اہمیت کی حامل تھیں جب وسطی ایشیا میں روسی صورتحال سے متعلق انگریز تشویش کا شکار تھے اور خطے میں عالمی طاقتوں کا 'شیطانی کھیل' شروع ہوا چاہتا تھا۔

انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی تک انگریز ہندستان میں ایک 'اہم قوت' بن چکے تھے۔ پنجاب اور سندھ ہی واحد اہم ریاستیں تھیں جو برطانوی قبضہ سے آزاد تھیں۔ رنجیت سنگھ نے پنجاب میں طاقتور سکھ سلطنت قائم کر رکھی تھی اور انگریز اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کیلئے بےچین تھے۔ سندھ کے تالپور حکمران اگرچہ فوجی لحاظ سے کم طاقتور تھے تاہم وہ ہندستان میں برطانوی معاملات میں براہ راست دخل

اندازی سے بچتے ہوئے اور سفارتکاری کے ذریعے اپنی آزادی اور غیر جانبداری کو برقرار رکھنے کیلئے پرامید تھے۔

اٹھارویں صدی کے ابتدائی سالوں کے دوران سندھ میں برطانوی ایجنٹ ناتھن کرو سندھ پر برطانوی تسلط کی صورت میں فوائد کا ذکر کچھ یوں کرتا ہے:

'افغانستان پر حملے کی صورت میں سندھی ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ اس سے کابل میں قابل قبول تبدیلی کے لیے برطانیہ کو بے مثال مدد حاصل ہوگی۔ یہ افغانستان کی جاسوسی کیلئے انتہائی شاندار مقام ثابت ہو سکتا ہے۔''

کرو کے اس موقف سے سندھ میں برطانوی سامراج کے مفادات کا عندیہ ملتا ہے۔ کرو کے مشن کے ایام میں، نپولین کے زیر قیادت فرانس کے توسیعی عزائم کو ہندستان میں برطانوی مفادات کیلئے شدید خطرہ سمجھا گیا تھا بالخصوص 1807ء میں روس اور فرانس کے درمیان ہونے والے معاہدہ تلسٹ نے لندن میں برطانوی پالیسی سازوں کی نیندیں اڑادی تھیں۔ پرشیا اور افغانستان خطرناک خطے تھے جن کے ذریعے برطانیہ کے فرانس اور روس جیسے حریف اپنی چالیں چل سکتے تھے اور ان خطرناک خطوں کی ایک طرح سے چابی سندھ تھی۔

1815ء میں واٹرلو میں نپولین کی شکست کے بعد اور وسطی ایشیا میں روس کی توسیعی اور بالادستی کی پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے برطانیہ کو ہندستان کی شمال مغربی سرحد کی سلامتی سے متعلق خدشات لاحق ہوئے۔ 1818ء میں درانی اقتدار کے خاتمے نے خطے میں ایک خلا پیدا کر دیا تھا اور سکھوں نے لاہور کو اپنا دارالحکومت بنا کر پشاور تک اپنی سرحدوں کو توسیع دے دی تھی۔ سندھ، پنجاب اور افغانستان سے متعلق برطانوی پالیسی اور دفاع کا ایک ناگزیر حصہ تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بورڈ آف کنٹرول کے چیئرمین لارڈ ایلن برو اس صورتحال کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''ڈائریکٹرز روسیوں سے خوفزدہ ہیں، اور میں بھی۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ ہم روسیوں سے دریائے سندھ پر نبرآزما ہوں گے۔''

انگریزوں کے ان خدشات کی تصدیق 1829ء میں شائع ہونے والی کرنل ڈی لیسی ایوانس کی کتاب "On the Designs of Russians" سے ہوتی ہے۔ افغانستان کے ذریعے ہندستان پر کامیاب حملے کے روسی امکانات سے متعلق یہ کتاب ڈیوک آف ویلنگٹن اور لارڈ ایلن برو سمیت اہم

برطانوی پالیسی سازوں پر انتہائی اثر انداز ہوئی۔ ویلنگٹن اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر روسی کھیوہ پر قابض ہو جاتے ہیں تو انگریزوں کو لاہور اور اگر ضروری ہو تو کابل تک کو اپنے زیر تسلط لیتے ہوتے دریائے سندھ پر مکمل کنٹرول حاصل کر لینا چاہیئے۔

اسی ذہنی سوچ کے پیش نظر 1830 میں الیگزنڈر برنس کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی خدمت میں گھوڑوں کا تحفہ پیش کرنے کیلئے دریائے سندھ کے ذریعے پنجاب بھیجا گیا۔ ایک دانش مند سندھی سے یہ جملہ منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ "افسوس! اب سندھ ہاتھ سے گیا کہ انگریزوں نے دریا دیکھ لیا ہے۔" اگرچہ امیرانِ سندھ کے ساتھ انگریزوں کے ہونے والے معاہدے ظاہری طور پر تو دریائے سندھ کے ذریعے تجارت سے متعلق تھے تاہم انکا در پردہ مقصد حساس اور اہم سرحدی خطے پر کارآمد کنٹرول قائم کرنا تھا۔ الیگزنڈر برنس نے دریائے سندھ کا سروے کر کے اپنی رپورٹ مرتب کی۔ انہی دنوں میں اسکا بھائی ڈاکٹر جیمس برنس سندھ کے حکمرانوں میں سے ایک کا علاج معالجہ کرنے سندھ آیا اور سندھ کی خوشحالی اور تجارتی امکانات پر اپنی شہرہ آفاق رپورٹ تیار کی۔ سندھ میں انگریزوں کی اس آمد رفت میں افغانستان میں جاری بحران کی شدت کے ساتھ تیزی آئی اور 1838 میں سندھ اور درۂ بولان کے ذریعے انگریزوں کی افواج نے افغانستان کی جانب پیش قدمی کی۔ اب سندھ کے تالپور حکمرانوں کو اپنے مستقبل کے خدشات لاحق ہوئے۔ تاہم اس تاریخی دور میں برطانوی پیش قدمی کی راہ میں آنے کی وجہ سے کچھ کرنے سے قاصر تھے۔

''سیٹھ ناؤمل ہوت چند کی یاداشتیں'' انکے خوف، خدشات اور بے بسی کا نقشہ پیش کرتی ہیں۔ اگرچہ انہوں نے تمام ممکنہ ذرائع سے انگریزوں کی راہ کھوٹی کرنے کی کوشش کی تاہم وہ جانتے تھے کہ اگر انگریزوں نے یکسوئی کے ساتھ انکی مزاحمت کی تو وہ کاغذی شیر ثابت ہوں گے۔ انکی بے بسی کا ایک واضح ثبوت کراچی پر قبضے کے دوران انگریزوں کی جانب سے طاقت کے استعمال کے جواب میں گیدڑ بھبھکیوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ فروری 1839 میں پیش آنے والے اس واقعے میں ''جسکی لاٹھی اسکی بھینس'' کے اصول کا عملی مظاہرہ نظر آتا ہے، جس کے متعلق ڈاکٹر ہنٹن بیک تحریر کرتا ہے:

بریگیڈیر ٹی ویلیئٹ کے زیر کمان بمبئی ریزرو فورس کی منتقلی کے دوران ایڈمرل فریڈرک میٹلینڈ نے دعویٰ کیا کہ ان پر منوڑہ کے قلعہ سے حملہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے فوری طور پر جوابی حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد، پوٹینگر نے، جنہیں کسی بھی صورت تالپور حکمرانوں کا حمائتی نہیں سمجھا جا سکتا، اپنی تیار کردہ رپورٹ میں واضح طور پر لکھا کہ اس صورتحال کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا اور اس سے بچا جا سکتا ہے۔

انکا کہنا ہے کہ ایڈمرل کی جانب کیا گیا فائر دراصل خیر مقدمی تھا جسے انکے جہاز کی آمد پر داغا گیا تھا۔

جون 1838ء میں تختِ کابل کے خواہش مند شاہ شجاع، پنجاب کے رنجیت سنگھ اور انگریزوں کے درمیان امیر افغانستان دوست محمد کو برطرف کرنے کے لیے فوجی پیش قدمی کرنے کے لیے ایک معاہدہ ہوا۔ جس کے تحت سندھ اور درۂ بولان کے ذریعے فوج کابل جانی تھی۔ اس نازک صورتحال میں ناؤمل نے برطانوی سپاہ کی اشیائے صرف، اونٹوں، صلاح مشورے اور معلومات سے مدد کی۔ کرنل آؤٹرام اس مرحلے پر ناؤمل کی جانب سے کی گئی مدد کا یوں اعتراف کرتا ہے:

''حاکم کراچی میری آمد کا سن کر، میری آمد کے مقصد کا دریافت کرنے پہنچا تو میں نے اسے بتایا کہ میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ امیروں نے اپنے وعدے کے مطابق اونٹوں کے ریوڑ پہنچا دیے ہیں کہ نہیں، تو مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح کا کوئی حکم ملا ہی نہیں ہے تاہم ایک دوستانہ رویہ رکھنے والا بنیا ناؤمل، ذاتی طور پر اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے ہماری ضروریات پوری کرنے کیلئے روانہ ہوا۔''

ناؤمل انگریزوں کیلئے ایک ہزار اونٹ جمع کرنے میں کامیاب ہوا۔ وہ اس کے علاوہ بھی کئی امور میں انگریزوں کیلئے کارآمد ثابت ہوا۔ آؤٹرام بتاتا ہے:

'ناؤمل کے ذریعے موصول ہونے والی معلومات نے امیروں کی جانب سے مزاحمت کی تیاری سے متعلق اطلاعات کی تصدیق کی۔'' 1838ء کی افغان مہم کے دوران ناؤمل کو انگریزوں نے سندھ میں اپنا ''واحد دوست'' گردانا ہے۔

ناؤمل کے آباؤ اجداد کا تعلق ضلع جامشورو کے شہر بھان سعید آباد کے قریب کھیری نامی گاؤں سے تھا۔ ان دنوں کا یہ خوشحال گاؤں آج ضلعی نقشے میں بھی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ انکے آبا میں سے ایک دیوان تجن مل ایک اہم مقامی زمیندار تھے جو کہ روایتی تجارت کے علاوہ سود کا کام بھی کرتے تھے۔ انکے بیٹے نانک داس نے خاندانی کام کو آگے بڑھاتے ہوئے شاہ بندر، ٹھٹہ، سونمیانی، شکارپور اور چانڈکا میں اپنے تجارتی گماشتے مقرر کیے۔ کراچی کا ان دنوں وجود ہی نہیں تھا۔ نانک داس کی پہلی بیوی سے انکا بیٹا بھوجومل پیدا ہوا۔ وہ دس سال کا ہوا تو نانک داس کی بیوی کا انتقال ہوگیا جس پر اس نے دوسری شادی کی۔ اس شادی سے اسکے تین بیٹے کیول رام، ہیمراج اور بھاگ چند ہوئے۔

ان دنوں یہ علاقہ چنا اور پنہور قبائل کی زیر نگرانی تھا اور کھیری کا قصبہ ساماتانی پرگنہ کا مرکز تھا۔ 1725ء میں بھوجومل نے سولہ سال کی عمر میں اپنی سوتیلی ماں سے ناراضگی کی بنا پر گھر چھوڑ کر سیوھن کا رخ

کیا۔ بھوجومل کی علحدگی پر نانک داس کا کاروبار اسکے دوسرے بیٹے کیول رام کے پاس آیا۔

دوسری جانب 1723 میں نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کرنے کی نیت سے کابل سے کوچ کیا تو اسکے زیر تسلط خان قلات نصیر خان بھی بھاری لشکر کے ساتھ اسکے ہمراہ ہوگیا۔ دہلی کے بادشاہ محمد شاہ نے کسی خاص مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیے۔ دہلی میں مختصر قیام کے بعد نادر شاہ نے ہندوؤں کے ایک مقدس شہر متھرا کا رُخ کیا۔ جہاں قبضے، لوٹ مار کے بعد کئی برہمن مرد وزن کو اپنا غلام بنالیا۔ متھرا کی اس لوٹ مار میں نصیر خان کے سپاہیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بعدازاں نادر شاہ براستہ لاہور کابل واپس چلا گیا۔ متھرا کے برہمن مرد وزن کے غلام بنائے جانے کی خبر پورے ہندستان کی طرح کیول رام کی بیوی تخت بائی کے کانوں تک بھی پہنچی۔ جسکے شوہر کا تجارتی مرکز شکارپور تھا، جو کہ نصیر خان کے وطن واپسی کی شاہراہ کا ایک اہم پڑاؤ تھا۔ اپنی بیوی کی خواہش پر کیول رام نے اپنے تمام گماشتوں کو تحریری حکم دیا کہ ان غلام برہمنوں کو رقومات کی ادائیگی کے بعد نصیر خان سے نجات دلائی جائے۔ جنہیں بعدازاں سو روپے سے ڈھائی سو روپے فی کس کی بنیاد پر نصیر خان سے آزادی دلا کر اپنے آبائی علاقوں کو روانہ کیا گیا۔

موجودہ شہر کراچی کے بجائے دریائے حب کے دوسرے کنارے پر کھرک بندر کے نام سے ایک بحری بندرگاہ قائم تھی جہاں پر بھوجومل نے اپنے تجارتی پیر جمانا شروع کیے۔ بعدازاں اس نے سونمیانی، گوادر، بیلہ اور مسقط میں اپنے تجارتی گماشتے مقرر کیے۔ مسقط میں متعین گماشتے نے بئیری، شیراز اور بحرین میں شاخیں قائم کیں۔ اسی دوران سندھ کی دو اہم بندرگاہوں شاہ بندر اور لاھری بندر پر دو شاخیں قائم کرکے بھوجومل نے سورت، پوربندر اور مالابار تک اپنے کاروبار کو وسعت دی۔

کھرک بندر دریائے حب اور بحیرۂ عرب کے سنگم پر واقع تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ سمندر کا دھانہ ریت کی وجہ سے دھنس گیا تو اس بندرگاہ پر بحری جہازوں نے لنگر انداز ہونا بند کردیا۔ سیٹھ بھوجومل نے اس صورتحال پر دیگر تاجروں سے بات چیت کے بعد متبادل تلاش کرنا شروع کیا اور قرعۂ فال کراچی کریک کا نکلا، جو کہ اس وقت ماھیگیروں کی بیس پچیس جھگیوں پر مشتمل بستی تھی اور ڈربو کہلاتی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک بھنور تھا جو ''کراچی جو کن' کہلاتا تھا۔ (واضح رہے کہ بھنور کو سندھی میں کن کہتے ہیں)۔ 1729 میں کھرک بندر کی آبادی اس نئے مقام پر منتقل ہوئی۔ بھوجومل کی تجویز پر آسودومل نے بلیچی مراداں سے مشورہ کرکے اس نئے شہر کے گرد فصیل تعمیر کرانا شروع کی۔ اس تعمیر کے مزدوروں کو بحرین اور مسقط سے لائی گئی خشک اور تر کھجوروں کی شکل میں معاوضے کی ادائیگی کی گئی۔ بعد ازاں اس قلعے پر مسقط سے لائی گئی توپیں

ایستادہ کی گئیں۔ ان میں سے ایک توپ کا رخ سمندر کی اور 'کھارہ دروازہ' کی جانب جبکہ دوسری کا رخ میٹھے پانی کے کنویں کی جانب 'میٹھادر' کو تھا۔ اس لئے شہر کی آبادی مکمل طور پر فصیل کے اندر رہائش پذیر تھی جبکہ اس کے باہر تمر اور تھوہر کے جنگل تھے۔

کچھ عرصے کے بعد شاہ بندر کا دھانہ بھی دریائے سندھ کے ذریعے آنے والی ریت سے اٹ گیا تو وہاں کی آبادی نے بھی کراچی کا رخ کیا۔ یہی دور تھا جب کلہوڑہ برادری نے خاموشی کے ساتھ کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر کراچی کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

ٹھٹھ پر کلہوڑوں کا نامزد گورنر حاکم تھا۔ جس کا ایک ملازم بجار جوکھیو تھا۔ جبکہ لاہری بندر اور ساکرو کے علاقے ایک ہندو رانا ارجن کے کنٹرول میں تھے۔ کلہوڑہ حاکم نے ٹھٹھ کے گورنر کو بذریعہ خط حکم صادر کیا کہ لاھری بندر اور ساکرو پر قبضہ کیا جائے۔ گورنر نے اپنے ملازم بجار جوکھیو کو یہ ذمہ داری سونپی، جو کہ سیٹھ بھوجومل سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔

بجار جوکھیو سیٹھ بھوجومل سے قرضہ لیکر ملیر سے تعلق رکھنے والے جوکھیو قبیلے کے اسی افراد کے ہمراہ کلفٹن سے رانا ارجن کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا اور ''رتو'' نامی مقام پر ارجن کو ہلاک کر دیا۔ ٹھٹھ کے گورنر نے خوش ہو کر بجار جوکھیو کو اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر کے ''جام'' کے لقب سے نوازا۔

کلہوڑہ فوج سے ایک جھڑپ کے دوران خان آف قلات کا بھائی جرک خان ہلاک ہوا تو کلہوڑوں نے خون بہا کے طور پر کراچی کا انتظام خان قلات کے سپرد کر دیا۔ جلد ہی خان قلات کی سپاہ نے یہاں بسیرا کر لیا۔

1782-3 میں انتقال کرنے والے سیٹھ بھوجومل کے چار بیٹے دریا نومل، لال من داس، ٹھاکر داس، بلرام داس تھے۔ بھوجومل نے 1749 میں اپنا ایک گماشتہ گرومل بمبئی روانہ کیا جس نے کاروبار کو بنگال اور چین تک پھیلا دیا۔

1783-4 میں تالپوروں نے ہالانی کے مقام پر کلہوڑوں کے لشکر کو شکست دیکر سندھ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ دریا نومل اور بعدازاں سندھ کا حکمران بننے والا میر کرم علی، تالپور حکومت قائم ہونے سے قبل ہی آپس میں دوست تھے۔ کلہوڑوں نے سندھ پر دوبارہ قبضے کی غرض سے قندھار کے حکمران سے مدد مانگی، جس نے مدد علی کی کمان میں ایک لشکر سندھ روانہ کیا۔ تالپور حکمران اپنی تخت گاہ سے فرار ہو کر عمرکوٹ میں جا کر پناہ گزیں ہوئے۔ قندھاری لشکر کی پیش قدمی میں آنے والے سندھ کے پہلے اہم شہر سیوھن میں واقع سیٹھ

کیول رام کے گھر کی لوٹ مار کی گئی۔ اس لوٹ مار کے دوران جب ایک پٹھان سپاہی نے اپنی بھالے سے گھر کی چھت میں نصب لکڑی کو کریدہ تو اس میں سے سونے کی پندرہ سومہریں نکلیں۔ جسکے بعد حملہ آور لشکر نے تمام گھروں کے فرش تک کھود دیئے۔

1782-3 میں میر فتح علی تالپور نے پندرہ ہزار بلوچوں پر مشتمل ایک لشکر کراچی فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ میاں فقیرو اور پالیہ کی زیر کمان تالپوروں کے اس لشکر نے ڈھائی ماہ تک کراچی کے قلعے کا محاصرہ کر کے شہری آبادی کو محصور کر دیا۔ ڈھائی ماہ کے محاصرے کے بعد جب یہ تالپور لشکر واپس لوٹ گیا تو دوسرا تالپور لشکر پہنچ گیا۔ اس مرتبہ بھی سیٹھ ناؤمل کے اجدا میں سے سیٹھ بلرام داس نے حملہ آوروں کی مزاحمت کی۔ اس مرتبہ یہ محاصرہ تین ماہ جاری رہا۔

اگلے سال یعنی 1794-5 میں کراچی پر تیسری لشکر کشی ہوئی۔ تاہم اس مرتبہ لشکر کشی کے ساتھ میر کرم علی تالپور نے اپنے پرانے دوست سیٹھ دریانومل کو ایک خط بھی تحریر کیا:

''ہمیں یقین سے معلوم ہوا ہے کہ خان قلات کی کراچی میں کوئی چھاونی نہیں ہے۔ وہ جنگ کے قابل نہیں۔ ہمیں یہ جان کر افسوس ہوا کہ تم نے ہماری سپاہ کی مزاحمت کی ہے اور اپنی کشتیوں کیلئے مختص گولہ بارود ہمارے سپاہیوں کے خلاف استعمال کیا ہے، جنہیں تم نے دو مرتبہ شکست دی ہے۔ ہم پرانے دوست اور ملک کے ایک ہی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے تمہارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تم ہماری مخالفت کرو۔''

بعد ازاں سیٹھ دریانومل نے خان قلات کو دو یا تین ایلچی روانہ کیے اور اسے بتایا کہ تالپوروں نے کراچی پر قبضہ کے لیے دو مرتبہ اپنی فوجیں بھیجیں ہیں جنہیں وہ (دریانو) اپنے بل بوتے پر ناکام کر چکا ہے۔ اب تالپور فوج نے تیسری مرتبہ کراچی کا رخ کیا ہے اور مقامی آبادی اس مرتبہ اپنے طور پر کراچی کا دفاع کرنے سے قاصر ہے، اس لیے کراچی کے حاکم کے طور پر خان قلات کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی رعیت کا دفاع کرے اور اپنے سپاہی اس شہر کی حفاظت کیلئے روانہ کرے۔

خان قلات نے اس درخواست کے جواب میں تحریر کیا، ''میں جنگ کرنے کے قابل نہیں، نہ ہی اس ضمن میں اپنی فوج بھیج سکتا ہوں۔ اگر تم شہر کا دفاع کر سکتے ہو تو اچھی بات ہے ورنہ تم پر کوئی الزام نہیں آئے گا۔''

اس پر سیٹھ دریانو نے کرم علی کے نام ایک خط لکھ کر کچھ شرائط کے ساتھ کراچی کا انتظام تالپوروں

کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ ان شرائط میں سب سے اہم شرط جنگی اور غیر منظم پس منظر سے تعلق رکھنے والے بلوچ سپاہیوں کی شہر میں داخلے پر پابندی سے متعلق تھی۔ میر کرم علی کو یہ شرائط تسلیم کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا۔

اس سے قبل 4-1793 میں ملاں شفیع علی خان قلات کے خان کے نمائندے کے طور پر کراچی کا حاکم تھا تو اپنے اسلامی جوش میں اس نے ایک مندر پر حملہ کرایا اور اسکے قریب زبردستی ایک مسجد تعمیر کرائی۔ جس پر کراچی کے ہندو اور مسلمان آپس میں دست وگریباں بھی ہوئے۔ سیٹھ ناؤمل کے دادا سیٹھ لال من داس نے خان قلات سے اس واقعے پر شکایت کی تو اس نے ملاں شفیع کی جگہ حاجی سادو کو کراچی کا نواب مقرر کیا جو کہ تالپوروں کے تیسرے محاصرے کے وقت بھی مسند نشین تھا جب مشروط طور پر کراچی کا انتظام تالپوروں کے حوالے کرنے کی گفت وشنید چل رہی تھی۔

سیٹھ دریانومل نے حاجی سادو کو خان قلات کے جواب سے آگاہ کرتے ہوئے مستقبل کی حکمت عملی پر تبادلہ خیال کیا تو حاجی سادو نے بھی اپنے حاکم اعلیٰ کی طرح مزاحمت کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ اس طرح کراچی کی چابیاں تالپور فوج کے افسران کے حوالے کی گئیں۔ ان طرح اب کراچی تالپوروں کے زیر تسلط آ گیا جس کے بعد کرمتی بلوچ قبیلے کے ایک سو سپاہیوں کو کراچی کے میٹھادر اور کھارادر کے باہر تعینات کر کے تالپور لشکر حیدرآباد روانہ ہو گیا۔

تالپور کراچی کے سرنگوں ہونے پر خوش ہو گئے۔ میر فتح علی نے میر کرم علی کو مشورہ دیا کہ سیٹھ دریانومل کے تعاون کے اعتراف میں انکی جانب سے کی جانے والی تجارت پر محصولات میں چھوٹ دی جائے جس سے دریانومل نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ اس طرح خان قلات اور دیگر لوگ سمجھیں گے کہ انہوں نے اس رعایت کی وجہ سے کراچی کو تالپور لشکر کے حوالے کر دیا ہے۔ تاہم میر فتح علی نے سیٹھ کی تجارت اور باغات پر محصولات کا ایک تہائی حصہ معاف کر دیا علاوہ ازیں انہیں ذاتی استعمال کیلئے شراب کشید کرنے کی بھی اجازت دی گئی جو کہ کلہوڑو اور خان قلات کے ایام میں بھی حاصل تھی۔

5-1793 کے دوران دوارکا اور بیعت سے تعلق رکھنے والے واگھروں نے انگریز اور انکے حمایتی دیسی تاجروں کی تجارتی کشتیوں پر حملے شروع کر دیے۔ کراچی بندرگاہ بھی انکے حملوں سے محفوظ نہیں تھی جہاں ناؤمل خاندان کی ملکیت میں سب سے بڑا بحری بیڑہ استادہ تھا۔ اس خاندان نے جوکھیہ سپاہیوں کی مدد سے واگھر باغیوں کی مزاحمت شروع کی اور ایک جھڑپ کے دوران اس لشکر نے پور بندر کے قریب کئی ایک

واگھر باغیوں کو ہلاک کر کے، کچھ باغیوں اور تین کشتیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس جھڑپ کے بعد واگھر باغیوں کے سربراہ نے ایک معاہدے کے تحت ناؤمل خاندان کی کشتیوں کو پروانہ راہداری جاری کیا اور اپنے ساتھی چھڑوا لیے۔

بعد ازاں 1804-5 کے دوران انگریز لشکر نے واگھر باغیوں کے مضبوط ٹھکانوں بیعت اور گومتی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ اسی قبضے کے نتیجے میں احمد آباد بھی انگریزوں کے زیر مسلط آ گیا۔

1804-5 کے دوران ہی میر فتح علی تالپور کا انتقال ہو گیا اور میر غلام علی خان کو انکا جانشین مقرر کیا گیا۔ 1811-12 میں غلام علی کے انتقال پر میر کرم علی اور میر مراد علی کو بالترتیب کراچی اور بقیہ سندھ کا حکمران بنایا گیا۔ میر کرم علی اور سیٹھ دریانومل کی دوستی پر میر مراد علی نے بارہا اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔

1812-13 میں ہالار، کچھ اور مارواڑ میں شدید قحط آیا تو اس دوران ناؤمل کے والد اور چچا لوگوں بالخصوص ہندوؤں کی بحالی کیلئے سرگرم ہوئے جس کے نتیجے میں انکے سماجی اور تجارتی تعلقات مزید بڑھ گئے۔

کچھ اور ہالار کے لوگوں نے شمالی سندھ بالخصوص شکارپور میں اناج کے بدلے اولاد فروخت کرنا شروع کیے، جن میں سے کئی ایک ناؤمل کے والد کے گماشتوں نے خرید کر کے کراچی روانہ کیے۔

1811-12 میں میر غلام علی خان تالپور کے انتقال پر میر کرم علی اور میر مراد علی کو سندھ کا مشترکہ حکمران نامزد کیا گیا۔ ان دنوں سندھ کے حکمران افغان حاکم کو نو لاکھ روپے سالانہ کا خراج ادا کرتے تھے۔

1810-11 میں قندھار کے وزیر اعظم خان نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ سندھ پر چڑھائی کر دی اور بغیر کسی مزاحمت کے لاڑکانہ تک آ گیا جہاں 9 لاکھ روپے کا خراج لیکر واپس چلا گیا۔ انہی دنوں رنجیت سنگھ کی قیادت میں سکھوں نے پنجاب پر قبضہ کر لیا اور سندھ کے تالپور حکمرانوں نے سکھوں کو خراج دینا بند کر دیا۔

انیسویں صدی کی دوسری دہائی کے ابتدا میں ناؤمل کے والد اور چچاؤں کے درمیان ملکیت کے معاملے پر تنازعہ کھڑا ہو گیا جسے تالپور حکمران خاندان کے کچھ افراد نے بھی بڑھاوا دیا۔ بالآخر کئی مہینوں کی جانچ پڑتال اور گفت و شنید کے بعد ثالثوں نے ناؤمل کے والد کو اپنے چچازاد بھائیوں کو 42500 روپے دینے کو کہا تو انہوں نے اتنی خطیر رقم دینے سے انکار کر دیا جبکہ ناؤمل نے اس رقم کی ادائیگی کو اپنے ذمہ لیا۔ [12]

اس دوران ناؤمل نے اپنے پیر پھیلانا شروع کیے اور پوربندر کے رانا پرتھی راج کو ذاتی حفاظت کیلئے کراچی کے جوکھیو قبیلے کے جنگجو فراہم کیے۔ 1828-9 میں سندھ کا حاکم میر کرم علی تالپور چل بسا۔

1831-32 میں ایک ہندو مزدور کے بیٹے کو اسکے استاد نے بری طرح زدوکوب کیا۔ بچہ ڈر اور غصے کے مارے بھاگ کر ایک مسجد کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا۔ کچھ مقامی مسلمان اس بچہ کو بہلا پھسلا کر مسجد کے اندر لے گئے، جس پر شہر کے ہندو تاجروں نے اپنا کاروبار بند کر کے مسلمانوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی لین دین سے انکار کر دیا۔ مسلمانوں نے جوابی کاروائی کے طور پر لیاری ندی کے کنارے پر واقع میٹھے پانی کے کنویں آلودہ کردیئے جس سے شہر کے ہندو پانی بھرتے تھے۔ اگلے دن سید نورل شاہ نامی ایک مسلمان ہندوؤں کو برا بھلا کہتا ہوا ہندو محلے سے گذرا تو ناؤمل کے بھائی پرسرام کے ساتھ اُسکی جھڑپ ہوگئی۔ نورل شاہ نے بعد ازاں دیگر مسلمانوں کو بتایا کہ پرسرام نے توہین رسالت کی ہے اور اس نے ٹھٹہ، شاہ بندر، ٹیاری، ہالا اور حیدرآباد سمیت کئی علاقوں کا دورہ کر کے مسلمان آبادی کو اس ''توہین'' سے آگاہ کر کے مدد طلب کی۔ اس واقعے کے نتیجے میں سندھ واضح طور پر ہندو۔مسلمان بنیاد پر تقسیم ہوگیا۔ دریں اثنا کراچی کی ہندو برادری نے پرسرام کو خفیہ طور پر جیسلمیر بھیج دیا تو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے حیدرآباد میں ہنگامہ کھڑا کر دیا اور میر مراد علی سے مطالبہ کیا کہ ایک شاہی فرمان کے ذریعے سیٹھ ہوتچند کو پابند بنایا جائے کہ وہ اپنے بیٹے پرسرام کو حیدرآباد کی دربار کے سامنے پیش کرے۔ پرسرام کی کراچی میں عدم موجودگی کے باعث سیٹھ ہوتچند ایک ہزار ہندوؤں کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوا۔ دوران سفر مشتعل مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے تالپور حاکم نے اپنے سپاہیوں کو اس قافلے کی حفاظت پر مامور کردیا۔ تاہم مشتعل مسلمانوں نے کسی طرح میر مراد علی کی صاحبزادی، اور ولی عہد میر محمد تالپور کی بیگم تک رسائی حاصل کی جس نے اپنے ساتھ قرآن لے جا کر اپنے والد سے بات کی تو اس نے ہندوؤں کے قافلے پر صرف حیدرآباد کی حدود میں کسی قسم کے حملے کی ممانعت کرتے ہوئے نصرپور کے پیر سے اس ضمن میں ہدایات لینے کا مشورہ دیا۔ جس پر مسلمانوں کا ایک وفد میر مراد علی کی جانب سے سید ذوالفقار علی شاہ کے ہمراہ نصرپور روانہ ہوا۔ نصرپور کے قاضی نے اس تنازعہ کو سننے سے انکار کردیا۔ اسی اثنا میں مسلمانوں نے اپنی عددی قوت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سیٹھ ہوتچند کو زبردستی اپنی تحویل میں لے لیا۔ انہوں نے اپنے یرغمالی کو تیزی سے حیدرآباد منتقل کیا، جہاں پر کچھ گھنٹوں کے قیام کے بعد بذریعۂ کشتی ٹھٹہ اور بعد ازاں شاہ بندر کے ایک قصبے باگانی منتقل کر دیا۔ آئندہ دس گیارہ دن تک چھوت چھات کے قائل سیٹھ ہوتچند کو پکے ہوئے کھانے کے بجائے چنوں اور مکئی کے کچے دانوں پر گزارہ کرنا پڑا۔ ایک طرف تو باگانی میں مسلمانوں نے سیٹھ ہوتچند کو مسلمان کرنے کی کوشش کی تو دوسری جانب سندھ کے ہر علاقے میں موجود ہندو اس اغوا پر احتجاج کرنے لگے۔ اسی دوران کچھ اور جیسلمیر کے راجاؤں نے ٹھٹہ کے

نواب غلام حیدر کو سیٹھ ہوتچند کی بازیابی حکم جاری کیا، جس پر فوری عمل درآمد کر کے سیٹھ ہوتچند کو دوبارہ حیدرآباد پہنچا دیا گیا۔ قید سے آزادی کے بعد میر مراد علی سے ملاقات کے دوران سیٹھ ہوتچند نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ اب وہ دنیا تیاگ کر صوفی فقیر بن کر زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔

سیٹھ ہوتچند ایک رات تاریکی میں بھیس بدل کر ہندو برادری کے کچھ افراد کی مدد سے پھلیلی پار کر گیا جہاں سے میر غلام علی تالپور کی مدد سے نکل گیا اور راتوں رات ٹنڈو میر محمد پہنچ گیا جہاں سے وہ اپنے وفادار ساتھیوں کے ایک ٹولے کے ہمراہ سندھ کی کچھ کے ساتھ ڈیلٹائی سرحد پر آخری قصبے لکھپت کیلئے روانہ ہوا جہاں اس خاندان کی تجارتی کوٹھی اور کئی ایک گماشتے موجود تھے۔ لکھپت میں متعین اہم گماشتہ کرم چند کچھ کے راؤ کو سیٹھ ہوتچند کی پل پل کی خبر پہنچاتا رہا، جس نے اپنے اہلکاروں کو حکم جاری کیا کہ سیٹھ ہوتچند کے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر نظر آتے ہی انہیں کشتی کے ذریعے کچھ کی حدود میں منتقل کیا جائے۔ لکھپت میں کچھ عرصہ قیام کے بعد سیٹھ ہوتچند تیرتھ یاترا پر روانہ ہوا جس دوران اُس نے نہ صرف غریبوں اور مذہبی مقامات کو دان دیا بلکہ جگہ جگہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بھی چرچا کیا۔

1833-34 میں میر مراد علی کے انتقال کے بعد شاہ شجاع نے شکارپور کا انتظام سنبھال لیا تو ''چویاری'' کے نام سے مشہور حیدرآباد کے چار مشترکہ حکمرانوں میر نور محمد، میر نصیر خان، میر محمد اور صوبدار خان تالپور کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ محسوس ہوا اور وہ ایک بڑا لشکر لیکر روانہ ہوئے اور روہڑی کے قریب دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوئے جہاں شاہ شجاع کے وزیر سمندر خان نے آٹھ ہزار سے زائد روہیلہ اور خراسانی پٹھان قبائلی لشکر کے ساتھ انکو للکارا۔ سکھر کے قریب دریائے سندھ کے کنارے ہونے والی اس جنگ میں تالپوروں کا 50 ہزار سپاہ پر مشتمل لشکر شکست کھا کر پسپا ہو گیا۔

1835 میں لیفٹیننٹ کرنل (بعد ازاں سر) ہنری پوٹنگر نے ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے نمائندے کے طور پر حیدرآباد میں تالپور دربار کا دورہ کیا جہاں پر سیٹھ ناؤمل نے اُسکے ساتھ راہ و رسم پیدا کی جو کہ بعد ازاں خط و کتابت کی صورت میں جاری رہی۔ سندھ کے اوائلی جائزہ نگار پوٹنگر (1789 سے 1856) کو 1825 میں سندھ کے سرحدی علاقے کچھ میں ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں وہ سندھ میں پولیٹیکل ایجنٹ تعینات ہوا، جس دوران تالپور حکمرانوں کے ساتھ مذاکرات اور معاہدے کرنے اور براستہ سندھ برطانوی افواج کی کابل پیش قدمی کا پروانہ راہداری حاصل کر پایا۔ وہ اپنے کئی خطوط اور ڈائریوں میں ناؤمل کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔

1835-36 میں بمبئی حکومت کے احکامات کی تعمیل میں پوٹنگر کا ایک اسسٹنٹ الیگزنڈر برنس ایک اور انگریز اہلکار کے ہمراہ بھوج سے لاہور اور کابل جانے کیلئے سندھ پہنچا۔ کابل سے واپسی پر برنس کو لاہور میں تعینات کیا گیا جہاں سے اس نے 1837 میں ناؤمل کو ایک خط لکھ کر اسکی خدمات پر اپنی طمانیت کا اظہار کیا جبکہ قلات میں اسکے نائب لیکی نے 250 بلوچستانی پہاڑی بکرے انگلینڈ روانہ کرنے کیلئے ناؤمل سے رابطہ کیا۔ بعد ازاں یہ بکرے سوڈھو قبیلے سے تعلق رکھنے والے افراد کی نگرانی میں سونمیانی پہنچائے گئے جہاں سے ناؤمل کے ایک گماشتے کی زیر نگرانی بمبئی روانہ ہوئے۔

1836-37 میں پوٹنگر نے بھوج سے ناؤمل کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ الیگزنڈر برنس کا چھوٹا بھائی ڈاکٹر جیمس برنس براستہ سندھ لاہور جارہا ہے اور وہ کراچی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوکر حیدرآباد بھی جائے گا۔ ناؤمل سے اسکی تمام ضروریات پوری کرنے کیلئے کہا گیا، حیدرآباد کے تالپور امرا کو بھی جیمس کی کراچی آمد سے مطلع کیا گیا، تاہم انہوں نے اپنے کراچی کے نواب کو تحریری حکم جاری کیا کہ جیمس کو مرکزی بندرگاہ کے بجائے گذری پر لنگر انداز ہونے دیا جائے اور اسے کراچی دیکھنے کا موقعہ فراہم کرکے بغیر حیدرآباد روانہ کیا جائے۔ سرکاری اہلکاروں سے نظر بچا کر ناؤمل کے ہرکاروں نے اپنے سیٹھ کے تحائف اور ایک خفیہ خط جیمس کے حوالے کیا۔

1837-38 کے دوران کرنل پوٹنگر نے ایک خط کے ذریعے ناؤمل کو مطلع کیا کہ کیپٹن کارلیس اپنے بارہ یورپی ساتھیوں کے ہمراہ کراچی پہنچ رہا ہے جن کا اسے خیال رکھنا تھا۔ پوٹنگر نے اس ضمن میں حیدرآباد کے تالپور حکمرانوں کو بھی ایک خط ارسال کیا جس میں انہیں متنبہ کیا گیا تھا کہ وہ اس یورپی ٹیم کے دورۂ سندھ کے دوران اسکی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے سے باز رہیں۔ یہ ٹیم 5 مارچ 1837 کو کراچی پہنچی۔ منوڑہ کے ساحل پر اپنی کشتی میں ہی رہائش پذیر انگریزوں کی یہ ٹیم ایک دن ایک مقامی شخص احمد لوہار کے ہمراہ شکار کیلئے روانہ ہوئی تو کراچی کیلئے تالپوروں کے منتظم اعلیٰ نواب حسن خان نے اسے اپنے اختیارات میں مداخلت گردانا اور ٹیم کو گرفتار کرنے کیلئے اپنے ایک سو مسلح سپاہی روانہ کیے۔ یہ خبر ملتے ہی ناؤمل بھی اپنے کچھ گھوڑے سوار محافظوں کے ہمراہ انگریزوں کی مدد کیلئے روانہ ہوا۔ بعد ازاں نواب حسن سے ناؤمل کے مذاکرات کے دوران طے ہوا کہ انگریز ٹیم کے اراکین مستقبل میں اپنی کشتی پر ہی رہیں گے اور انہیں شہر میں داخل ہونے کیلئے نواب حسن کی اجازت مطلوب ہوگی۔ ناؤمل کے مشورے پر کرنل کارلیس نے حیدرآباد کی تالپور دربار کو ارسال کیے گئے ایک خط کے ذریعے اس واقعے کی روئداد لکھی جس پر تالپور دربار کے امرا شدید

اختلافات کا شکار ہوئے۔ یہ انگریز ٹیم تین ماہ تک کراچی میں قیام پذیر رہی اور اس دوران اس نے کراچی کی ساحلی پٹی کا مکمل سروے کیا۔

1838ء میں ہی کرنل پوٹنگر بھوج سے حیدرآباد آیا اور ناؤمل کو لکھے ایک خط میں اس نے بتایا کہ جنرل جان کینی کی سربراہی میں ایک انگریز لشکر دریائے سندھ کے ذریعے شکارپور تک جانے کیلئے زیریں سندھ کے علاقے، گھوڑاباڑی کے قریب خیمہ زن ہے اور اس لشکر کے زادِ راہ کیلئے ناؤمل کو انتظامات کرنے ہوں گے۔ اس ضمن میں ناؤمل کو دو ہزار اونٹ اور 800 سے 1000 مال بردار بیل گاڑیاں حاصل کرنے کو کہا گیا۔ ان ہدایات پر عمل کرتے ہوئے ناؤمل نے اناج خریدنا شروع کیا تو کراچی میں اسکی قلت پیدا ہوگئی اور ایک دن صبح سویرے ایک ہزار سے زائد لوگوں نے ناؤمل کے گھر کے باہر دھرنا دیا اور شکایت کی کہ انگریزوں کے لیے اناج خریدنے کی وجہ سے انہیں قحط سالی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ عوامی احتجاج کے پیشِ نظر ناؤمل نے اناج کی یہ خریداری اپنے گماشتوں کے ذریعے سونمیانی اور سیوھن منتقل کی۔

تالپور انتظامیہ کے اہلکاروں کی لاکھ کوشش کے باوجود ناؤمل انگریزوں کیلئے اونٹ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ بعد ازاں میرپور ساکرو کے علاقے سے 500 بیل گاڑیاں بھی کرائے پر حاصل کی گئیں۔ کرنل پوٹنگر نے ناؤمل کی اس جانفشانی پر اسے ایک تہنیتی خط ارسال کیا۔ اناج اور دیگر ساز و سامان کی تصدیق ہوتے ہی پوٹنگر حیدرآباد سے گھوڑاباڑی روانہ ہوا۔ اسکے دو نائبین میں لیفٹیننٹ ڈبلیو جے ایسٹوک اور لیکی شامل تھے۔ ایسٹوک 1839ء میں حیدرآباد کے تالپور حکمرانوں کے ساتھ ہونے والے انگریزوں کے معاہدے میں ایک اہم ستون تھا۔ جس کے تحت نہ فقط دریائے سندھ کو تجارتی مقاصد کیلئے کھولا گیا بلکہ کابل اور پنجاب کی جانب سے سندھ پر دعوئ پر بھی انگریزوں نے ثالثی کا ذمہ خود لے لیا تھا۔ پوٹنگر کے گھوڑاباڑی پہنچتے ہی سر جان کینی بھی بمبئی سے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ گھوڑاباڑی پہنچ گیا۔ قبل ازیں گورنر بمبئی نے کینی کے ایک نائب کیپٹن آؤ ترام کو کراچی بھیجا۔ آؤ ترام کی اس مہم کی تفصیل اسکی کتاب "Rough notes on the Campaign in Sind and Afghanistan" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آؤ ترام نے کراچی میں واقع ناؤمل کی کوٹھی پر دو دن تک قیام کیا، بعد ازاں وہ ناؤمل کے بھائی سکھرام داس کے ہمراہ گھارو روانہ ہوا۔

بامنی کوٹ میں قیام کے دوران نواب غلام شاہ لغاری، سید زین العابدین، آغا اسماعیل شاہ اور محمد عابد انگریز کیمپ آئے اور حیدرآباد کے تالپور حکمرانوں کی جانب سے اپنی خدمات پیش کیں۔ اس کیمپ میں پانچ دن قیام کرنے کے بعد انگریز افواج ٹھٹہ کیلئے روانہ ہوئی۔ ٹھٹہ میں کرنل پوٹنگر کے حکم پر ناؤمل ٹھٹہ شہر میں

مقیم ایک انگریز وہائٹ لاک سے ملنے گیا۔ اس ملاقات کی زیادہ تفصیلات میسر نہیں۔

ٹھٹہ میں قیام کے دوران ایک نوہانی بلوچ برہنہ تلوار لیکر کرنل پوٹنگر کے خیمے میں داخل ہوگیا تاہم کرنل کے سپاہیوں کے للکارنے پر فرار ہونے کی کوشش کے دوران سپاہیوں کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ یہ انگریز لشکر چار دن ٹھٹہ میں مقیم رہا اور اس دوران حیدر آباد کے قریب گدو بندر کے مقام پر ایک گودام میں اس لشکر کیلئے اشیائے ضرورت جمع کی گئیں۔ پوٹنگر کا سیکنڈ اسسٹنٹ لیکی اس گودام کا نگران اور اسکے قریب ہی رہائش پذیر تھا۔ اسی دوران میر پور خاص سے تعلق رکھنے والے میر شاہ محمد نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس گودام پر چڑھائی کر کے اسے لوٹ لیا۔ اس حملے کی اطلاع ملتے ہی لیکی اپنی جان بچانے کیلئے بذریعۂ کشتی ٹھٹہ فرار ہو گیا۔ اسکے ٹھٹہ پہنچنے پر پوٹنگر کے لشکر نے حیدر آباد کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔

جھرک میں اس لشکر کے قیام کے دوران بلوچوں نے دو انگریز اہلکاروں پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیا۔ جھرک میں قیام کے دوران ہی ناؤمل کو میر نور محمد کا ایک خفیہ خط موصول ہوا، جس میں وہ تحریر کرتا ہے، ”سیٹھ ناؤمل صاحب! براہ مہربانی کرنل پوٹنگر کو آگاہ کیجئے کہ گدو بندر اور ٹنڈو میر خان میں برطانوی گوداموں کی لوٹ مار میر پور خاص کے میر شیر محمد نے میر محمد اور میر صوبدار کے تعاون سے کی ہے جبکہ میں اس عمل میں شریک نہیں تھا اور مجھے بے گناہ اس جرم کا مرتکب سمجھا جا رہا ہے۔“

بعد ازاں کرنل پوٹنگر نے آغا اسماعیل شاہ سے مذاکرات کے دوران اس لوٹ مار کے ازالے کے طور پر 27 لاکھ روپوں کی زرتلافی پر رضامندی ظاہر کی۔ آٹھ دن تک جھرک میں قیام کے بعد یہ قافلہ کوٹری روانہ ہوا۔ کوٹری میں قیام کے دوران لیفٹننٹ لیکی اور منشی جیٹھانند نے تالپور دربار جا کر ازالے کی رقم حاصل کی۔ انگریزی فوج کوٹری میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد براستہ سیوھن شکار پور روانہ ہوئی۔

ناؤمل کرنل پوٹنگر کے ہمراہ ٹنڈو میر خان میں ہی مقیم رہا جبکہ اسکے دو بھائی سکھ رام داس اور گوپال داس انگریز فوج کے ہمراہ سیوھن روانہ ہوئے جہاں ناؤمل کی ایک تجارتی کوٹھی واقع تھی۔ ٹنڈو نور خان میں قیام کے دوران کرنل پوٹنگر نے ناؤمل کو مطلع کیا کہ بحیرۂ عرب میں برطانوی بحری فوج کے کمانڈر سر فریڈرک میٹلینڈ جلد ہی کراچی بندرگاہ پر لنگر انداز ہو کر اس شہر پر قبضہ کر لے گا۔ اس ضمن میں پوٹنگر نے سر فریڈرک کو لکھے گئے خط میں سیٹھ ناؤمل کو اپنا انتہائی بااعتماد ساتھی قرار دیتے ہوئے کراچی کے قبضے کے دوران اسکے خاندان کے افراد اور ملکیت کی حفاظت کو لازمی قرار دیا جبکہ ناؤمل نے کراچی میں مقیم اپنے بھائیوں کو اس مجوزہ حملے سے آگاہ کرتے ہوئے تن من دھن سے انگریز سپاہ کی خدمت کرنے کیلئے کہا۔ کراچی کے ساحل پر

لنگر انداز ہونے والے برطانوی بحری جہازوں سے منوڑہ کے قلعے پر مسلسل تین گھنٹے توپوں سے حملے کیے گئے جسکے نتیجے میں قلعے کی مغربی دیوار گر گئی اور پورا شہر دھوئیں کے سیاہ بادلوں سے اٹ گیا۔ ساحل پر لنگر انداز ہونے والے تین برطانوی بحری فوج کے افسران کا ناؤمل کے بڑے بھائی سیٹھ پریتم داس نے خیر مقدم کیا اور انہیں اپنے گھر لیکر آیا۔ جبکہ شہر کے معائنے کے دوران ان افسران نے شہر اور رام باغ کے درمیان میدان کو اپنی فوجی چھاؤنی کے طور پر منتخب کیا۔ سر فریڈرک میٹلینڈ نے ناؤمل خاندان کی اس وفاداری کے انعام کے طور پر انکے گھر پر برطانوی افواج کا پہرہ متعین کیا۔ ناؤمل اپریل تک پوٹنگر کے ساتھ حیدرآباد میں مقیم رہا اور تالپور خاندان سے متعلق اسے خفیہ معلومات فراہم کرتا رہا۔ اسی دوران تالپور خاندان کے اہم افراد کی جانب سے ناؤمل سے ملاقات کی درخواست بھی ٹھکرادی گئی تاہم پوٹنگر کے مشورے پر وہ میر نور محمد سے ملاقات کرنے اسکے گھر پہنچا۔ اس ملاقات میں میر نور محمد نے ناؤمل سے شکوہ کرتے ہوئے کہا، ''ناؤمل! اب تو تم نے اپنے والد کا انتقام لے لیا؟'' اسی مہینے وہ پوٹنگر کے ہمراہ کراچی لوٹ آیا، جہاں روزانہ صبح نو بجے سے شام دیر تک انگریزی کیمپ میں حاضری دیتا رہا۔ اس کیمپ کا ایک انگریز اہلکار کیپٹن ہینڈ ایک دن گھوڑے سواری کرتا ہوا منگھوپیر کی جانب گیا جہاں گھات لگا کر بیٹھے ہوئے کچھ مقامی افراد کے ہاتھوں مارا گیا۔ ناؤمل کے جاسوسوں کے مطابق یہ قتل شاہ بلاول کے خلیفہ چاکر کے حکم پر کیا گیا۔ اس اطلاع کے بعد فوری طور پر چھٹو اور بادیجہ قبائل کے آٹھ افراد کو کراچی شہر سے گرفتار کر کے انگریزی کیمپ پہنچایا گیا۔ بعد ازاں خلیفہ چاکر کو کورٹ مارشل کے ذریعے سزائے موت دیکر پھانسی دی گئی۔

• اگست 1814 میں ناؤمل کرنل پوٹنگر سے ملنے کچھ کے دارالحکومت بھوج روانہ ہوا۔

• جب کرنل جیمس آؤترام کی قلات سے روانگی پر مینگل قبیلے نے اس پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا تو سونمیانی میں موجود ناؤمل کے گماشتوں نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ بحفاظت اسے کراچی روانہ کیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد کرنل آؤترام کو حکومت بمبئی نے سندھ کا پولیٹیکل ریزیڈنٹ مقرر کیا۔ کرنل پوٹنگر نے بھرج سے بمبئی روانگی پر حکومت اور کرنل آؤترام کو لکھے گئے ایک سفارتی خط میں تحریر کیا، ''سیٹھ ناؤمل میرے بازو اور ٹانگیں تھا جس کی مدد کے بغیر سر جان کینی کی زیرِ نگرانی افواج کا بامنی کوٹ سے شکارپور پہنچنا ناممکن تھا۔ ہمارے اس وفادار کا ہمیشہ خیال رکھا جائے۔'' ناؤمل کرنل آؤترام کے ساتھ حیدرآباد پہنچا جہاں اس کا خیمہ بھی برطانوی فوج کے کیمپ میں استادہ کیا گیا۔ یہاں پر ناؤمل کو حاصل ہونے والی معلومات کے اہم ذرائع نواب احمد خان لغاری اور اسکا دیوان فتح چند سیوہانی تھے۔ کچھ عرصے کے بعد کیپٹن واٹ کی نگرانی میں بھوج رسالہ بھی

حیدرآباد پہنچا جہاں سے وہ خانپور (حالیہ جیکب آباد) روانہ ہوا۔ اس رسالے کی تنخواہ اور دیگر اشیائے ضروریات کی ذمہ داری ناؤمل کے گماشتوں کی تھی۔ اس عرصے میں انگریزوں نے سندھ کے داخلی معاملات میں مداخلت شروع کردی، یہاں تک کہ میر شیر محمد اور نصیر خان کے درمیان علاقے کی حدبندی پر ہونے والے تنازعے کے ضمن میں بھی کرنل آؤترام نے مداخلت کی اور فریقین کو مجبور کیا کہ وہ کرنل کی جانب سے مقرر کردہ وہائٹ لاک اور ناؤمل پر مشتمل دو رکنی ٹیم کا فیصلہ تسلیم کریں۔ 1841 میں ہندستان کے گورنر جنرل نے ناؤمل کی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ستائیں پارچہ جات سے نوازا جبکہ ان کیلئے 100 روپے ماہوار کا اعزازیہ بھی مقرر کیا اور اسکے عیوض انگریزوں نے ان کو سندھ سے متعلق بوقت ضرورت مشورہ دینے کا پابند بنایا۔ اسی دوران جب انگریزوں نے صدر کا تجارتی علاقہ بنانے کا منصوبہ بنایا تو اس وقت کے تالپور حکمرانوں کی واضح ممانعت کے باوجود ناؤمل وہ پہلا ہندستانی تھا جس نے اپنے وسائل سے صدر بازار میں تعمیرات شروع کی۔ صدر بازار میں ہونے والی تجارت کے محصولات سے مستثنٰی ہونے کی وجہ سے تالپور حکومت کو شدید نقصان پہنچا جسکی کراچی میں متعین تالپور حکومت کے اہلکاروں نے حیدرآباد دربار کو شکایت بھی کی۔ اسی شکایت کی بنا پر میر نصیر خان نے ناؤمل کی گرفتاری کیلئے ایک بیس رکنی گھوڑا سوار دستہ بھی روانہ کیا۔ انگریز اہلکاروں بالخصوص صدر بازار کے مہتمم کیپٹن پریڈی نے اس حکم پر میر نصیر خان سے شدید احتجاج کیا جب میر نصیر نے ناؤمل پر تالپور حکومت کو معاشی بدحالی کا شکار بنانے کا الزام لگایا تو لیفٹننٹ مائکنی نے اس پر واضح کیا کہ ناؤمل کو حکومت برطانیہ کی سرپرستی حاصل ہے اور اسکے خلاف کسی بھی کاروائی کو حکومت برطانیہ کے خلاف کاروائی تصور کیا جائے گا۔ اسی بنا پر حکومت سندھ ناؤمل کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرسکی۔

1842 میں سر چارلس نیپئر کو سندھ میں برطانوی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا اور کچھ دن کراچی میں قیام کے بعد وہ حیدرآباد روانہ ہوگیا۔ 1843 میں خیرپور کے دو تالپور برادران میر رستم اور میر علی مراد کے درمیان ایک تنازعہ پیدا ہوا جس دوران میر علی مراد نے چارلس نیپئر سے سازباز کرکے اپنے بھائی کو زیر کیا۔ چارلس نیپئر کے تعاقب سے گھبرا کر میر رستم حیدرآباد میں پناہ گزیں ہوا۔ انہی دنوں تالپور لشکر کے بلوچ سپاہیوں نے ریزیڈنسی پر حملہ کیا اور کرنل آؤترام کو بذریعہ کشتی فرار ہونا پڑا۔ تالپوروں نے چارلس نیپئر کی پیش قدمی روکنے کیلئے حیدرآباد کے قریب میانی کے مقام پر تیس ہزار سپاہی تعینات کیے۔ اس مقام پر ہونے والی جنگ میں تالپور افواج کو شکست ہوئی۔ انگریز بندوقوں اور توپوں کے مقابلے میں تالپور افواج تلواروں سے مقابلہ کرتی رہی۔ اس جنگ میں فتح کے بعد چارلس نیپئر نے ٹنڈو میر خان پر کیمپ لگایا جہاں تالپور خاندان

کے افراد نے ہتھیار ڈالے اور چارلس نیپئر ایک فاتح کے طور پر حیدرآباد قلعہ میں داخل ہوا۔ ناؤمل کے مطابق ریزیڈنسی پر حملے اور میانی میں لڑائی کے بجائے تالپوروں نے اپنی تمام تر قوت کو یکجا کر کے کراچی میں واقع انگریز کیمپ پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جبکہ مسلمانوں کو اس دوران محفوظ رکھنے کیلئے کراچی میں رہائش پذیر کئی مسلمانوں کو حملے سے قبل کراچی چھوڑنے کو کہا گیا۔ تاہم کراچی کے کچھ باشندوں نے ایسی اطلاع انگریز اہلکاروں تک پہنچائی جبکہ اسی دوران پورا کراچی شہر مختلف چہ مگوئیوں کا شکار ہوا اور تمام تر تجارتی مراکز بند ہوگئے۔ یہاں تک کہ ناؤمل نے کراچی بندرگاہ پر لنگر انداز اپنی ایک کشتی کے ذریعے اپنے خاندان کو پور بندر منتقل کرنے کی تیاری کر لی اور کیپٹن پریڈی کو صورتحال سے آگاہ کیا جس کے بعد وہ اپنے گھر واپس آ گیا۔ کچھ دیر بعد کیپٹن پریڈی ناؤمل کے گھر پہنچا اور اسے اپنے ساتھ تالپور اہلکاروں کے دفتر چلنے کو کہا۔ جہاں سے وہ میر نصیر خان اور میر حسن علی کے نمائندے محمد صدیق، میر نور محمد کے نمائندے دیوان ٹیکچند اور میر صوبدار کے نمائندے دیوان مولچند کو لیکر روانہ ہوا۔ ان تینوں کی قیادت میں چلنے والے اس قافلے کے عقب میں کیپٹن پریڈی خود گھوڑے پر سوار تھا جبکہ باقی تمام لوگ پیدل چل رہے تھے۔ جوڑیا بازار کے مقام پر کیپٹن پریڈی نے فوجی دستے کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا۔ میٹھا در پر استادہ تالپور لشکر کے سپاہیوں کو غیر مسلح کیا گیا، جس کے بعد یہ قافلہ ''چاوڑی'' (تالپور حکومت کا دفتر) روانہ ہوا جہاں سے سرخ اور سفید پٹیوں پر مشتمل تالپور پرچم اتار کر یونین جیک لہرایا گیا۔ چاوڑی میں موجود تمام تر سرکاری رکارڈ کو انگریزوں نے اپنے قبضے میں کیا۔ کھارادر پر بھی یہی مشق دھرائی گئی، بعد ازاں انگریزوں نے شہر کے قلعے پر اپنی توپیں استادہ کیں۔ جس کے بعد کراچی کے برطانوی تسلط کے تحت شہر ہونے کا اعلان کیا گیا اور سیٹھ ناؤمل کو اسکا منتظم مقرر کیا گیا۔ ناؤمل کی زیر نگرانی انتظامیہ نے پہلا کام جوکھیو، کرمتی اور نمیری قبائل کے لوگوں پر نظر رکھنے کا کیا جو کہ کراچی شہر کو انگریز تسلط سے آزاد کرانے کیلئے برطانوی کیمپ سے کوئی تین میل کے فاصلے پر مورچہ زن تھے۔ ناؤمل کے ذاتی ملازمین نے ہی کراچی کے سرنگوں ہونے کی خبر سر چارلس نیپئر کو حیدرآباد پہنچائی۔ بلوچ قبائل نے کراچی پر خفیہ حملے جاری رکھے جن کو زیر کرنے کیلئے ناؤمل نے چھٹو قبیلے کے سردار صاحب خان سے مدد حاصل کی، جس نے اپنے تین سو قبائل شہر کی حفاظت کیلئے ناؤمل کے حوالے کیے۔ کراچی پر انگریزوں کے مکمل تسلط کے بعد ناؤمل کا والد سیٹھ ہوتچند کراچی واپس آیا اور ناؤمل کے بھائی سکھرام داس کو انگریزوں نے کسٹم کلکٹر مقرر کیا جبکہ ناؤمل کی سفارش پر دیوان مولچند کو شہر میں پولیس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

میانی کی جنگ کے کوئی ڈیڑھ ماہ بعد منتشر بلوچ سپاہیوں نے میر شیر محمد کی قیادت میں منظم ہوکر

دوآبہ کے مقام پر سرچارلس نیپئر کو للکارا۔ حیدرآباد سے آٹھ میل کے فاصلے پر ٹنڈو الہیار روڈ پر واقع اس مقام پر بھی سندھی لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ میر شیر محمد اور اُسکے بھائی میر شاہ محمد نئے سرے سے لشکر منظم کرنے کیلئے سندھ کے شمالی علاقے میں واقع پہاڑی علاقے کی جانب نکل گئے تاہم میر شاہ محمد کو گرفتار کر کے بمبئی کے قید خانے میں نظر بند کیا گیا۔ جلد ہی بمبئی سے ایک فوجی دستہ حیدرآباد پہنچ کر چارلس نیپئر کی فوج میں شامل ہوا جبکہ کراچی سے حیدرآباد جانے والے ملیر کے ایک میمن تاجر کے فوجی مقاصد کیلئے جانے والے اونٹوں کے ایک قافلے پر گجو کے مقام پر جاکر خان جوکھیو کی سربراہی میں جوکھیو قبیلے کے 300 افراد نے گھات لگا کر حملہ کیا۔ اس قافلے میں شامل دس سے بارہ انگریزوں کے علاوہ تمام انگریز موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس حملے کے بعد بھی جوکھیو قبیلے کی جاسوسی کا کام ناؤمل کے برہمانی بلوچ افراد نے سرانجام دیا۔ ان جاسوسوں کے مطابق یہ حملہ میمن اور جوکھیو ساز باز کا نتیجہ تھا۔ سندھ کے لیفٹننٹ گورنر کے حکم پر جوکھیو اور میمن "شرپسندوں" کی سرکوبی کیلئے جانے والے دستے میں ناؤمل کے انتہائی قابلِ اعتماد بارہ برہمانی سپاہی بھی اسکے بھائی سکھرام داس کے ہمراہ شامل تھے۔

24 مئی 1843 کو سرچارلس نیپئر کی جانب سے حیدرآباد میں منعقدہ دربار کیلئے دریائے سندھ کے دائیں کنارے سے تعلق رکھنے والے جاگیرداروں کو دعوت نامہ کیپٹن پریڈی کی سفارش پر ناؤمل نے ہی ارسال کیے جو کہ اس دربار کے انتظامات کا بھی ذمہ دار تھا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد سرچارلس نیپئر نے سندھ میں برطانوی پولیس کو تین انتظامی یونٹوں میں تقسیم کیا اور جنگ میانی میں سرچارلس نیپئر کو یقینی شکست سے بچانے والی 25 ویں رجمنٹ کے لیفٹننٹ مارسٹن کو کراچی پولیس کا سربراہ مقرر کیا گیا۔

مجوزہ دربار میں شرکت کیلئے جام مہر علی جوکھیو، میر ابراہیم خان کرمتی، ملک احمد خان نمیری، بہاول خان رند، بلندو خان گبول، حاجی خان لغاری، بخشو خان جمالی اور جھانگارا سے تعلق رکھنے والے سید قائم شاہ کو بھی مدعو کیا گیا۔ ان تمام سرداروں اور جاگیرداروں نے مجوزہ دربار میں شرکت کی ہامی بھری تاہم چانڈکا سے تعلق رکھنے والے سرداروں نے فصل کی کٹائی کے ایام کی وجہ سے دربار میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تاہم انہوں نے بھی تاجِ برطانیہ سے اپنی وفاداری کا اعادہ کیا۔ اس دربار میں خیرپور کے میر علی مراد نے بھی شرکت کی جو اپنے ساتھ چانڈیو قبیلے کے سردار ولی محمد چانڈیو کو بھی قیدی کی حیثیت میں دربار میں لے آیا تھا جسے سرچارلس نیپئر نے برطانوی وفاداری کے حلف پر رہا کردیا۔ اسی دربار میں سرچارلس نیپئر نے ناؤمل پر کراچی میں موجود تمام ایندھن کی لکڑیاں خریدنے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

اسی دوران سندھ بھر میں چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوتی رہیں۔ سابقہ تالپور حکمرانوں کے ایک اہلکار صادق نے ٹھٹہ کے قریب گھوڑا باری میں سرکاری غلہ لوٹ کر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں کے حمایتی ایک پارسی سیٹھ کے قافلے پر گجو کے قریب حملہ کر کے اسے قتل کر دیا گیا۔ بعد ازاں غلام اللہ کے قریب گوٹھ کرم پور پر چھاپہ مار کر سکھ رام داس کی سربراہی میں آنے والی کراچی پولیس نے سات دیہاتیوں کو گرفتار کیا، جن میں سے دو کو کراچی میں سزائے موت دی گئی جبکہ باقیوں کو طویل سزائیں سنائی گئیں۔

کئی ایک انگریز اور دیہی اہلکاروں نے سر چارلس نیپئر کو ناؤمل کی تحریری شکایات کیں جسکی وجہ سے انگریزوں کا یہ پرانا نمک خوار اپنی اہمیت اور افادیت کھوتا گیا۔ اسی دوران انگریز اہلکاروں نے ناؤمل کو اسکی سابقہ خدمات کے عیوض سندھ سے باہر کسی برطانوی زیر تسلط علاقے میں کوئی عہدہ دینے کی پیشکش کی جس سے اس نے معذوری ظاہر کی۔ ناؤمل خاندان کو کلہوڑوہ حکومت سے ذاتی استعمال کیلئے شراب کشید کرنے کی اجازت حاصل تھی، سندھ پر برطانوی تسلط کے ابتدائی پانچ سالوں کے دوران تو یہ اجازت برقرار رہی تاہم مندرجہ بالا تناؤ کے بعد یہ سہولت ناؤمل سے واپس لے لی گئی اور اس خاندان کے ذاتی شراب کشید کرنے کے کارخانے سے مرتبان تک بحق سرکار ضبط کر لیے گئے۔ شراب کشید نے پر اس پابندی کی بنا پر کیپٹن پریڈی اور دیگر انگریز اہلکاروں کے درمیان خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔

سر چارلس نیپئر کے سندھ گورنرشپ سے ہٹنے کے بعد سندھ کو صوبے کے طور پر جداگانہ حیثیت ختم کر کے اسے بمبئی پریزیڈنسی کے ماتحت کیا گیا اور بمبئی سول سروس کے پرنگل کو سندھ کا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ ناؤمل نے بمبئی کے گورنر سر جارج کلرک کو پیش کی گئی ایک پٹیشن کے ذریعے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں سے آگاہ کیا، جس نے اپنے سندھ کے پہلے دورے کے دوران ناؤمل سے تنہائی میں ملاقات کی۔

ڈیڑھ سال کی تعیناتی کے بعد پرنگل کی برطانیہ روانگی پر سر برٹلے فریئر کو سندھ کا نیا چیف کمشنر مقرر کیا گیا۔ فریئر سندھ بالخصوص کراچی میں عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر اور مختلف اداروں کے قیام کے حوالے سے تاریخ میں یاد رکھا جاتا ہے۔ سر جارج کلرک کو پیش کی گئی ناؤمل کی پٹیشن کلکتہ میں واقع مرکزی حکومت کو ارسال کی گئی جسکے فیصلے کے مطابق ناؤمل کو تاحیات ایک ہزار بیگھ زمین کی جاگیر کا حقدار سمجھا گیا، اس انعام کو اپنے مرتبے سے کم گردانتے ہوئے ناؤمل نے اسے قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ بعد ازاں کیپٹن پریڈی کے مشورے کی روشنی میں اس نے تاحیات دوسو روپے ماہوار کا وظیفہ قبول کیا۔

اسی دوران ناؤمل کابل، قندھار، بخارا، ہرات اور ہندستان کے مختلف علاقوں میں موجود اپنے

گماشتوں سے حاصل ہونے والی معلومات مقامی زبان میں تحریری طور پر کیپٹن پریڈی کے حوالے کرتا رہا جو کہ اسکا انگریزی ترجمہ سندھ کے چیف کمشنر کو پہنچاتا رہا۔

1856-57ء میں لکھنو پر انگریزوں کے قبضے اور پیشوا نانا صاحب کی بغاوت کے بعد ناؤمل راجستھان میں جودھ پور، جے پور، جیسلمیر اور پالی کے علاوہ پنجاب کے مختلف شہروں میں موجود اپنے ایجنٹوں سے حاصل ہونے والی معلومات براہ راست سر برٹلے کو فراہم کرتا رہا۔ ان دنوں کراچی میں تعینات مقامی فوجیوں کی اکثریت کا تعلق اودھ، لکھنو اور دہلی سے تھا جو کہ اندرونِ خانہ بغاوت کی تیاری میں لگے ہوئے تھے۔ تاہم ایسے منصوبوں کی اکثریت انگریزوں کے وفادار دیسی سپاہیوں کی مخبری کا نشانہ بنی اور باغی سپاہیوں میں سے کئی ایک کو گرفتار کر کے سزائے موت جبکہ دیگر کو قید کی سزا دی گئی۔

جب سر بارٹلے فریئر کا تبادلہ سندھ سے کلکتہ ہوا تو ناؤمل سمیت انگریزوں کے دیسی وفاداروں نے اسکے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی۔ اسی دوران فریئر نے ناؤمل کو راؤ بہادر کا خطاب دینے کیلئے سفارش کرنے کی بات کی۔ 1866ء میں ناؤمل کو ملکہ برطانیہ کی جانب سے اسٹار آف انڈیا کا خطاب دیا گیا جو کہ 1867ء میں جب سر فریئر نے سندھ کا دورہ کیا تو فریئر ہال میں منعقدہ دربار میں اسے پیش کیا گیا۔

1857ء کی جنگ آزادی اور پنجاب

1857ء کی جنگ آزادی میں پنجاب کے کردار کو مصنفین نے مختلف زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر خطۂ زمین کے حوالے سے دیکھا جائے تو سرزمین پنجاب بھی کسی سے پیچھے نہیں تاہم مقامی افراد کی اس جنگِ آزادی میں شرکت اور کردار کے ضمن میں پنجاب پر ایک سوالیہ نشان ضرور ثبت ہے۔ اس ضمن میں دہلی کے ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ اعلامیہ اور بعدازاں دہلی میں جمع شدہ ہندوستانی فوجیوں کا اعلان دلچسپی سے خالی نہیں۔ ہندو مسلم مشترکہ اعلامیہ میں پنجاب کے باشندوں کو مخاطب کر کے کہا گیا:

''پنجاب کے باشندوں کو نیند سے چوکنا ہونا چاہئے اور سمجھنا چاہئے کہ اس حکومت نے ہندوستان کو بھاری ٹیکسوں اور لگانوں سے تباہ کر دیا ہے اور اب مذہب کے بھی در پے ہوگئی ہے۔ پنجاب کا بھی ان نتائج سے بچنا ممکن نہیں۔ اگر پنجابیوں نے اس موقعہ سے فائدہ نہ اٹھایا تو وہ یاد رکھیں کہ پھر بالکل بے بس ہو جائیں گے۔ خدا کے لئے عورتوں کے کپڑے اتارو اور مردوں کا لباس پہن کر ہمارے ساتھ ہو جاؤ۔''

جبکہ دہلی میں جمع شدہ ہندوستانی فوجیوں کے پنجاب کے نام اعلان میں کہا گیا:

''اعلان منجانب سپاہیانِ جمع شدہ دہلی، لاہور اور پنجاب کے ہندو مسلمان بھائیو

اسلام علیکم و رام رام

یہ امر انتہائی افسوسناک ہے کہ اگرچہ ہم نے اپنے مذہب کی خاطر بڑی کوششوں سے اس جہاد کے انتظامات کے لیے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائیں اور کامیابی حاصل کر کے خدا کی مدد سے تمام یورپی سپاہیوں کو مارا جو ہمارے دین کے دشمن تھے۔ آپ لوگ جو کہ ہمارے بھائی ہیں، رشتہ دار ہیں اور فوجی ہونے کی وجہ سے ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں پھر بھی وہاں پر بے دست و پا خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بات آپ کو زیب نہیں دیتی' جس طرح بن پڑے ان دشمنوں کو تباہ کر دو اور دہلی پہنچ جاؤ۔ کلکتہ سے پشاور تک کے بہادر سپاہی دہلی میں جمع ہو رہے ہیں۔ دین کی حفاظت میں لڑنا ہی ثواب اور سعادت ہے۔ تنخواہوں کی ہرگز فکر نہ کرو بارہ روپے ماہوار کی نوکری ہر صورت مل جائے گی۔ اب تو دین کی خدمت کر کے دکھاؤ۔ مسلمان مارے گئے تو شہید کہلائیں گے' ہندو مارے گئے تو برینٹھ و شینٹھ ہو جائیں گے۔ ڈرو نہیں فوراً چلے آؤ۔ سارا ملک ہمارے ساتھ ہے۔ یہ اعلان خود بھی پڑھو اور دوسروں بھی پڑھاؤ۔ اس کی نقلیں کر کے چھاؤنیوں میں لگا دو تا کہ دونوں قومیں پڑھیں اور حالات سے آگاہ ہو کر اپنا فرض ادا کریں۔ اس امر میں ہرگز کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ ایک

سپاہی کے دست و بازو اس کے ہتھیار ہوتے ہیں۔ اس لئے ہتھیار ضائع نہ کرو اور دہلی پہنچو جہاں سب لوگ اکھٹے ہو رہے ہیں۔ تم دیر کیوں کر رہے ہو؟ ان ہدایات پر عمل کرو۔"

مندرجہ بالا اعلان نامہ کئی امور پر سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس اعلان نامہ کے جاری ہونے تک پنجاب جنگ آزادی میں شریک نہیں ہوا تھا۔ وہاں موجود سپاہی اپنے ہتھیار ضائع کر رہے تھے۔ باغی فوج میں شمولیت کے عیوض تنخواہوں کی یقین دہانی چاہتے تھے۔

سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات کہ اس اعلان نامہ میں فقط ہندوؤں اور مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے جبکہ پنجاب کی آبادی کے بڑے حصے یعنی سکھوں کا ذکر ہی نہیں۔

انبالہ انگریزوں کی بہت بڑی چھاؤنی تھی، اگرچہ یہاں اپریل 1857ء سے ہی ہندوستانی سپاہیوں میں بے چینی کے آثار نمایاں تھے اور 19 اپریل کے پہنچتے ہی یہاں کے حالات خراب ہو گئے اور انگریزوں نے پٹیالہ، نابھہ، مالیر کوٹلہ اور فرید کوٹ کی چھاؤنیوں کے علاوہ جاگیرداروں اور رئیسوں سے بھی مدد طلب کی۔ انبالہ کے خزانے کو دیسی گارڈ سے لے کر گورے گارڈوں کی نگرانی میں دے دیا۔ 29 مئی کو نمبر 5 دیسی پیادہ فوج کی یہاں موجود کمپنیوں سے اسلحہ واپس لے لیا گیا۔ روپڑی میں بغاوت کرنے والی کمپنیوں کو توڑ دیا گیا۔ بغاوت میں ملوث دیسی افسران و جوانوں کو سزائے موت دی گئی۔ یہاں پر 29 افراد کو سزائے موت سنائی گئی جبکہ 135 افراد لڑائی میں لقمہ اجل بنے۔

فیروز پور اسلحہ اور سامانِ جنگ کا ایک بہت بڑا مرکز تھا جہاں دیسی فوج میں مارچ 1857ء سے ہی بے چینی تھی۔ جب میرٹھ اور دہلی سے بغاوت کی خبریں آنے لگیں تو ایک رجمنٹ نے میگزین پر حملہ کیا تاہم اسے بچا لیا گیا، البتہ چھاؤنی کی کئی ایک عمارتوں کو نذر آتش کیا گیا جن میں ایک گرجا گھر بھی شامل تھا۔ یہاں پر انگریزوں نے تیرہ افراد کو پھانسی دی جبکہ پندرہ افراد کو گولی سے اڑا دیا گیا۔

میرٹھ میں ہنگامے کی خبر 11 مئی کو جالندھر پہنچی۔ اسی روز ایک ہندوستانی افسر کو موت کی سزا دی گئی۔ شہر کی حفاظت کیلئے پھلور سے توپیں منگائی گئیں۔ قریبی علاقے کپور تھلہ کے راجہ نے حکومت کی ہر طرح سے مدد کی۔ 7 جون کی رات فوج میں سخت بے چینی پھیل گئی تاہم یہ کسی کاروائی کے بغیر چھاؤنی سے نکل گئی۔ ایک مقامی تحصیل دار ضیاء الدین نے مجاہدین سے نرم برتاؤ اختیار کیا جسے بھی اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے۔

ہوشیار پور میں آتشزدگی کی پہلی کاروائی 3 مئی کو دہلی اور میرٹھ کے ہنگاموں کی اطلاع پہنچنے پر۔

ہوئی۔ ڈپٹی کمشنر نے فوراً پولیس کی نفری بڑھادی اور تحصیل کی عمارت کی حفاظت کیلئے توپیں نصب کی گئیں۔ سپاہیوں کے خط کھول کر پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ انکے درمیان خفیہ خط وکتابت جاری تھی۔ مقامی لوگوں کے باہر جانے اور باہر کے لوگوں کے اندر آنے کے سلسلے کو روکنے کیلئے راستوں کا حفاظتی انتظام انتہائی سخت کیا گیا۔

امرتسر میں 12 مئی کو میرٹھ اور دہلی کی خبریں پہنچیں اور انگریز فوج نے حفاظتی انتظامات سخت کر دیئے۔ یہاں فقیروں کی بڑی تعداد کو حراست میں لیا گیا۔ خزانہ قلعہ گوبند گڑھ منتقل کیا گیا۔ چار نئے حوالات قائم کئے گئے۔ سپاہیوں کے شہر میں داخل ہونے کی ممانعت کی گئی۔ نمبر 35 دیسی فوج کو بغاوت کے شبہ میں غیر مسلح کیا گیا بعد ازاں 9 جولائی کو نمبر 59 دیسی فوج کو بھی غیر مسلح کیا گیا۔ ڈپٹی کمشنر کوپر کی رپورٹ کے مطابق ضلع میں 476 افراد قتل ہوئے۔ دو کو پھانسی دی گئی۔ دو کو توپ سے اڑایا گیا جبکہ 12 کو قید کی سزا دی گئی۔

جولائی کے مہینے کے دوران سیالکوٹ کے سپاہیوں میں بغاوت پھوٹی اور انہوں نے کئی ایک انگریزوں کو قتل کر کے گرداس پور کی راہ لی۔ غالباً یہ لوگ دہلی جانا چاہتے تھے۔ اسی دوران جنرل نکلس اپنے جتھے کے ساتھ امرتسر پہنچا۔ جب اُسے علم ہوا کہ باغی گرداس پور روانہ ہوئے ہیں تو وہ بھی گرداس پور کی جانب بڑھا۔ باغیوں نے 12 جولائی کو گرداس پور سے 9 میل دور دریائے راوی عبور کیا جہاں نکلس نے ان پر حملہ کیا۔ تین سو کے قریب افراد قتل یا زخمی ہوئے۔ بچ جانے والوں نے جموں کشمیر کا رخ کیا جہاں مقامی حکومت نے 600 افراد کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا۔ عام ملازمین اور سائیس وغیرہ کو چھوڑ کر 126 فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔

سیالکوٹ میں مرکزی باغ کے دروازے پر باغیوں نے اپنے اعلانات چسپاں کئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک میں انگریزوں کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا:

"تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں جب لاہور کی طرف کوچ کروں گا تو تمہارے لئے بچ نکلنا مشکل ہوگا اس لئے کہ پنجاب کی پوری فوج میرے ساتھ ہو جائے گی۔ یقین رکھو پنجاب کبھی بھی تمہاری ملکیت نہیں ہوسکتا۔ میں جانتا ہوں کہ اس صوبے میں تمہاری ہڈیاں پیسی جائیں گی۔ اپنی بھلائی پہچانو اور فوراً یورپ نکل جاؤ۔"

اس اعلان کے نیچے شمشیر سنگھ، کمانڈر انچیف درج تھا۔

فوجی بھرتی کا اہم مرکز جہلم بھی بغاوت میں پیش پیش تھا، 7 جولائی کو جہلم کی فوج میں سے ڈھائی سو سپاہی بھاگنے میں کامیاب ہوگئے تاہم انگریزوں سے باقاعدہ تصادم کے نتیجے میں ڈیڑھ سو کے قریب مارے گئے۔ انگریزوں نے دریائے جہلم کا پل توڑ دیا، باقی لوگ جموں کی طرف نکل گئے۔ ان لوگوں کا تعاقب کیا گیا۔ کچھ تو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے تاہم چند ایک کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتار شدگان پر کئی روز تک فوجی عدالت میں مقدمہ چلا کر موت کی سزا دی گئی۔ جموں کی طرف جانے والے افراد کو بھی اعلانات کے مطابق موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

راولپنڈی کی دو رجمنٹوں کے 26 سپاہی ہتھیار لے کر فرار ہوگئے۔ تعاقب کے دوران اکثر مارے گئے۔ جبکہ گرفتار شدگان کو سزائے موت دی گئی۔ راولپنڈی میں ہونے والی دیگر بغاوتوں میں ملوث 108 افراد کو فوجی عدالتوں سے جبکہ 237 افراد کو دیوانی عدالتوں سے سزائیں دی گئیں۔

ملتان اور ساہیوال میں دیسی فوج سے 18 جون کو ہتھیار لے لئے گئے۔ گوگیرہ میں تعینات فوج کو بھی غیر مسلح کیا گیا۔ فوج سے ہتھیار لینے والے دن ہی رجمنٹ نمبر 69 کے چار سپاہی فرار ہوگئے۔ ان میں سے ایک گرفتار ہوا اور موت کی سزا کا حقدار قرار پایا۔ پھانسی سے ایک رات قبل جان بخشی کے وعدے پر اس سپاہی نے تمام راز فاش کر دیئے۔ جس کی بنا پر صوبیدار ناصر خان اور بعض دیگر افراد کو گرفتار کیا گیا۔ ناصر خان پر 18 جولائی کو علیحدہ مقدمہ چلا کر 24 جولائی کو پھانسی دی گئی۔ ناصر خان کے علاوہ دس دیگر افراد پر بھی مقدمہ چلا اور سزائے موت سنائی گئی۔

شملہ کے علاقے کیسولیج میں گورکھوں نے خزانہ لوٹا اور ہنگامہ آرائی کی۔ سپاہیوں میں ایک شخص رام پرشاد بیراگی پر الزام لگایا گیا کہ اس نے خطوط کے ذریعے لوگوں کو مشتعل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بیراگی کو انبالہ لے جا کر پھانسی دی گئی۔

عام شہریوں کی بغاوت میں لدھیانہ بھی پیش پیش رہا۔ ڈپٹی کمشنر نے ضلع کے رؤسا اور چودھریوں کی مدد سے حالات کو کنٹرول کیا اور خزانہ محفوظ رہا۔

ایک مولوی نے شہر کی آبادی کو جہاد پر آمادہ کیا۔ جب اِدھر اُدھر سے مزید ہندوستانی فوجی وہاں پہنچے تو مولوی صاحب نے اپنے معتقدین کو ان کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دی۔ ایک سبز جھنڈا تیار کیا گیا اور تمام لوگ دہلی روانہ ہوئے۔ 17 جون کو ڈپٹی کمشنر نے شہریوں سے ہتھیار لے لیے، ان ہتھیاروں سے گیارہ گاڑیاں بھر گئیں۔ جالندھر سے پہنچنے والی فوج نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ ان فوجیوں کو فقط گولہ بارود کی

ضرورت تھی اس لئے گولہ باڑود حاصل کر کے، دوسرے دن قلعہ خالی کر دیا۔ بعد ازاں ڈپٹی کمشنر نے قلعہ کے ارد گرد تین سو گز تک تمام مکانات مسمار کرا دیئے۔ ہندستانیوں کو وہاں سے نکال دیا اور شہریوں پر بھاری جرمانہ عائد کیا۔

ہزارہ کی کرراں برادری کے افراد نے مری پر حملہ کا ارادہ کیا تو یہاں کے حالات انتہائی تشویشناک ہو گئے۔ مری میں تین افراد ڈاکٹر رسول بخش، سید امیر علی اور سید کرم علی نے تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔

ڈاکٹر رسول بخش اور سید امیر علی سرکاری ملازم تھے جبکہ سید کرم علی قلعی گر کی حیثیت سے پھیرا لگایا کرتے تھے۔ سید کرم علی کو گرفتار کیا گیا اور 19 ستمبر 1857 کو پھانسی دی گئی جبکہ ڈاکٹر رسول بخش اور امیر علی کو بھی گرفتار کیا گیا اور 17 اکتوبر 1857 کو انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔

لاہور میں میرٹھ اور دہلی کی خبریں پہنچنے سے شہر میں صورتحال بگڑ گئی، افواہیں پھیلنے لگیں تو شہر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ حفاظت کیلئے نئی فوج کی بھرتی کی گئی۔ فقیروں، درویشوں اور بیراگیوں کو شک کی بنیاد پر گرفتار کیا جانے لگا اور حکم جاری کیا گیا کہ لاہور کے قلعہ میں چھ ماہ تک چھ ہزار افراد کیلئے خوراک کا ذخیرہ کیا جائے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حالات قابو سے باہر ہو گئے تو انگریز قلعہ بند ہو جائیں گے۔ 12 مئی کو فیصلہ کیا گیا کہ میاں میر کی دیسی فوج کو غیر مسلح کیا جائے۔ یہ منصوبہ ایسی رازداری سے بنایا گیا کہ چند افسران کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس رات انگریزوں نے ایک رقص پارٹی کا اہتمام کیا اور اس پارٹی کے دوران گورا پلٹن کو پریڈ میدان پہنچایا گیا۔ جگہ جگہ توپیں نصب کی گئیں اور سپاہیوں سے کہا گیا کہ مختلف جگہوں پر دیسی افواج نے سرکشی کی ہے۔ آپ سے ہتھیار لینے کا مقصد آپ پر بداعتمادی نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ لوگ دوسری رجمنٹوں کی پیروی کرنا بھی چاہیں تو یہ ممکن نہ ہو اور خطرات سے محفوظ رہیں۔ اس وقت انتظامات اتنے مکمل تھے کہ سپاہیوں نے بغیر کسی چوں و چرا کے ہتھیار واپس کر دیئے۔

میاں میر کی غیر مسلح 26 ویں رجمنٹ کے ساتھ بعد ازاں جو کچھ ہوا وہ برطانوی استبداد کا ایک بھیانک نمونہ تھا۔

غیر مسلح ہونے کے بعد بھی اس رجمنٹ کے سپاہیوں کے جذبات بدستور مشتعل رہے یہاں تک کہ 30 جولائی کو انہوں نے اپنے کمان افسر اور سارجنٹ میجر کو ہلاک کر دیا اور راہِ فرار اختیار کی تاہم آندھی کے باعث بھٹک کر وہ دریائے راوی کے کنارے جا پہنچے۔ ایک چوکیدار سلطان خان کی غداری اور مخبری کے

باعث یہ لوگ گھیر لئے گئے۔ سخت لڑائی میں رجمنٹ کے ڈیڑھ سو افراد مارے گئے۔ باقی گرفتار کئے گئے یا راوی میں ڈوب گئے۔ امرتسر کے ڈپٹی کمشنر فریڈرک کوپر کا خیال تھا کہ انہیں اسی وقت موت کے گھاٹ اتارا جائے تاہم سخت بارش کی وجہ سے یہ معاملہ اگلی صبح تک مؤخر کیا گیا۔ رات کو مزید چھیاسٹھ فوجی گرفتار کر کے لائے گئے۔ اب دوسو بیاسی باغی اجنالے کے تھانے میں دشمن کے آخری فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ صبح انہیں ایک برج میں بند کر دیا گیا۔ پھانسی دینے کیلئے بہت سارے رسے منگوائے گئے تاکہ بیک وقت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پھانسی دی جاسکے۔ ضرورت پڑنے پر قیدیوں کو گولی مارنے کے لئے ایک اور دستہ بھی طلب کیا گیا۔ تھانے سے ایک سو گز کے فاصلے پر ایک خشک کنواں تھا جسے لاشیں پھینکنے کیلئے منتخب کیا گیا۔ یکم اگست کو تمام مسلمان سپاہیوں کو رخصت پر بھیج دیا گیا تاکہ وہ امرتسر جا کر عید منا سکیں۔ یہاں صرف تحصیل دار کوپر اور سکھ جوان یا سکھ رئیس باقی رہ گئے۔ اجنالے کے اردگرد سخت پہرہ عائد کیا گیا تاکہ کوئی ادھر نہ آنے پائے۔ سزائے موت کا یہ طریقہ وضع کیا گیا کہ دس دس کی ٹولیوں میں قیدیوں کو باہر لایا جاتا، ان کے نام اور پتے درج کئے جاتے اور انہیں اس جگہ بھیجا جاتا جہاں سپاہی انہیں گولی سے اڑانے کے لئے تیار تھے۔

کوپر اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ مقتل کی جانب جاتے ہوئے یہ لوگ غصے اور جوش کی حالت میں کہتے جاتے: ”تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوگا۔“

جب ڈیڑھ سو افراد موت کے ہم آغوش ہو چکے تو گولی چلانے والے سکھوں کے دستے میں سے ایک سپاہی کو غشی آ گئی۔ چنانچہ سلسلہ قتل کو کچھ دیر کیلئے ملتوی کیا گیا۔ دوسو بتیس قیدی مارے جا چکے تو معلوم ہوا کہ باقی قیدی باہر نہیں آ رہے ہیں۔ یہ سمجھا جا رہا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی وہ باہر کی طرف لپکیں گے اور دوبدو لڑائی کی کوشش کریں گے۔ اس لئے دروازہ کے باہر سخت پہرے کا بندوبست کیا گیا تھا لیکن بند دروازے کے پیچھے قیدی تھکان، گرمی اور دم گھٹنے کی وجہ سے ختم ہو چکے تھے۔ پینتالیس لاشیں باہر نکالی گئیں۔ انبالہ کے بھنگیوں نے انہیں بھی دوسرے باغیوں کے ساتھ خشک کنویں میں پھینک دیا۔ اس کنویں پر ایک اونچا چبوترہ بنایا گیا اور انگریزوں نے اسے ”مفسد گھر“ نام دیا۔

لاہور کے بارے میں 14 جون کو چیف کمشنر کے سیکریٹری کی جانب سے روانہ کی گئی رپورٹ میں کہا گیا:

”لاہور میں فوجی عدالتوں کا کام جاری ہے۔ گیارہ قیدیوں کو ملازمت چھوڑ کر بھاگ جانے کے جرم میں سزائے موت دی گئی، جسے جنرل گوون نے قید میں تبدیل کر دیا ہے۔ 25 ویں نمبر پیادہ فوج کے دو

سپاہیوں کو انارکلی میں توپ دم کیا گیا ہے کیونکہ وہ لوگوں کو بغاوت پر اُکسا رہے تھے۔"

جنگِ آزادی کی دنوں میں برطانوی سامراج کی پالیسیوں اور وطن دوست عناصر کے خلاف کاروائی کو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز نے اپنی مختلف تحریروں اور رپورٹوں میں تفصیل سے قلمبند کیا ہے۔ ان کا تفصیلی ذکر کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گا تاہم آیئے کارل مارکس اور اینگلز کی پنجاب کے حوالے سے رپورٹوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں:

مارکس 1857ء سے آٹھ سال قبل 1849ء میں چیلیانہ والہ میں مقامی افراد اور انگریز لشکر کی لڑائی میں 2300 انگریزوں کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہیں۔

وہ اپنے ایک مضمون "ہندوستانی فوج کی بغاوت" میں لکھتے ہیں:

"پنجاب اور سندھ کی فتح سے برطانوی ہندوستانی سلطنت نہ فقط اپنی اصلی سرحدوں تک پھیل گئی ہے بلکہ اس نے خودمختیار ہندوستانی ریاستوں کے آخری نشانات بھی مٹا دیئے ہیں۔"

1855ء کے ایک واقعہ کو موضوع بناتے ہوئے مارکس لکھتے ہیں:

"انتہائی شدید جبری وصولی اور تشدد کی غیر معمولی کاروائی کو اعلیٰ اہلکار کس روشنی میں دیکھتے ہیں، اس کا اظہار 1855ء میں پنجاب کے لدھیانہ ضلع کے کمشنر مسٹر بریرٹون کے واقعہ سے ہوتا ہے۔ پنجاب کے چیف سیکریٹری کی رپورٹ کے مطابق یہ ثابت ہوا کہ متعدد واقعات میں خود ڈپٹی کمشنر کی مرضی یا ہدایت سے شہر کے امراء و روٴسا کے گھروں اور املاک کی بلاوجہ تلاشی لی گئی۔ ایسے مواقع پر ضبط شدہ املاک طویل مدت تک ضبط رہی۔ اَنگنت لوگ جیلوں میں بند کیئے گئے اور وہاں کسی چارج شیٹ کے بغیر ہفتوں تک محبوس رہے۔ ضمانت نہ ہونے کیلیئے قوانین کا انتہائی امتیازی اطلاق کیا گیا۔ بعض پولیس افسران اور سرکاری مخبر ضلع ضلع گشت کے دوران ڈپٹی کمشنر کے ساتھ رہے اور ان کی خدمات کا برطانوی سرکار نے بھرپور استعمال کیا۔"

واضح رہے کہ لارڈ ڈلھوزی کا اس ضمن میں کہنا تھا کہ "ہمارے پاس ناقابل تردید ثبوت تھے۔ ایسے ثبوت جس سے خود مسٹر بریرٹون بھی انکار نہیں کر سکتے کہ متعلقہ افسر بے قاعدگی اور غیر قانونی اقدامات میں ملوث ہیں۔ وہ اقدامات جن کے لئے چیف کمشنر نے انہیں ذمہ دار ٹھہرایا اور جنہوں نے برطانوی انتظامیہ کے ایک حصے کو بدنام کیا ہے اور آبادی کے بڑے حصے کو سخت ناانصافی اور قید و ظالمانہ اذیتوں کا نشانہ بنایا ہے۔"

ایک جگہ کارل مارکس لکھتے ہیں:

''پنجاب میں فیروز پور کے مقام پر 45 ویں اور 57 ویں دیسی پیادہ رجمنٹوں نے بغاوت کی تاہم اسے طاقت سے دبا دیا گیا۔ لاہور سے غیر سرکاری نامہ نگار لکھتے ہیں کہ پورے کا پورا دیسی رسالہ علی الاعلان بغاوت کئے ہوئے ہے۔

راولپنڈی سے خبر آئی کہ تین دیسی سردار سازش کر رہے ہیں۔ سر جان لارنس نے اس پر اپنے حکم نامہ میں کہا کہ ایک جاسوس ان کے جلسے میں شریک ہو۔ جاسوس کی رپورٹ پر سر جان لارنس نے دوسرا پیغام بھیجا کہ ''ان کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہے۔''

''پنجاب میں دیسی فوج توڑ کر ہی کھلم کھلا بغاوت کی جا سکتی ہے۔ اب انگریز فوج کی اصل پوزیشن کا ٹھیک ٹھاک پتہ اس بات سے لگتا ہے کہ پنجاب اور راجپوتانہ میں فلائنگ کارپس قائم کرنا ضروری سمجھا گیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انگریز نہ اپنے سپاہیوں پر اور نہ ہی دیسی لوگوں پر انحصار کر سکتے ہیں۔''

جموں کشمیر، جیند، نابھ، کرنال، کپورتھلہ، پٹیالہ اور بہاولپور کی ریاستوں کے والیوں نے دہلی کی فتح کیلئے انگریزوں کو اپنی فوج اور مالی امداد سے نوازا۔ جبکہ کچھ ریاستوں نے بغاوت میں حصہ لیا۔ اس ضمن میں جھجھر کے نواب عبدالرحمٰن خان، کلو کے پرتاب سنگھ اور بلب گڑھ کے ناھر سنگھ قابلِ ذکر ہیں۔ جن ریاستوں کے والیوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا وہاں بھی تھوڑے ہی عرصہ میں بے چینی کے جذبات نمودار ہونے لگے۔ لکھنو پر حملے کی تفصیل کا جائزہ لیتے ہوئے فریڈرک اینگلز سکھوں میں اس تبدیلی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اور سب سے آخر میں سکھوں نے جس انداز میں بولنا شروع کیا ہے وہ انگریزوں کیلئے نیک شگون نہیں۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کی مدد کے بغیر انگریز ہندوستان پر اپنا تسلط برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ کہ اگر وہ بغاوت میں شامل ہوئے تو کم از کم کچھ عرصہ کیلئے ہی سہی انگریزوں کو ہندوستان سے نکلنا ضرور پڑتا۔ یہ بات وہ کھلے عام کرتے ہیں۔ انہیں اب انگریز نسل اعلیٰ و ارفع نظر نہیں آتی جس نے فیروز شاہ اور علی وال کے مقام پر انہیں شکست دی تھی۔ اس یقین سے کھلی دشمنی تک مشرقی قوموں کو بس ایک قدم اور اٹھانا ہوگا۔ ایک چنگاری شعلے کو بھڑکا سکتی ہے۔''

''..... ہو سکتا ہے کہ پنجاب کو بھی، پھر سے جیتنا پڑے لیکن اگر اچھے سے اچھے حالات بھی رہے تب بھی انہیں ایک طویل اور پریشان کن گوریلا جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہندوستان کا گرم موسم برداشت کرنا یورپ کے باسیوں کیلئے کوئی سہل بات نہیں ہوگی۔''

اپنے ایک اور مضمون میں اینگلز لکھتے ہیں:

"... اس وقت یہ نفرت اگرچہ کمزور اور بے بس ہے پھر بھی یہ اہمیت سے خالی نہیں جب سکھ پنجاب پر خطرناک بادل کی طرح چھایا ہوا ہے۔"

جھنگ میں بغاوت

انگریزوں نے ضلع جھنگ پر قبضہ تو 1848 میں کر لیا تھا اور سکھ حکومت کے تمام کارندوں کو برخاست کر دیا تھا، تاہم پڑوسی اضلاع ملتان اور ساہیوال میں برپا شورش کی وجہ سے انہیں یہاں انتظامی استحکام حاصل نہیں ہو پایا تھا۔ 1848 میں جیس مل نامی شخص نے اپنی فوج بنا کر کچھی اور وچھن کے علاقوں میں مار دھاڑ شروع کر دی۔ وہ زمینداروں سے مال اور تاوان وصول کرتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ سکھوں اور انگریزوں کے درمیان جاری جنگ سے فائدہ اٹھا کر وہ اس علاقے پر مستقل طور پر قابض ہو سکتا ہے۔ جیس مل کی مقامی فوج میں ہر مذہب اور فرقے سے تعلق رکھنے والے نادار و بے کس لوگوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔

انگریزوں نے اس فوج کی بیخ کنی کے لئے نواب محمد اسماعیل خان کو مقرر کیا، جس نے انگریز سرکار کے نمائندے کی طور پر جیس مل کا مقابلہ کیا، ان کے درمیان کچھی کے علاقے میں ہونے والا تصادم قابلِ ذکر ہے۔ بالآخر نواب اسماعیل کامیاب ہوا اور جیس مل ساہوکاروں سے لوٹی ہوئی رقم اور سونا سات خچروں پر رکھ کر تھل کی جانب نکل گیا۔ جیس مل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد نواب اسماعیل نے ملتان کا رخ کیا اور دیوان مولراج سے برسرِ پیکار انگریز فوج کا ساتھی بنا۔

ملتان کے معرکے اور بعد ازاں 1857 کی جنگ آزادی کو کچلنے میں انگریزوں کا ساتھ دینے والے رؤسا اور زمینداروں کو 1860 میں جاگیریں عطا کی گئی جبکہ انگریزوں کی مخالفت کرنے والے افراد کی املاک ضبط کی گئی۔

اس ضمن میں جھنگ شہر کے نواب اسماعیل خان کو خان بہادر کا خطاب، دو ہزار روپے کی مستقل جاگیر اور پانچ سو روپے کی خلعت عطا کی گئی۔

پنجاب کے رئیسوں کی غداری

پنجاب کے قبضہ کے بعد انگریزوں نے مختلف اضلاع کے زمینداروں، رئیسوں اور دیگر با اثر افراد کی فہرست مرتب کی۔ جھنگ میں سیالوں، سیدوں، کاٹھیوں، کھرلوں، اعوانوں اور چنیوٹ کے کھوجوں اور ہندو رئیسوں کے نام کمشنر ملتان کو بھیجے گئے۔ یہ سب وہ لوگ تھے جنہوں نے انگریزوں سے وفاداری کا عہد کیا

تھا۔ ان لوگوں کو سرکاری قافلے میں ملتان پہنچایا گیا جہاں پر کمشنر ایڈورڈ نے ہر ایک کی حیثیت کا تعین کر کے چیف کمشنر پنجاب کرنل لارنس کو مطلع کیا۔ جنوری 1858 میں پنجاب کے ان امرا کو لاہور میں چیف کمشنر کے سامنے پیش کیا گیا جہاں ان وطن فروشوں کو جاگیریں عطا ہوئیں اور رائے بہادر، خان بہادر اور خان صاحب وغیرہ کے القاب دیئے گئے۔ کچھ صوبائی درباری بنائے گئے تو کچھ ضلعی درباری تو کچھ کرسی نشین ٹھہرے۔ ضلع جھنگ کے جن رؤسا و اُمرا کو انعام یافتہ قرار دیا گیا اُن میں نواب اسماعیل خان سیال اور اس کا بھائی مہر رجب علی خان رجبانہ، محمد حسین قریشی، دولت خان اعوان، احمد خان ہراج، احمد یار لاشاری بلوچ، شیخ محمد احمد، رجوعہ حیدر شاہ اور بہادر شاہ شامل تھے۔

دیوان مولراج کے مقابلے میں انگریزوں کی فتحِ ملتان کے وقت اگرچہ ملتان، جھنگ، ساہیوال اور مظفر گڑھ کے رؤسا کی ہمدردیاں تو انگریزوں کے ساتھ تھیں، تاہم عوام میں غیر ملکی حملہ آوروں اور ان کے مقامی حواریوں کے خلاف سخت نفرت پھیلی ہوئی تھی۔ ملتان میں سینکڑوں خواتین نے عصمت دری کے خوف سے کنویں میں چھلانگ لگائی۔ علماء اور فقراء نے سیاسی معاملات سے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ عوام میں انگریزوں کے خلاف عدم تعاون کا رجحان تو تھا لیکن منظم قیادت نہ ہونے کی وجہ سے یہ جذبہ مضبوط تحریک نہ بن سکا۔

جلا بھروانہ کی بغاوت

تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ کے ایک متوسط زمیندار جلال عرف جلا بھروانہ نے کبھی بھی انگریز اطاعت قبول نہیں کی۔ اس نے اپنی جوانی کے ایام مین بھی رنجیت سنگھ اور کھڑک سنگھ کے خلاف تلوار اٹھائی تھی اور نواب احمد خان کی حمایت مین سپاہی فراہم کر کے سکھوں سے مقابلہ کیا تھا۔ کھڑک سنگھ نے اس کی جائیداد ضبط کی اور وہ یہ پورا عرصہ اپنے علاقے سے دور بہاولپور میں روپوش رہا۔ جیس مل کی بغاوت کے ایام میں وہ اپنے وطن لوٹ آیا، تاہم انگریز ڈپٹی کمشنر سے ملاقات کا بلاوہ ٹھکرا کر اُس سے ملاقات سے انکار کیا تو ڈپٹی کمشنر کے حکم پر جلا بھروانہ کو فیروز پور قلعہ میں قید کیا گیا اور اسی قلعہ میں حراست کے دوران فوت ہو گیا۔

میرٹھ کی بغاوت کے اثرات

10 مئی 1857 کو ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر کے بغاوت کی اور دہلی کی جانب روانہ ہوئے تو یہ خبر ملک کے دیگر حصوں کی طرح ملتان بھی پہنچی اور انگریز فوج کی پلٹن نمبر 62 اور 69 نے بغاوت کر دی۔ دوسری جانب جھنگ کی فوجی چھاؤنی گوگیرہ کے انچارج برکلے کے سخت رویہ کی وجہ سے نواب احمد خان کھرل بھی باغی ہو گیا۔ جھنگ میں یہ بغاوت چاروں

طرف سے بھیلی۔ کمالیہ و گوگیرہ میں نواب احمد خان کھرل مصروف تھا تو چنیوٹ میں مولانا نور احمد نقشبندی کے پیروکار برسرِ پیکار تھے۔ ملتان کی پلٹن نمبر 62 کا صوبیدار ناھر خان باغی ہو کر دریائے چناب کے کنارے اپنے ساتھیوں کو بغاوت پر اکسا رہا تھا جبکہ قصبہ حویلی بہادر شاہ کے پیر احمد شاہ گیلانی کچھ سیالوں اور قریشیوں کے ہمراہ ڈاک چوکیوں کو لوٹنے اور انگریزوں کو پریشان کرنے میں مصروف تھا۔

مولانا نور احمد نقشبندی

چنیوٹ کی شاہی مسجد کے امام مولانا نور احمد نقشبندی نے انگریزوں سے عدم تعاون کا فتویٰ جاری کیا اور شاہی مسجد سے تقریریں کرنا شروع کر دیں۔ اس وقت مسجد کے خطیب سعید الدین خلیفہ نے ڈپٹی کمشنر سے ان کی شکایت کی چنانچہ مولانا کو گرفتار کر کے برہنہ پا جھنگ کی عدالت میں لایا گیا۔ جب ڈپٹی کمشنر نے اُن سے فتویٰ جاری کرنے اور لوگوں کو بغاوت پر اُکسانے سے متعلق دریافت کیا تو مولانا نے اس کی تردید نہیں کی۔ ڈپٹی کمشنر کا کہنا تھا کہ وہ علماء کی قدر کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ مولانا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کریں، اس لئے وہ اپنا فتویٰ واپس لیں اور معافی مانگیں۔ مولانا کے انکار پر انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

راجہ ناھر خان

چیف کمشنر پنجاب کرنل لارنس نے ملتان اور گوگیرہ چھاؤنی میں تعینات ہندوستانی سپاہیوں سے ہتھیار واپس لینے کا حکم جاری کیا۔ ان دو چھاؤنیوں سے پنجاب کا تقریباً نصف حصہ کنٹرول کیا جاتا تھا۔ جب راجہ ناھر خان کو اس حکم نامے کا علم ہوا تو اُس نے اپنے سپاہیوں کو چھاؤنی سے نکلنے اور اسلحے پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ پلٹن نمبر 69 کے تمام سپاہی چھاؤنی سے نکل کر دریائے چناب کے کنارے جا پہنچے۔ نصف سپاہیوں نے مغربی کنارہ اور باقی نصف نے مشرقی کنارہ سنبھالا۔ راہ میں آنے والے ہر گاؤں کے لوگوں کو بغاوت پر اکسا کر انہیں ڈولی شاہ میدان میں جمع ہونے کی منادی دینے لگے۔ ڈولی شاہ کا میدان حویلی بہادر شاہ کے شمال میں واقع ہے۔ دریا کے کنارے وسیع جنگل اور میدان تھے جہاں پیر احمد شاہ گیلانی سپاہ فراہم کرنے میں مصروف تھا۔ پیر احمد شاہ کے ذمے فقط اسلحہ فراہم کرنا اور انگریزی ڈاک چوکیوں اور فوجی قافلوں کے راستے بنانے کا ذمہ تھا۔ اس زمانے میں ڈاک چوکیاں عموماً دریا کے کنارے قائم تھیں۔ باغیوں نے بے شمار اسلحہ چھینا۔ کچھی اور وچھن کا پورا علاقہ مجاہدوں کا ساتھی بن گیا۔ خوراک اور اسلحہ کے انبار جمع ہونے لگے۔ عام لوگ بھی کاروبارِ زندگی چھوڑ کر جہدِ آزادی میں شامل ہوئے۔ راجہ ناھر گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا رہا۔ ایک دن اپنے دس سپاہیوں کے ساتھ وہ ماچھی وال سے کشتی میں بیٹھ کر تریموں جا رہا تھا کہ مخبروں کی

اطلاع پر ایک چھوٹا بحری جہاز جو دریائی سفر کیلئے ملتان میں رکا ہوا تھا، تریمو کی طرف سے شمال کی جانب بڑھنے لگا، جہاز کو دیکھ کر راجہ ناہر خان نے کشتی کنارے لگانے کی کوشش کی تا کہ جنگل میں چھپ سکے لیکن کنارے کے قریب ہی نہیں پہنچا تھا کہ اُس پر بندوقوں سے حملہ شروع کر دیا گیا۔ بیچ دریا میں کشتی روک کر مقابلہ کیا گیا۔ جب راجہ کے کارتوس ختم ہو گئے اور بحری جہاز نے قریب آ کر گھیرا کیا تو اُس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ کچھ سپاہی تو بچ نکلے تاہم راجہ ناہر خان کچھمن تیواڑی، شوسہارے سنگھ، راج ودلر سنگھ، سیتا رام سنگھ، مکھی رام ڈوبے، ٹھاکر پانڈے، پرانگ سنگھ، اجودھیا کے استو، میجر سبحان علی اور کچھمن سنگھ سمیت گرفتار ہوا۔ 18 جون 1857 کو ان تمام قیدیوں کو جھنگ لا کر قلعے میں قید کیا گیا اور مقدمے کے لئے ایک فوجی کمیشن مقرر کیا گیا۔

فوجی کمیشن کے الزامات

ان مجاہدین پر لگائے گئے الزامات میں سے چار انتہائی سنگین درج ذیل تھے:

۱۔ راجہ ناہر خان نے 7 جون کو سپاہیوں سے کہا کہ وہ انگریز افسران کے احکامات کی تعمیل نہ کریں۔

۲۔ اپریل اور مئی میں جب راجہ کو میرٹھ کے بغاوت کی اطلاع ملی تو اُس نے اپنے افسران کو ان اس صورتحال سے آگاہ نہیں کیا۔

۳۔ 11 جون کو راجہ نے سپاہیوں سے کہا کہ رجمنٹ 69 توڑ دی گئی ہے جبکہ یہ بات غلط تھی۔

۴۔ ملتان چھاؤنی سے بلا اجازت بھاگ کر مقبوضہ علاقوں میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔

چونکہ ان الزامات کی تائید کیلئے کمیشن کو مطلوبہ گواہ نہیں مل پا رہے تھے چنانچہ کچھی اور بوچھن سے دو غداروں برکت علی گجر جاٹ اور شیر داد خان بلوچ کو خرید ا گیا۔

ان غداروں کا کام یہ تھا کہ وہ گاؤں گاؤں پھیرا لگا کر مجاہدوں کی حمایت میں لوگوں سے بات چیت کر کے ان کا اعتماد حاصل کرتے اور پھر مجاہدوں کی سرگرمیوں کا پتہ لگاتے۔ ان وطن فروشوں نے مختلف دیہات کے انگنت لوگوں کے نام پتے لکھ کر کمیشن کو دیئے اور کمیشن ان افراد کو طلب کر کے دونوں غداروں کی موجودگی میں بیانات قلمبند کرتا۔ اگر گواہ جھجکتے تو وہ انہیں قرآن کا حوالہ دیکر سچ بولنے پر مجبور کرتے۔

کمیشن نے کچھ گواہوں کے بیانات قلمبند کر کے تمام گرفتار شدگان کو سزائے موت سنائی۔ ان مجاہدین کو 7 ستمبر 1857 کی صبح جھنگ کے قلعے میں پھانسی دے کر لاشیں دریا برد کر دی گئیں۔

کچھمن نائیک نے پھانسی سے ایک رات قبل کہا: "افسوس کہ ہم ناکام ہو گئے ورنہ اسی قلعے میں انگریزوں کو پھانسی لگاتے۔"

ایک بیس سالہ نوجوان پھانسی گھاٹ جاتے ہوئے گھبرانے لگا تو کچھن نائیک نے اس پر غصہ کرتے ہوئے کہا: "افسوس کہ میرے ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہیں ورنہ پھانسی سے پہلے ہی تمہیں ختم کر دیا۔ تم اس موت پر افسوس کر رہے ہو جس کی تمنا صوفی اور اوتار کرتے ہیں۔"

چیف کمشنر پنجاب کا حکم

راجا ناھر خان اور ساتھیوں کی گرفتاری کے بعد پنجاب کے چیف کمشنر لارڈ لارنس نے کمشنر ملتان کے نام ایک سرکلر جاری کیا جس میں پلٹن نمبر 69 کے بارہ سو فوجیوں کی بغاوت اور ان کی سرگرمیوں کے سد باب کی ہدایات کی گئی تھی۔ راجہ ناھر خان اپنے گیارہ سو ساتھیوں سمیت ملتان چھاؤنی سے جون کے مہینے میں ہی فرار ہو گیا تھا تاہم باقی بارہ سو فوجی جن سے اسلحہ واپس لے لیا گیا تھا تا حال چھاؤنی میں تھے۔ ان میں سے بھی اکثر سپاہی چھاؤنی سے بھاگ نکلے۔ کچھ بہاولپور کی طرف گئے جہاں راجپوتانہ میں جاری تحریک کا حصہ بنے۔ کچھ تلنبہ اور ساہیوال جا کر نواب احمد خان کھرل کی قیادت میں لڑائی میں شامل ہوئے جبکہ کچھ جھنگ کے علاقے اور وچھن میں پیر احمد شاہ گیلانی کے ہاں پناہ گزین ہوئے۔ ان سرگرمیوں کے حوالے سے چیف کمشنر نے اپنے سرکلر میں تحریر کیا:

"کمشنر ملتان کو تعمیل کیلئے مراسلہ نمبر 85 یکم ستمبر 1857 کے تحت حکم دیا جاتا ہے کہ مفرور اور نمک حرام سپاہیوں کو جہاں بھی ملیں گرفتار یا قتل کیا جائے اور ان کی ہلاکت پر کوئی مقدمہ قائم نہ کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں باغی سپاہیوں کی گرفتاری پر فی کس بیس روپے سرکار کی جانب سے انعام دیا جائے گا۔ جبکہ مفرور مجرموں کی گرفتاری میں مدد دینے والے کو بھی نقد انعام دیا جائے گا۔"

مندرجہ بالا سرکلر کی نقلیں نمبر داروں، ذیلداروں اور دیگر رؤسا کو جاری کی گئیں اور انہوں نے سینکڑوں اونٹ، گھوڑے اور ہزاروں سپاہی مجاہدین کا مقابلہ کرنے کیلئے ڈپٹی کمشنر کے سپرد کئے۔

پیر احمد علی شاہ گیلانی

حویلی بہادر شاہ کے پیر احمد علی گیلانی ساہیوال کی مشہور روحانی شخصیت حضرت شاہ مقیم حجرہ شاہ مقیم سے روحانی اور رشتہ داری کا تعلق رکھتے تھے۔ شاہ مقیم کی اولاد میں پیر نادر شاہ نواب احمد خان کھرل کے رفقا میں سے تھے۔ ان دونوں کے درمیان رشتہ داری کے علاوہ وطن پرستی کا جذبہ بھی قدر مشترک تھا۔ پیر احمد شاہ نے ہی راجہ ناھر خان کی سربراہی میں ملتان چھاؤنی سے فرار ہونے والے سپاہیوں کو پناہ دی تھی۔ اس دوران پیر احمد شاہ کو اطلاع ملی کہ ایک سو فرنگی سپاہیوں کا جتھہ لاہور سے ملتان جانے کیلئے حویلی بہادر شاہ پہنچے ۱۱۱

ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ہزار رفقاء کے ہمراہ حویلی بہادر شاہ کے قریب ڈولی شاہ میدان میں مورچہ ڈالا تاکہ انگریزوں پر حملہ کیا جاسکے۔ انگریز فوج کے قریب پہنچنے پر لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح مقامی افراد نے اُن پر حملہ کر دیا جس کے دوران 57 انگریز افسر اور سپاہی جبکہ ڈھائی سو کے قریب مقامی افراد ہلاک ہوئے۔ چونکہ مقامی افراد آتشی اسلحہ سے محروم تھے اس لئے انگریز فوجیوں کی گولیوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکے اور شکست کھا کر فرار ہوگئے۔ جب ڈپٹی کمشنر جھنگ کو یہ اطلاع پہنچی تو وہ کمک لے کر آیا اور ارد گرد کے دیہات میں تباہی مچائی۔ ایک ماہ بعد جب اس علاقے میں امن وامان قائم ہوا اور لوگ اپنے گھروں کو واپس آئے تو انہوں نے تمام ہلاک شدگان کو ایک گڑھا کھود کر مشترکہ طور پر دفن کیا۔ یہ قبرستان آج بھی "قبرستانِ شہیداں" کے نام سے مشہور ہے۔

رجمنٹ نمبر 46 کی بغاوت

ابھی ڈولی شہید کے واقعات تازہ ہی تھے کہ سیالکوٹ چھاؤنی میں موجود انگریز فوج کی رجمنٹ نمبر 46 نے بغاوت کر دی اور سپاہی دریائے چناب کے ذریعے کچھی اور تریموگھاٹ پہنچنے لگے۔ یہ باغی نیو انفنٹری رجمنٹ سے وابستہ تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا حقیقی بھائی مرزا غلام قادر انگریز فوج میں ملازمت اختیار کر چکا تھا اور اسے جنرل نکلسن کی نگرانی میں باغیوں کو ختم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

چنانچہ مرزا غلام قادر فوج کے ہمراہ تریموگھاٹ پہنچا اور باغیوں کی سرکوبی میں کامیاب رہا۔ اس خاندان کی انگریز بہادر کی خدمات کے صلے میں دی گئی اسناد کی نقول اس کتاب میں شامل ہیں۔

ملتان

جب مختلف مقامات سے بغاوت وفسادات کی خبریں ملتان پہنچنے لگیں تو سپاہیوں نے مقامی کمانڈر سکندر کی پلٹن کے سواروں سے گٹھ جوڑ کرنا شروع کیا۔ ان مقامی سواروں نے باغیوں کے ساتھ شامل ہونے کے بجائے سازش کی اطلاع اپنے افسران کو دی۔

افسران نے رجمنٹ نمبر 62 اور 69 کے ہندوستانی سپاہیوں اور سواروں کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ نئے کارتوسوں میں گائے یا سور کی چربی نہیں یہ کارتوس اسی پرانے مواد کے تیار کردہ ہیں جو سپاہی پچھلے بیس سالوں سے استعمال کرتے آرہے ہیں۔ اس وقت سپاہی پلٹ گئے اور خزانہ اور توپخانہ قلعہ منتقل کر دیئے گئے۔ تاہم پہرے پر متعین اور بیرونِ قلعہ ڈیوٹی دینے والے پولیس اہلکاروں کو قلعہ میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا گیا۔

اگست 1857 میں دوبارہ رجمنٹ نمبر 62 اور 69 میں بغاوت پھوٹنے لگی اور پنجاب اول اور پنجاب دوئم کے پیادہ سپاہ کے ملتان پہنچنے پر رجمنٹ 62 اور 69 سے ہتھیار واپس لے لئے گئے۔ اسلحہ واپس لینے کے دوران ایک صوبیدار، ایک حوالدار اور نو سپاہیوں کو بغاوت کے الزام میں توپ کے دہانے پر داغ دیا گیا اور یہ احکامات دیے گئے کہ جو شخص فوج سے فرار ہو کر گھاٹ پہنچے اور اپنی موجودگی کا مناسب جواز پیش نہ کر سکے تو اُسے گرفتار کیا جائے۔

بعد ازاں 10 جون کو بغاوت کرنے والے سپاہیوں کے خلاف مقدمہ شروع ہوا۔ باغیوں کی نگرانی کی ذمہ داری پنجابی اور انگریز سپاہیوں کے حوالے تھی۔ اسی مقدمے کے دوران صوبیدار میجر ناصر خان کو انکے ساتھیوں سمیت توپ سے اڑا دیا گیا۔

ستمبر میں گوگرہ کے قریب رہنے والے خانہ بدوش افراد نے بغاوت کر دی۔ انہوں نے دو برُجی اور گوگرہ میں واقع علاقوں کے تحصیل ٹریا تھانہ کا نولیڈ اور دیگر مقامات پر حملے کئے گئے۔ ان کی سرکوبی کیلئے میجر چمرلین کپتان سمسن اور کپتان ہوسکن کی زیرِ نگرانی فوج روانہ کی گئی۔ 25 ستمبر کو سرکشوں کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ ہوا اور انگریزوں کے آتشی اسلحے کے سامنے مقامی لوگ ٹھہر نہیں سکے اور بھاری جانی نقصان اٹھایا۔ انگریزوں کے اہم جانی نقصان میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر گوگرہ، بر کلے بھی شامل تھا۔

اس معرکے سے ایک روز قبل بھی جمگیرا کے مقام پر مقامی افراد اور کپتان سمسن کی زیرِ کمان فوج کے درمیان جھڑپ ہوئی تھی جس کے نتیجے میں جمگیرا پر انگریز فوج کا قبضہ ہو گیا تھا۔

کچھ ہی عرصے کے بعد احمد خان کھرل کی سرکوبی کیلئے لاہور اور ملتان سے تعلق رکھنے والی فوج کو مشترکہ کمان کے تحت روانہ کیا گیا۔

کوہ مری

یکم ستمبر 1857 کوہ مری اور گرد نواح کے باشندوں نے بغاوت کر دی۔ خونریز جھڑپوں کے بعد کئی ایک باغی گرفتار کئے گئے جن میں ایک مقامی پیر بھی شامل تھا۔ مزید بغاوت کو اُبھرنے سے روکنے کیلئے انگریز اہلکاروں نے اس پیر کی سزا معطل کر کے اسے رہا کر دیا۔ اس بنا پر مقامی افراد نے مطالبہ کیا کہ تمام گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے اور مطالبہ تسلیم نہ ہونے کی صورت میں کوہ مری میں فساد برپا کر کے اسے لوٹ لینے کی دھمکی دی۔

یکم ستمبر کو ہی مقامی اسسٹنٹ کمشنر لارنس کے گھر پر ڈیوٹی دینے والے ایک مقامی اہلکار حاکم خان

نے باغیوں کے سربراہ سے قریبی روابط رکھنے والی اپنی سالی سے سُنا کہ آنے والی رات خانتک، روات اور دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کوہ مری میں حملہ کر کے تمام انگریزوں کو ہلاک کر دیں گے۔ اس دیسی ملازم کی فراہم کردہ اطلاع کے بعد تمام انگریز اسسٹنٹ کمشنر کی کوٹھی میں پناہ گزین ہوئے۔

نصف شب کو مقامی افراد نے شب خون مارا اور گوانا کے مقام سے پیش قدمی شروع کی۔ ان کی زد میں سب سے پہلے انگریز اہلکار ہورسٹ کا بنگلہ آیا، جو بمشکل جان بچا کر بھاگ پایا۔ مقامی افراد نے بنگلے سے ایک گھوڑا مالِ غنیمت کے طور پر لیا۔ بعد ازاں جب انگریزوں نے انتقاماً دیہات کو نذرِ آتش کرنا شروع کیا تو ایک گاؤں سے یہ گھوڑا بھی برآمد ہوا۔

بعد ازاں کپتان روبسن کے گھر سے باغیوں پر فائرنگ کی گئی جس سے دو لوگ مارے گئے۔ صبح کو مقامی افراد نے گلدانہ کے مقام پر جمع ہونے شروع کیا۔ اسی دوران کرنل اسپارک کے ملازمین بھی باغیوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

بعد ازاں ایک جھڑپ کے دوران ان میں سے تین ملازمین گرفتار کیے گئے، تاہم دورانِ سماعت ایک ملازم فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا جبکہ بقیہ دونوں کو سزائے موت دی گئی۔

2 ستمبر کو انگریزوں نے ایک اجلاس میں لڑنے کے قابل تمام افراد کے ناموں کا اندراج کیا اور 45 افراد کپتان جونسٹن کی زیرِ نگرانی لڑائی کی تیاری لگے۔

یہ پورا دن بغیر کسی جھڑپ کے گذر گیا تاہم مقامی افراد نے گذر گاہوں کی ناکہ بندی جاری رکھی۔ صبح دس بجے تین انگریزوں اور ان کے وفادار رانگڑ سپاہیوں پر مشتمل ایک ٹولی نے باغیوں کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ چونکہ باغیوں نے زیادہ بلند مقامات پر اپنے مورچے بنائے ہوئے تھے اس لئے انگریزوں کی فائرنگ سے محفوظ رہے تاہم جوابی فائرنگ سے کچھ انگریز زخمی ہوئے۔

اپنی خفت مٹانے کیلئے انگریزوں کے ساتھ آئے ہوئے مقامی سپاہیوں بالخصوص رانگڑوں نے ارد گرد کے گاؤں، دیہات کو لوٹنا شروع کیا۔ ان گاؤں کے باسی پہلے سے ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں پر باغیوں کے ساتھ جا ملے تھے۔

دو اور تین ستمبر کی درمیانی شب کمشنر تھارنٹن کی سربراہی میں انگریز اور مقامی سپاہیوں خاص طور پر سکھ سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کوہ مری پہنچ گئی، جس کے باعث مقامی افراد کو پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

امرتسر

14 مئی کی صبح امرتسر میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ کسی بھی وقت چھاؤنی میں بغاوت ہوسکتی ہے۔ انگریز اہلکاروں نے ہندوستانی رجمنٹ نمبر 59 کو لائین حاضر کیا اور کپتان ویدی کے زیرِ کمان توپخانے کو قلعے کی فصیل پر متعین کیا گیا۔ ہر ایک مقامی کمپنی کے ساتھ ایک انگریز افسر مقرر کردیا گیا۔ دوسرے دن مقامی سپاہیوں کو نئے کارتوس کھول کر دکھائے گئے۔

مخبروں کی اطلاعات کے مطابق پچھلے پندرہ دن سے مختلف افراد فقیروں کے بھیس میں سپاہیوں سے ملتے رہے۔

انگریز اہلکاروں کے اہلِ خانہ کو قلعہ میں واقع کرنل کے گھر منتقل کیا گیا جبکہ جالندھر کی جانب کوچ کرنے والے کپتان یلڈ برنڈ کے زیرِ کمان توپخانے کو امرتسر میں ہی روک لیا گیا۔

راولپنڈی

میرٹھ اور دہلی میں بغاوت پھوٹ پڑتے ہی یہاں بھی چہ مگوئیاں شروع ہوئیں۔ 4 جون کی سہ پہر یکا یک ہر طرف ایک ہی بات گونجنے لگی کہ شملہ کی طرح یہاں بھی آج رات شورش برپا ہوجائے گی۔ توپخانے کو توپوں کی بتیاں جلا کر بالکل تیار حالت میں رہنے کا حکم جاری کیا گیا۔ انگریز سپاہیوں اور افسران کو رات کو مسلح حالت میں سونے کا حکم دیا گیا۔ افسروں کو دیسی سپاہیوں پر سخت نظر رکھنے کی ہدایات کی گئی۔ انگریزوں کے اہلِ خانہ کو مقامی چرچ میں منتقل کرکے وہاں مسلح پہرہ لگایا گیا۔ اگرچہ چرچ میں پناہ لینے کا حکم فقط خواتین اور بچوں کے لئے جاری کیا گیا تھا، تاہم باغیوں کی کاروائیوں سے خوفزدہ کئی مرد اہلکار بھی زبردستی چرچ میں جاکر پناہ گزین ہوئے۔

انہی انگریز اہلکاروں نے دہشت کے مارے 3 جون کو بارک پور کے سپاہیوں کی سرکوبی کیلئے جانے سے انکار کیا تو ہندوستانی رجمنٹ 58 کی کئی ایک کمپنیاں اس مقصد کیلئے روانہ کی گئیں۔

اگلے روز رجمنٹ نمبر 58 کے باغی سپاہیوں کے سربراہ کو اشتعال انگیز تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔

7 جولائی کو مقامی سپاہیوں سے ہتھیار واپس لے لئے گئے۔ اس حکم کا اعلان کرتے ہی مقامی سپاہیوں پر بمباری کی گئی اور گولیوں کی باڑھ ماری گئی۔ اس کے باوجود کئی سپاہی اپنا اسلحہ اور توپخانہ لیکر فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔ ان سپاہیوں کی گرفتاری کیلئے تعاقب میں جانے والے سپاہیوں کی کمان پر تعینات

کپتان پامر جان گنوا بیٹھا۔ کئی ایک ہلاکتوں کے بعد ہی دیسی سپاہی گرفتار ہوئے۔

لاہور

30 جولائی کو ہندوستان رجمنٹ نمبر 26 نے میاں میر کے مقام پر چھاؤنی میں بغاوت کر دی اور اپنے کمانڈنگ آفیسر اور سارجنٹ میجر کو قتل کر کے دہلی کیلئے روانہ ہوگئی۔ سکھ اور بھوج پوری سپاہیوں نے اس بغاوت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

انگریزوں نے دریائے ستلج پر پہرا بٹھادیا تو باغی مجبوراً دریائے راوی کی جانب بڑھے۔ جہاں انگریز کی وفادار سکھ فوج سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ اس جھڑپ میں 630 باغیوں میں سے 119 میدانِ جنگ میں ہلاک ہوئے یا راوی کی لہروں کے نذر ہوئے۔ جبکہ باقی ماندہ گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب رہے۔

اس بغاوت کے پیشِ نظر لاہور میں متعین باقی ماندہ دیسی سپاہیوں سے ہتھیار چھین لئے گئے جبکہ میاں میر چھاؤنی میں موجود سپاہیوں کو چھاؤنی کے اندر اجتماعی طور پر نظر بند کیا گیا۔

ان دنوں لاہور میں مقیم ایک برطانوی صحافی صورتحال کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ جب میرٹھ اور دہلی کے فسادات کی اطلاع لاہور پہنچی تو حکام نے ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں جوڈیشل مجسٹریٹ رابرٹ مونٹی گرنے ہندوستانی فوجیوں سے ہتھیار واپس لینے کی تجویز پیش کی اور کمان افسر بریگیڈیئر اسٹیورٹ کے حکم سے 13 مئی کی صبح جنرل پریڈ بلائی گئی۔ رجمنٹ نمبر 16، 26 اور غیر منظم رسالہ نمبر 8 کو ایک قطار میں کھڑا کیا گیا جبکہ 81 ویں رجمنٹ شاہی توپخانے کی پشت پر کھڑی کی گئی۔ بارود بھری ہوئی توپیں اس طرح ایستادہ تھیں کہ ان کے گولے بیک وقت دونوں اطراف کھڑی رجمنٹوں کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ تمام انتظامات کرنے کے بعد رجمنٹ نمبر 81 کو بندوقیں بھرنے کا حکم دیا گیا۔ ان کی تیاری کے بعد ہندوستانی سپاہیوں اور رسالہ والوں سے ہتھیار اور تلواریں زمین پر رکھنے کو کہا گیا۔

لاہور بالخصوص میاں میر چھاؤنی میں بغاوت کچلنے کے صلے میں سر رابرٹ منٹگمری کو سی بی ای کا اعزاز دینے کی سفارش کی گئی۔

میاں میر چھاؤنی میں بغاوت کی اطلاع راولپنڈی میں موجود چیف کمشنر کو پہنچی تو اُس نے جنرل ریڈ کو پنجاب میں تمام تر فوجی امور کی کمان سونپی جبکہ ایک جنگی کونسل بھی تشکیل دی گئی جس میں بریگیڈیئر کوٹن، بریگیڈیئر چمرلین، کرنل ایڈورڈ اور کرنل نکلس شامل تھے۔ کرنل نے تجویز کیا کہ فوج کا ایک دستہ جہلم میں متعین کیا جائے جہاں سے تمام تر جنگی رسد کے ساتھ پورے پنجاب کو کمان کیا جائے۔ اس ضمن میں 24 اور 27

ویں شاہی رجمنٹ، ایک توپخانہ، ایک لائیٹ فیلڈ دستہ، غیر منظم رسالہ نمبر 16 اور پیادہ پلٹن پنجاب اول سمیت فوجی دستوں کی ایک بھاری تعداد جہلم میں جمع کی گئی۔ واضح رہے کہ جہلم کے مقامی امراء اور روسا کی ایک بڑی تعداد انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا چکی تھی۔

تمام سامان اور دستے جمع ہوئے تو لاہور کی جانب کوچ کیا گیا۔ دورانِ سفر کئی مقامات پر فوجی دستوں کو تعینات کیا گیا۔ اس میں ہندوستانی رجمنٹ نمبر 35 بھی شامل تھی جسے وفادار سمجھ کر انگریزوں نے اپنے ساتھ لیا تھا، تاہم اس رجمنٹ میں کئی سپاہی باغیوں کے ہمدرد تھے اور انہوں نے لاہور پہنچتے ہی میاں میر کے غیر مسلح سپاہیوں سے رابطہ کیا اور ان کو بغاوت پر اکسانے کے الزام میں رجمنٹ نمبر 35 کے دو سپاہیوں کو انارکلی کے مقام پر گرفتاری کے بعد کورٹ مارشل کر کے 9 جون کو توپ سے اڑا دیا گیا۔

بعد ازاں اس رجمنٹ سے بھی پھلور کے مقام پر ہتھیار واپس لے لئے گئے اور اس رجمنٹ کو مذکورہ مقام پر چھوڑ کر باغی فوج کو دہلی روانہ کیا گیا۔

20 جولائی کو ہندوستانی رجمنٹ نمبر 26 نے بغاوت کر دی۔ جس کی سرکوبی کیلئے میجر سنیر کی نگرانی میں ایک انگریز دستہ روانہ کیا گیا تاہم باغیوں کے ساتھ جھڑپ میں انگریزوں کو مذکورہ میجر، کوارٹر ماسٹر سارجنٹ، حوالدار میجر اور حوالدار سمیت کئی ایک کی ہلاکتوں کا نقصان اٹھانا پڑا۔

باغیوں پر دوبارہ حملہ کرنے کی غرض سے توپخانہ بھی تیار کرایا گیا۔

تاہم اس فوج کی آمد سے قبل ہی باغی کوہستان کی جانب روانہ ہو گئے تاہم راستے میں باغیوں کی انگریز کی وفادار فوج سے جھڑپ ہوئی جس میں بیس سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔

اس رجمنٹ کی بارکوں کی تلاشی لی گئی تو تلواروں اور بندوقوں سمیت اسلحہ کی ایک بڑی کھیپ برآمد ہوئی۔ اس کے پیشِ نظر بارکوں کی تمام تر دیواریں ڈھائی گئیں تو ان میں سے بھی اسلحہ برآمد ہوا۔

امرتسر کے ڈپٹی کمشنر فریڈرک کوپر کی حکمت عملی کی بنا پر یہ باغی امرتسر میں واقع قلعہ گوبند گڑھ میں متعین اپنے ساتھیوں تک پہنچ نہیں پائے اور انبالہ کے تحصیلدار راجہ دینا ناتھ بہادر کے بھائی اور انگریزوں کے مخبر دیوان پران ناتھ کی اطلاع کے مطابق یہ باغی انبالہ کے قریب دریائے راوی عبور کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ پران ناتھ اپنے سواروں کے ساتھ باغیوں کی جانب بڑھا، دوسری جانب خود کوپر بھی اس مقام کی جانب روانہ ہوا۔ پران ناتھ کے سپاہیوں سے جھڑپ میں 15 باغی ہلاک ہوئے جبکہ 160 کو گرفتار کیا گیا۔

تحصیلدار کے حکم کے مطابق تمام رات باغیوں کی تلاش، گرفتاریوں اور قتل عام کا سلسلہ جاری

رہا۔ صبح تک 237 باغی گرفتار کیئے گئے جن میں سے کچھ کو مقدمے کیلئے لاہور روانہ کیا گیا جبکہ باقی کو ڈپٹی کمشنر فریڈرک کوپر کے حکم کے تحت گولیوں سے بھون دیا گیا اور ان کی لاشیں ایک قریبی کنویں میں ڈال دی گئیں۔

اس قتل عام میں انگریزوں کے ساتھ صاحب خان ٹوانہ، سردار پرتاپ سنگھ سندھا نوالیہ، سردار گلاب سنگھ، جرنیل ہرسکھ رائے، سردار جود سنگھ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امرتسر اور دیوان پران ناتھ پیش پیش رہے۔

لاہور روانہ کئے گئے باغیوں میں ایک صوبیدار میجر، ایک جمعدار، دو حوالدار اور آٹھ سپاہی شامل تھے۔ لاہور میں انہیں میاں میر چھاؤنی لے جا کر توپوں سے اڑا دیا گیا۔

سیالکوٹ

9 جولائی کو سیالکوٹ میں متعین غیر منظم رسالہ نمبر 9 اور ہندوستانی پیادہ رجمنٹ نمبر 46 نے بغاوت کردی اور اکثر انگریزوں کو قتل کر کے گاڑیاں، اسلحہ اور دیگر ساز و سامان لیکر مشرق کی جانب روانہ ہوئیں۔ قتل ہونے والوں میں رجمنٹ نمبر 46 کے کپتان بشوپ، ڈاکٹر گراہم، پادری ہنٹر اور کئی خواتین شامل تھیں جبکہ برگیڈیئر برائیڈ زخمی ہوا۔ یہاں باغیوں نے انسانیت کا شاندار مظاہرہ کیا اور زندہ بچ جانے والی خواتین اور بچوں کو بحفاظت قلعہ پہنچا کر باغی دستے میں شامل ہوئے۔

یہاں پر حملہ اتنا شدید تھا کہ انگریز فوج کی رپورٹوں کے مطابق اس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔ خواتین اور بچوں سے مناسب برتاؤ کا ذکر خود انگریز وقائع نگار بھی کرتے ہیں۔

برگیڈیئر برائنڈ کو تین گولیاں لگیں اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا جبکہ کپتان بالمین اور کپتان جمپر قلعہ کی جانب بھاگتے ہوئے مارے گئے۔

ڈاکٹر گراہم اپنی بیٹی کے ہمراہ بگھی میں بیٹھ کر فرار ہو رہا تھا کہ باغیوں نے آ گھیرا۔ ڈاکٹر کی منت سماجت کام نہ آئی اور وہ باغیوں کی گولیوں کا نشانہ بنا۔ اس کی بیٹی نے بگھی کا رُخ موڑ کر ٹیلر کے گروہ میں پناہ لی۔ باغی اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں برگیڈیئر کے گھر تک پہنچانے گئے۔

جھڑپوں میں بال بال بچنے والے رسالہ نمبر 9 کا ڈاکٹر ٹیلر اپنی یاداشتوں میں لکھتا ہے:

''صبح ساڑھے چار بجے سے لے کر رات آٹھ بجے تک ہم پر انتہائی بے کسی اور ناامیدی کا وقت گذرا جس کے بعد ہم قلعے پہنچے۔ صبح ساڑھے چار بجے ہمارے ایک ملازم نے میری خواب گاہ کا دروازہ بجا

کر جگایا کہ صاحب! سوار بندوق چلا رہے ہیں اور پلٹن نے بغاوت کر دی ہے۔ میں نے فوراً اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور اپنے اہلِ خانہ کو بیدار کر کے ہتھیار اٹھا کر باہر صحن میں نکل آیا۔ جہاں میں نے انگنت لوگوں کو مسلح دیکھا۔ کہیں سے وقفے وقفے سے گولیاں چلنے کی آوازیں بھی آتی رہیں۔ کوارٹر ماسٹر لیفٹننٹ سانڈرس قریب ہی رسالہ نمبر 9 میں رہتے تھے اور ان سے ہی طے تھا کہ کسی قسم کا فساد ہونے کی صورت میں فوراً گاڑیاں تیار کر کے خواتین اور بچوں کو قلعہ بھیجا جائے گا۔ سو میں نے گاڑیاں تیار کروائیں اور ہلکا پھلکا سامان ان میں رکھوایا۔ ابھی لوگ ان گاڑیوں پر سوار ہی نہیں ہوئے تھے کہ سانڈرس گھوڑے پر سوار ہو کر تین سو گز کے فاصلے پر واقع مسکوٹ رسالے کے جانب روانہ ہوا۔ وہاں پر کچھ سواروں نے اس کو دھکا کر روانہ کر دیا۔ بعد ازاں یہ سوار میرے گھر کے بیرونی دروازے پر آ کر کھڑے ہو کر آپس میں کچھ بات چیت کرنے لگے اور پھر چلے گئے۔

کچھ دیر بعد گشت پر مامور کچھ سپاہیوں نے چیخ کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب کی بگھی آ رہی ہے۔ میں نے دیکھا تو اس بگھی پر بظاہر ڈاکٹر کی بیٹی اکیلی بیٹھی آہ و بکا کرتی نظر آئی۔

میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر بگھی سے اتارا تو اس میں مجھے ڈاکٹر کی لاش نظر آئی۔ ڈاکٹر کی بیٹی نے مجھے بتایا کہ باغیوں نے قلعے کی راہ میں آنے والے پُل پر قبضہ کر لیا ہے۔ لاش اتارنے کے بعد ہم نے آپس میں مشورہ کر کے طے کیا کہ قلعے جانے کے ارادے کو ترک کر کے یہیں رہا جائے۔

کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر اسپان نے خوش خوش آ کر بتایا کہ برگیڈیئر کسی اور افسر کے ساتھ بگھی میں بیٹھ کر رسالہ کی جانب گئے ہیں لیکن مجھے یہ اطلاع غلط لگی کیونکہ ہمارا گھر مرکزی راستے پر تھا اور ہم نے بگھی کی کوئی چاپ نہیں سنی تھی۔

ڈاکٹر نے یہ بھی بتایا کہ ہمیں بحفاظت قلعے تک پہنچانے کے لئے ایک دستہ پہنچنے والا ہے لیکن یہ انتظار فضول ثابت ہوا۔

دریں اثنا ہمارے احاطے کے بند دروازے پر ایک سوار آیا اور نوکروں سے کہنے لگا کہ وہ یہاں سے چلے جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔ اس نے کوچبان کو بگھی بند کرنے کا بھی حکم دیا۔

اس سوار کے مزید قریب آنے پر ہمارے نوکروں نے ہمیں اندر کوٹھی میں جا کر دروازہ بند کرنے کو کہا۔ یہاں پر ہم تین انگریز موجود تھے اور ہم سب میں سے ہر ایک کے پاس اپنا اسلحہ موجود تھا۔ ہم نے آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کیا۔ گھر کے اندر ہندوستانی ملازم عورتوں کے علاوہ ہمارے گھر کے بچوں اور

عورتوں کی تعداد دس تھی جبکہ ڈاکٹر گراہم کی بیٹی گیارہویں تھی۔

دروازے پر آنے والے سوار کے کوئی دس منٹ بعد 41 ویں رجمنٹ کے سپاہیوں کا ایک ٹولہ قتل و غارت گیری کی منشا کے ساتھ ہمارے گھر آ پہنچا۔ ہم نے گھر میں موجود تمام خواتین کو غسل خانے میں چھپا دیا۔

سپاہیوں نے بیرونی دروازہ توڑتے ہوئے فائرنگ شروع کر دی۔ اس دوران ایک شخص غسل خانے کے قریب پہنچ گیا تو میں نے اس پر اپنی پستول تان لی۔ اس نے چیختے ہوئے واپسی کی راہ لی کہ صاحب لوگ مسلح ہیں اور ہمیں مار ڈالیں گے۔

تمام خواتین اور بچے غسل خانے میں پہنچ کر گودام میں چھپ گئے تاہم ڈاکٹر گراہم کی بیٹی باغ کی خفیہ کیبن میں جا کر چھپ گئی۔

باغیوں نے گھر کے اندر گھس کر تمام دروازے توڑ ڈالے اور ہر دروازے کو گولیوں سے چھلنی کرتے ہوئے زنان خانے تک آ پہنچے۔

اس دوران یہ سپاہی بار بار چوکیداروں سے ہم لوگوں کے بارے میں معلوم کرتے رہے۔ صبح گیارہ بجے ایک چوکیدار نے آ کر بتایا کہ سپاہی تو چلے گئے ہیں تاہم سوار بار بار چکر لگا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کے ہاتھ نہ آنے پر باغیوں نے گھر کے اندر توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ اگرچہ چوکیدار ہمیں خاموشی سے بیٹھے رہنے کا کہہ رہا تھا لیکن جہاں آٹھ بچے ہوں وہاں خاموشی کیونکر ممکن تھی۔

اس اثنا میں چوکیدار ہمارے لئے چپاتیاں اور پانی لے آیا۔ اس گودام میں دو دریچے تھے جن میں سے تھوڑی بہت ہوا اندر آ رہی تھی۔ تاہم مکان کے اس حصے میں گرمی اور گھٹن بے انتہا تھی۔ اس گودام کے ساتھ ہی دوسرا گودام تھا جسے باغیوں نے غالباً سُرنگ لگا کر اڑا دیا تھا۔

اس ہنگامے میں دریچے سے ایک شخص کی ہم پر نظر پڑ گئی تو وہ چیخ و پکار کر کے ہر ایک کو بتانے لگا۔ اب تو سب باغیوں نے ہمارے دروازے پر دھاوا بول دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہمارا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ جب وہ لوگ دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہے تھے تو میں نے ان پر گولی چلا دی۔ ان میں سے ایک وہیں چت ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چوکیدار دوبارہ آیا۔ وہ اپنے ساتھ پانی اور میوہ بھی لایا تھا۔ کہنے لگا کہ جب سپاہی یہاں سے چلے جائیں گے تو وہ ہمیں اس کی اطلاع کرنے آئے گا۔ میں نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم اپنا بیٹا اس کی سکھ دائی کے حوالے کر دیں جس نے کہا تھا کہ وہ شام کو چوکیدار کے ساتھ نکل جائے گی۔
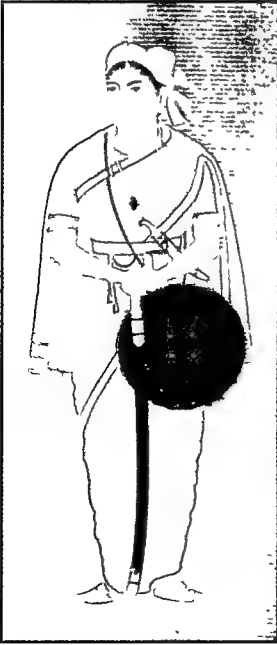
رانی لچھمی بائی

رانی لکشمی بائی

جھلکاری بائی

انقلاب کے مشعل بردار
منگل پانڈے

بہادر شاہ ظفر

سیٹھ نائومل ہوتچند

جنگِ آزادی کے
دوران ایک
مقامی اخبار

بیگم حضرت محل
میدان جنگ میں

تانتیاٹوپی پھانسی سے پہلے

نانا صاحب
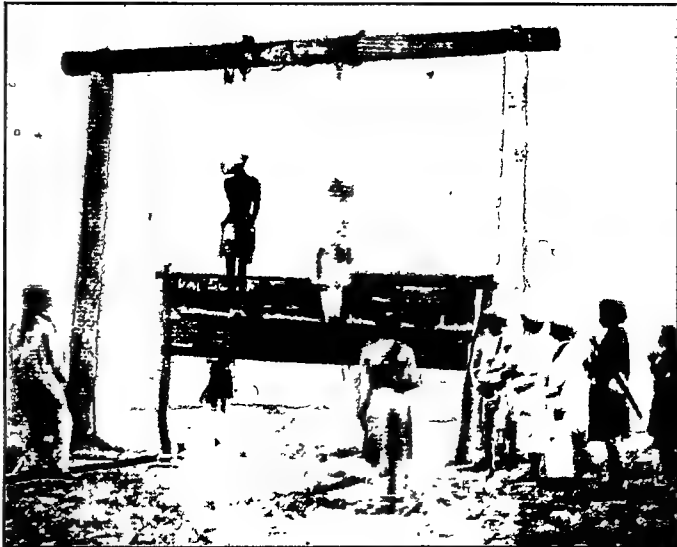
۱۸۵۷ء کے انقلابیوں کے تختہ دار پر جھولنے کا ایک منظر

میری بیوی نے اس سے اتفاق کیا کہ اگر ہم مارے بھی گئے تو بھی ہمارا بیٹا اس عورت کی وجہ سے بچ جائے گا۔

سیالکوٹ میں پیش آنے والے واقعات سے متعلق ایک اور چشم دید گواہ لکھتا ہے کہ جن دنوں پنجاب کے دیگر مقامات پر فسادات پھوٹ پڑے تھے، سیالکوٹ چھاؤنی کے سپاہی انتہائی وفاداری کا ثبوت دے رہے تھے اور حالات مکمل طور پر بریگیڈیئر اور کمانڈنگ افسر برائینڈ کے کنٹرول میں تھے۔ اگرچہ اُن دنوں اکثر صاحبانِ اختیار کی رائے تھی کہ اس چھاؤنی کے سپاہی دل و جان سے کمپنی بہادر کے وفادار ہیں لیکن آنے والے دنوں نے اس خیال کو غلط ثابت کیا اور بغاوت کی بو نے سیالکوٹ پہنچنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگائی۔ بریگیڈیئر کی پالیسیوں اور منصوبہ بندی کی وجہ سے باغیوں کو بلوے کا کوئی موقعہ نہیں ملا کیوں کہ بریگیڈیئر نے سپاہیوں کو یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ ان کے ساتھ مناسب اور ایماندارانہ برتاؤ کیا جائے گا، تاہم احتیاطی تدابیر کے طور پر اُس نے رات کا گشت شروع کرایا اور تمام اہم مقامات پر گورے سپاہی تعینات کئے۔ ان اقدامات کا اہم سبب میاں میر چھاؤنی کے باغی سپاہیوں کی سیالکوٹ چھاؤنی میں آمد و رفت پر نظر رکھنا تھا۔

جون کی ابتدا میں بریگیڈیئر کو حکم ملا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو غیر مسلح کیا جائے۔ اُس نے اس حکم پر عمل درآمد کرنے میں کچھ تاخیر کی۔ گورے سپاہیوں کے گشتی فوج میں شامل ہو کر وہاں سے روانگی کے بعد سیالکوٹ میں فقط ہندوستانی ہی باقی بچ گئے تھے جن کو ہندوستانی فوج کی مختلف رجمنٹوں سے ہتھیار واپس لینے، کچھ رجمنٹوں کی برخاستگی اور پشاور وغیرہ کے واقعات کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ جس کی بنا پر ان کے دل میں شکوک و شبہات نے جنم لینا شروع کیا۔

بریگیڈیئر سمیت انگریز فوجی کمان کا اب یہ خیال تھا کہ اگر انگریز سپاہی یہاں موجود ہوئے تو ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کچلنا مشکل نہیں ہوگا۔ تاہم گشتی فوج سے ان گورے سپاہیوں کو علیحدہ کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

بریگیڈیئر کے ناقدین کا خیال ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں نے انگریز فوج کی موجودگی تک وفاداری کا ثبوت دیکر دراصل بریگیڈیئر کو بیوقوف بنایا تاکہ اُن کے ہتھیار نہ چھینے جائیں، جنکا وہ مناسب وقت پر استعمال کا ارادہ رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں سیالکوٹ چھاؤنی سے دس میل دور ایک نگران کیمپ بنایا گیا، جبکہ دریائے چناب اور وزیرآباد گھاٹ پر پہرے دار تعینات کیے گئے۔

کچھ تجزیہ نگاروں نے تو یہاں تک کہا کہ اگر سیالکوٹ میں ہونے والی جھڑپوں کے دوران

بریگیڈیئر اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھتا تو یقیناً اس کا کورٹ مارشل ہوتا۔

9 جولائی کو ہندوستانی رجمنٹ نمبر 42 اور ایک غیر منظم رسالے نے سیالکوٹ چھاؤنی میں بغاوت کر دی۔ بغاوت کا فوری سبب جہلم میں ہونے والی بغاوت کی اطلاع تھی، باغیوں کی جانب سے ابتدائی حملے میں ہی بریگیڈیئر برینیڈ زخمی ہوا اور وہ انتہائی مشکل سے قلعے تک آ پہنچا جہاں زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ کپتان بشوپ بھی قلعے کی طرف راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے ایک باغی کے ہاتھوں مارا گیا۔ ڈاکٹر گراہم کی ہلاکت کا ذکر پہلے ہو چکا جبکہ پادری ہنٹر بھی اپنی بیوی اور بچے سمیت مارا گیا۔

دشمنوں کو ہلاک کرنے اور ضروری ساز و سامان اپنے قبضے میں کرنے کے بعد یہ باغی مشرق کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ 14 جولائی کو پسرور میں واقع گھاٹ سے دریا عبور کریں۔

یہ اطلاع امرتسر میں تعینات انگریز گشتی فوج کو ملی تو وہ باغیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوئی۔ یہ فوج جب باغیوں کے قریب پہنچی تو اسے اپنے مدمقابل انسانی سروں کا ایک لاانتہا سمندر نظر آیا۔ جب درمیانی فاصلہ 300 گز رہ گیا تو طرفین کی جانب سے تابڑ توڑ فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انگریزوں نے اب توپ خانے کا استعمال بھی شروع کیا تو باغیوں نے آگے بڑھ کر توپخانے پر چڑھائی کر دی۔ دونوں طرف کے اَن گنت لوگ اس جھڑپ میں کام آئے۔

دوسری جانب انگریزوں کے وفادار مہاراجہ کا سب سنگھ بہادر کے ذاتی سپاہی بھی اس لڑائی میں کود پڑے اور کئی ایک باغیوں کو گرفتار کر کے انگریزوں کے سامنے پیش کیا۔ دوسری جانب تین سو کے قریب باغیوں کی ایک اور ٹولی نے دریائے راوی کے ایک جزیرے پر مورچہ لگا کر دشمن پر حملہ کر دیا۔ ان کا مقابلہ کرنل نکلسن کی زیرِ کمان فوج سے تھا۔ باغیوں نے اپنی واحد توپ کنارے پر نصب کر کے گولے داغنا شروع کئے۔

باغیوں کی فائرنگ اتنی شدید تھی کہ انگریز ایک انچ بھی پیش قدمی نہیں کر سکے اور 16 جولائی کو مقامی سپاہیوں کی رجمنٹ نمبر 52 کو کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب باغی دریا عبور کرنے کی کوشش میں مصروف انگریز کی وفادار ہندوستانی فوج سے برسرِ پیکار ہوئے تو انگریزوں نے بھی پیچھے سے دریا عبور کرنا شروع کیا۔

آخری جھڑپ کے دوران کئی ایک باغی مارے گئے یا دریا برد ہوئے جبکہ زندہ بچ جانے والوں کو فوری طور پر سزائے موت دے کر آزادی کی موت سلا دیا گیا۔

یہ بغاوت اتنی وسیع تھی کہ ہلاکتوں اور سزاؤں کے بعد انگریزوں کو رجمنٹ نمبر 42 کو ختم ہی کر دینا پڑا۔

اجنالہ

برطانوی اہلکار کوپر لکھتا ہے کہ جولائی کے اواخر تک پنجاب میں بغاوت کے آثار نہیں تھے کیونکہ یہ خیال عام تھا کہ اگر نکلسن قرب و جوار میں ہے تو بغاوت کرنا خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے برابر ہوگا۔ تاہم مہینے بھر میں یہ بات ہوا ہوئی تھی۔

یہ تو معلوم نہیں کہ بے ہتھیار رجمنٹوں نے کبھی ایسا کوئی منصوبہ بنایا ہوگا جس کے تحت وہ سب کے سب اپنی اس ناخوشگوار حالت سے نکل بھاگیں البتہ یہ سب جانتے ہیں کہ بہت سوں کو اس کی ترغیب ضرور دی گئی تھی اور اگر 26 رجمنٹ کسی حد تک بھی کامیاب ہوجاتی تو 16 گرینڈ یئرز بھی ان کے نقشِ قدم پر چل پڑتے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دوپہر کو بندوق داغنے کی آواز بغاوت کا اشارہ تھی۔ 30 جولائی کو کمانڈنگ آفیسر میجر اسپنسر کے قتل اور 26 رجمنٹ میں بغاوت نے سب کو ہکا بکا کر دیا تھا۔ لیفٹنٹ ہر مانیٹگو وائٹ اُس دن بال بال بچا۔ کچھ سپاہی میجر اسپنسر کے قتل پر اپنے افسوس کا بناوٹی اظہار کرتے ہوئے بہلا پھسلا کر اسے اپنی بارکوں میں لے گئے۔ وہ گھوڑے سے اترنے والا ہی تھا کہ کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کر کے ہوشیار رہنے کو کہا۔ اگرچہ وہ سرپٹ بھاگا تو سہی لیکن اسی دوران کسی باغی کی گولی اس کے گھوڑے کو زخمی کر چکی تھی۔ سارجنٹ میجر بھی اس جھڑپ میں مارا گیا اور رجمنٹ بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت طوفانی آندھی چلنا شروع ہوئی (اتفاقاً جالندھر میں بغاوت کے وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا) جس کی وجہ سے انہیں بھاگ نکلنے کا موقعہ مل گیا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پہلی ہی مرتبہ ہنگامہ ہونے پر جب سکھ رنگروٹوں نے گولی چلائی تو ان انگریزوں کو قتل کرنے میں جلدی کی گئی اور نتیجتاً سب کے سب اچھے برے یا لاتعلق سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔

بعد ازاں گرفتار کیے گئے کئی ایک باغیوں نے پرکاش پنڈی نامی سپاہی پر الزام عائد کیا کہ اس نے جذباتی تقریر کر کے انہیں بغاوت پر اکسایا۔ پرکاش نے اپنی تلوار ہوا میں لہرا کر سارجنٹ میجر سمیت غیر ملکیوں کو چُن چُن کر ہلاک کرنے کی قسم کھائی تھی۔ بعد ازاں یہ کمپنی اس میجر کو بھی ہلاک کرنے میں کامیاب رہی۔

انگریز کمان کا خیال تھا کہ فرار ہونے والے سپاہی جنوب کی جانب گئے ہوں گے۔ چنانچہ کیپٹن جگر یلو لاہور سے ایک بڑی فوج لے کر ہریکا گھاٹ روانہ ہوا جبکہ لیفٹننٹ بوسویل کی زیر کمان فوجی دستہ امرتسر روانہ کیا گیا۔ پنجاب پیادل رجمنٹ 150 کی سپاہ کے ساتھ ٹوانہ قبیلے کے سوار بھی تھے۔ ٹوانہ قبیلے کی انگریز نوازی کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ اسی قبیلے کے سردار خاندان سے تعلق رکھنے والے ترقی پسند دانشور طارق علی اپنے آباؤ اجداد کی انگریزوں سے اس وفاداری کا کسی حد تک ذکر اپنی کتاب "The Clash of Fundamentalisms" میں کرتے ہیں اگرچہ بوسویل انتہائی کرخت اور مستعد سپاہی تھا اور اس کی کمان کو موسلا دھار بارش میں چلنا پڑا تاہم تمام تر کوششوں پر اس وقت پانی پھر گیا جب ڈپٹی کمشنر کو اطلاع ملی کہ باغی جنوب کے بجائے شمال کو روانہ ہوئے ہیں۔ وہ شاید کشمیر جانا چاہتے تھے یا باقاعدہ منصوبہ بنا کر ان قلعوں میں، جہاں کچھ مسلح اور کچھ غیر مسلح رجمنٹ موجود تھیں مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

31 جولائی کی دوپہر کو انگریز کمان کو اطلاع ملی کہ باغی راوی کے بائیں جانب سے دریا پار کرنے کی کوشش کریں گے۔ مقامی تحصیل دار نے پولیس کے سپاہیوں اور انگریزوں کے حمایتی مقامی دیہاتیوں کے ہمراہ شہر سے چھبیس میل دور باغیوں سے مقابلہ کیا۔

اب آیئے اعلیٰ ضلعی افسر کی جانب سے پیش کردہ رپورٹ سے صورتحال کا جائزہ لیں۔ ''جب چار بجے میں نوے سواروں کے ساتھ وہاں پہنچا تو ایسا نظر آیا کہ وہاں گھمسان کا رن پڑا ہے۔ جگہ جگہ خون نظر آ رہا تھا۔ پیروں کے ہزاروں نشانات اور بارش کی وجہ سے ابلتے ہوئے دریا کا ٹوٹا پھوٹا کنارہ سب کچھ اس جنگ کی تصدیق کر رہے تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو باغیوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تھا یا دھکا دیکر دریا برد کیا گیا تھا، چالیس میل کی مسافت طے کرنے کے بعد اُن میں اتنی سکت باقی نہیں بچی تھی کہ وہ ان تیز لہروں کا مقابلہ کر پاتے۔ تاہم ایک بڑی تعداد کنارے کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اور لکڑیوں کے تختوں کے سہارے تیر کر کنارے سے ایک میل دور ایک جزیرے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ ہم نے ہر صورت میں انہیں گرفتار کرنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

ان باغیوں کو کسی طرح جزیرے کے کنارے پر لاکر ٹوانہ سواروں کی نگرانی میں رکھا گیا۔ چونکہ اس وقت رات کا اندھیرا چھانے لگا تھا اور موسلا دھار بارش بھی جاری تھی اس لئے انہیں اس وقت گولی نہیں ماری جاسکی۔ اسی دوران قرب و جوار سے رسیوں کی بڑی تعداد بھی جمع کی گئی تاکہ اگر ضروری ہو تو کچھ باغیوں کو پھانسی کی سزا بھی دی جاسکے۔ پولیس تھانے میں جگہ کی تنگی کے باعث انہیں ایک برج میں دھکیلا گیا۔

جب گولی مارنے کیلئے باغیوں کی صف بندی کی گئی تو ان کی تعداد دوسو باسی تھی۔ تھانہ سے ایک سو گز کے فاصلے پر ایک خشک کنواں تھا جس میں جامِ شہادت نوش کرنے والے باغیوں کی لاشوں کو ڈالا جانے لگا۔

باغیوں کو دس دس کی ٹولیوں میں بلایا جاتا، انکے کوائف درج کرنے کے بعد ان کو ایک دوسرے کے ساتھ کس کر باندھ دیا جاتا۔ گولیاں کھانے والے اکثر سپاہی بلند آواز مذہبی اور دیگر نعرے لگاتے۔

ایک سو پچاس باغیوں کو گولی مارنے کے بعد فائرنگ اسکواڈ کا ایک سپاہی غش کھا کر بے ہوش ہوگیا تو یہ سلسلہ کچھ دیر کیلئے روک دیا گیا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا گیا۔ جب سزا پانے والے سپاہیوں کی تعداد دوسو پینتیس ہوگئی تو اعلیٰ افسران کو مطلع کیا گیا کہ باقی ماندہ باغی بُرج سے باہر نہیں نکل رہے ہیں۔ جب بُرج کا دروازہ کھولا گیا تو یہ سپاہی دم گھٹنے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے تھے۔ ان کی تعداد 45 تھی اور ان کی لاشیں بھی ان کے ساتھیوں کے ساتھ خشک کنویں میں ڈال دی گئیں۔

سزا کے مقام پر مزاحمت کر کے زخمی ہونے والے ایک سپاہی کو امرتسر نے گرفتار ہونے والے اکتالیس سپاہیوں کے ساتھ میاں میر چھاؤنی میں باغیانہ ذہن رکھنے والے دیگر رجمنٹوں کے سپاہیوں کے سامنے توپ سے اڑا دیا گیا۔

لاشوں کو خشک کنویں میں ڈالنے کے بعد اس کنویں کے منہ کو مٹی سے ڈھانپ دیا گیا، بعد ازاں انگریزوں نے باقی لوگوں کے لئے عبرت کے نشان کے طور پر اس پر فارسی، گورمکھی اور انگریزی میں ''باغیوں کی قبر'' کا کتبہ لگا دیا۔

پختونخواہ میں بغاوت

اس پہاڑی خطے کی آب و ہوا تحریکِ آزادی کیلئے سازگار تھی۔ اس علاقے میں بغاوت کا بیج سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے بویا تھا۔ 1857ء میں یہ خطہ پنجاب چیف کمشنری کا ایک حصہ تھا۔

پشاور

سانحہ میرٹھ کی خبر یہاں 11 مئی 1857ء کو پہنچی۔ 12 مئی کو میجر جنرل ایڈ نے اعلیٰ فوجی حکام کا ایک اجلاس طلب کیا جس میں ایک متحرک فوجی دستے کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کا مقصد دیسی فوج کو غیر مسلح کرنا تھا۔ چنانچہ پشاور اور کوہاٹ میں مقیم دیسی فوجوں کو غیر مسلح کیا گیا اور خزانے کو جس میں 24 لاکھ روپے تھے قلعہ میں محفوظ کیا گیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے لوگوں میں دہشت پھیلانی شروع کی۔ معمولی سی بات پر لوگوں کو گرفتار کرنے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا اور سخت سزائیں دی جاتیں۔ فوجی عدالت نے 27 مئی کو پشاور میں لوگوں کو توپ سے اڑانے کا حکم جاری کیا۔ صرف ایک ضلع میں سرکاری رپورٹ کے مطابق 523 لوگ ہلاک کیے گئے۔

یہاں غیر مسلح کی گئی رجمنٹوں میں رجمنٹ [illegible] تھی۔ ایک شخص سید امیر نے خیبر کے علاقے میں بغاوت کی اور ساتھ ہی فوج میں بے چینی بڑھی تو 28 مئی کو رجمنٹ نمبر 51 بھاگ کھڑی ہوئی۔ انگریز کے وفادار سپاہیوں نے اسکا تعاقب کیا جو جمرود تک جاری رہا۔ اس رجمنٹ کی کل تعداد 871 تھی۔ فقط 23 فوجی بھاگ کر نکل گئے۔ دوسروں کے انجام سے متعلق سرکاری رپورٹ کہتی ہے کہ 125 سپاہی پنجاب انفنٹری کی گولیوں کا نشانہ بنے۔ 40 کو ضلع پولیس نے ہلاک کیا۔ 15 کو ملتانی رسالے نے اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ 36 دیہاتیوں کا شکار بنے۔ 187 کو 28 اگست اور 252 کو 29 اگست کو موت کی سزا دی گئی۔ پانچ جمرود پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہونے تھے۔ 110 کو قید کیا گیا۔

مردان

پختونخواہ میں سب سے بڑا سانحہ مردان میں پیش آیا جہاں رجمنٹ نمبر 55 تعینات تھی۔ اس رجمنٹ کے دو دستے نوشہرہ اور اٹک میں تھے۔ 21 مئی کو خبر ملی کہ اٹک گھاٹ کی نگرانی پر مامور دستے میں شدید بے چینی ہے۔ ایک دن بعد اطلاع ملی کہ مردان میں رجمنٹ 55 نے سرکشی کر دی ہے۔ 23 مئی کی رات گیارہ بجے پشاور سے کرنل چیوٹ کی قیادت میں مردان کی طرف فوج روانہ ہوئی اور اس فوج کے مردان پہنچتے ہی رجمنٹ نمبر 55 قلعہ سے فرار ہوگئی۔ پیچھے رہ جانے والے ایک سو بیس افراد کو اسی وقت موت کے

گھاٹ اتارا گیا۔ فرار ہونے والے سپاہیوں نے سوات کا رخ کیا۔ سوات کے آخوند انگریزوں کے سخت مخالف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ پشاور پر تسلط جمانے کے بعد انگریز سوات کا رخ کریں اس لیے انہوں نے سوات کے باشندوں کے مشورے سے سید اکبر کو بادشاہ بنایا اور اُسے سوات کے دفاع کیلئے ایک معقول رقم بھی دی۔ سید اکبر نے آخوند کی حکمت عملی پر قدم اٹھایا لیکن وہ 11 جون کو فطری موت کا شکار ہوگیا۔ اس کے بعد سوات میں دو فریق سامنے آئے۔ ایک گروہ سید اکبر کے بیٹے مبارک شاہ کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا۔ جبکہ دوسرا گروہ اس کا مخالف تھا۔ مبارک شاہ نے انگریز سے بھاگ آنے والے سپاہیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا لیکن جب وہ ان کے اخراجات نہیں اٹھا سکا تو یہ سپاہی کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس دوران سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے امیر مولوی عنایت علی عظیم آبادی کو، جو اس وقت نارنجی (قبائلی علاقہ) میں تھا رجمنٹ نمبر 55 کے حالات معلوم ہوئے تو اُس نے اس کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے لیکن انہیں کچھ سپاہی ہی مل سکے جنہیں نارنجی لایا گیا۔

ضلع ہزارہ کے ڈپٹی کمشنر بیچر نے سوات سے کشمیر کا رخ کرنے والی رجمنٹ نمبر 55 کے سپاہیوں سے متعلق اپنی رپورٹ میں لکھا کہ 23 جون کو اُسے (بیچر کو) وادی کونش کے ملک محمد خان کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ فرار ہونے والے 600 سپاہی پروانہ راہداری مانگ رہے ہیں۔ یہ لوگ الئی کے جرگے کے ایک بااثر شخص جمال خان کے گاؤں کے قریب ندی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے۔ جمال خان نے بھی ان کی آمد کی اطلاع بیچر کو دی تھی جو کہ انکی گرفتاری کے لیے روانہ ہوگیا۔ جاسوس کی اطلاع کے مطابق ان لوگوں کے پاس بندوقیں تو تھیں لیکن تن پر صحیح کپڑا نہیں تھا۔ بیچر نے مختلف طریقوں اور حربوں سے ان سپاہیوں کو گھیرا۔ ایک جمعدار نے سپاہیوں کو رائے دی کہ بے مقصد پھرنے اور بھوک اور پیاس کے ہاتھوں مارے جانے سے بہتر ہے کہ لڑ کر مرا جائے۔ دوسروں نے یہ بات نہیں مانی تو اس جمعدار نے خودکشی کر لی۔ 5 جولائی کو یہ لوگ دریائے اٹک کی ایک معاون ندی "دنیلی" پر مقیم تھے۔ ان کی جائے قیام کا نام بیلہ سانپاں تھا۔ بعد ازاں ایک دوپہر کو جب سپاہی رسد لینے گاؤں گئے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ ان میں سے دو کسی طرح بچ کر اپنے ساتھیوں سے آ کر ملے۔ اپنے سرداروں کے اشارے پر سید اور کوہستانی ان پر حملے کے لیے بڑھے اور اونچے ٹیلوں سے فوجیوں پر گولیاں برسانی شروع کیں۔ اس موقع پر مقامی عمائدین نے انگریزوں کا بھرپور ساتھ دیا اور 45 سپاہیوں کو قید کر کے بالاکوٹ لائے جبکہ دیگر لڑائی میں ہلاک یا شدید زخمی ہوئے جبکہ کچھ سپاہی فرار ہونے میں بھی کامیاب رہے۔ قیدیوں میں سے تیرہ کو شنکیاری کے مقام پر لایا گیا اور قصبے سے ذرا بلندی پر انہیں

پھانسی دی گئی۔ انکی آخری خواہش تھی کہ انہیں پھانسی کے بجائے توپ کے گولے سے ہلاک کیا جائے۔ جھڑپ سے بچ نکلنے والے سپاہی مشہور جھیل لالوسر کے پاس کوری نار کے مقام پر پہنچے۔ اس اطلاع پر کاغان کے سید، جنہوں نے پہلے بھی ان پر حملہ کیا تھا، مسلح ہو کر پہنچے۔ جھڑپ کے دوران کچھ سپاہی ہلاک ہوئے جبکہ 124 کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں سے چند ایک کے سوا سب کو ہزارہ کے مختلف مقامات پر پھانسی دی گئی۔

بیس روز بعد مہاراجہ کشمیر نے کشمیر پہنچنے والے 45 سپاہی انگریزوں کے حوالے کیے انہیں بھی سزائے موت دی گئی۔

غداروں کے خطوط

انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز میں موجود ہندوستانی نژاد رجمنٹوں کے سر رابرٹ منٹگمری پیپرز میں موجود خطوط کی تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ میجر ہوڈسن مخبروں کی جانب سے موصول ہونے والے خطوط کی نقل تیار کرا کے دریائے ستلج کی مغربی ریاستوں کے کمشنر جارج لارنس کے پاس انبالہ بھیجتا تھا جو اپنے اسسٹنٹ کمشنر جارج لیون سے ان کا انگریزی ترجمہ کرا کے پنجاب کے چیف کمشنر جارج لارنس کو لاہور روانہ کرتا تھا۔ لارنس ان کا مطالعہ کرنے اور اپنے نوٹ تحریر کرنے کے بعد یہ خطوط پنجاب کے جوڈیشل کمشنر سر رابرٹ منٹگمری کو بھیج دیتا تھا۔ منٹگمری کاغذات میں موجود ان تمام خطوط کے تراجم پر جارج لارنس کے دستخط موجود ہیں۔

ان خطوط کی اہمیت کا ذکر فیلڈ مارشل منٹگمری کے چھوٹے بھائی اور 1857 سے 1858 تک پنجاب کے جوڈیشل کمشنر سر رابرٹ منٹگمری کا پوتا کرنل برائن منٹگمری اپنے دادا کی سوانح حیات Monty's Grandfather Sir Robert Montgomery مطبوعہ 1984 میں کرتا ہے۔

انگریزوں کے ایک اہم مخبر رجب علی غداری کے عیوض ملنے والے انعام و اکرام کا ذکر کچھ یوں کرتا ہے:

"بعد تسخیر دہلی بحصول رخصت وطن آیا۔ جب ستلج علاقے کے کمشنر جارج کارنک نے میری خدمات سے متعلق رپورٹ پیش کی تو گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے خلعت اور پانچ ہزار روپے نقد گورنر جنرل سر جان لارنس کے ذریعے عنایت کیے۔ مجھے سابق گورنر جنرل لارڈ کیننگ سے لاہور مہم کے سلسلے میں بہادر کا خطاب بھی ملا۔ انعام و اکرام پانے پر رب کا شکر گذار ہونے کے لئے میں 1861 تا 1863 تک براستہ سکھر، کراچی، بمبئی اور عدن حج اور زیارتوں کے لئے روزانہ ہوا۔"

کرنل بیچر کے ایک مخبر نے 18 اگست 1857 کو لکھا:

"انگریز کیمپ کے بعض سکھ سپاہیوں نے آج دہلی میں موجود باغی سکھ سپاہیوں کو ایک خط بھیجا ہے جس میں انہیں یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ ان کی دلی ہمدردیاں، بادشاہ کے ساتھ ہیں۔ اگر باغی فوج کے سکھ دوسری فوج سے علیحدہ ہو کر محاذ پر آئے تو جنگ شروع ہوتے ہی انگریز کیمپ کے سکھ ان سے آ کر ملیں گے۔ انگریز کیمپ کے 125 سکھ سوار اور تیس یا چالیس افغان سپاہی آج باغیوں سے آ کر ملے ہیں۔"

اس مخبر کی رپورٹ میں آگے چل کر لکھا گیا ہے:

''کل یعنی 17 تاریخ کو مری سے یہاں بھیجا گیا مسز کانٹ کا خط، دو روہالیوں سمیت پکڑا گیا۔ اس خط میں اس نے اپنے شوہر کو لکھا تھا کہ اسے چاہئے کہ وہ اپنے جسم کو مہندی سے رنگ کر ہندوستانی کے روپ میں دہلی سے فرار ہو کر مری کے محفوظ مقام پر آجائے، قاصد اب جیل میں ہے اور گرانٹ کی شہر میں تلاش جاری ہے۔''

واضح رہے کہ کچھ ہی دنوں میں یہ مری کا علاقہ بھی باغی سرگرمیوں کی لپیٹ میں آنے والا تھا اور اس وقت یہ بھی انگریزوں کیلئے جائے پناہ نہیں رہنا تھا۔

مخبر گوری شنکر 28 اگست 1857 کے مکتوب میں لکھتا ہے۔

''سکھوں کا ایک دستہ پنجاب روانہ کیا گیا ہے تا کہ وہاں پہنچ کر پنجابیوں و بغاوت پر اکسا سکیں... ہریانہ سے آئے ہوئے اریگولر کیولری کے بیشتر سوار بغاوت و پھیلانے کیلئے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے ہیں۔ سونی ضلع روہتک کے کامدار خان پہلی اریگولر رجمنٹ میں رسالدار ہوا کرتا تھا اور اب کمپنی بہادر کا پنشن خوار ہے۔ ہندور میں باغیوں کی ایک بہت بڑی تعداد تقریباً بیس ہزار باغی جمع ہیں۔ ان کا ارادہ حصار میں لوٹ مار کرنے کا ہے۔ ہمیں فوجی بغاوت کی نسبت عوام کی بغاوت سے زیادہ خطرہ ہے۔''

دوسری جانب انگریز اہلکار ایچ ایچ گریٹ ہیڈ مورخہ 19 جون 1857 کو برنیس کے نام اپنے مکتوب میں لکھتا ہے:

''مجھے جھیند کے راجہ کو روہتک کا ذمہ دار بناتے ہوئے انتہائی مسرت ہوئی لیکن سر برنارڈ انکے سپاہیوں کو فارغ نہیں کر سکے یوں ان کی باغیوں کے خلاف مہم مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کر سکی۔ اگر پٹیالہ میں اضافی فورس موجود ہے اور اگر آپ کی اطلاع کے مطابق فوجیں پنجاب سے حسار کی جانب پیش قدمی نہیں کر رہی ہیں تو میں ضلع کا عارضی انتظام ان کے حوالے کرنا چاہوں گا۔ یہ ہانسی اور حسار دونوں کی ہماری وفادار عوام کیلئے ضروری ہے۔ اگر آپ کی رضامندی ہوئی تو میں اس ضمن میں مہاراجہ پٹیالہ کو ایک رسمی خط بھی تحریر کروں گا۔

نیولی چیمبرلین 12 جولائی 1857 کو برنیس کے نام اپنے مکتوب میں لکھتا ہے:

''اب جبکہ کرنال ہمارے اضافی اسلحہ اور ساز و سامان کا ڈپو بن رہا ہے، ہمیں وہاں پر انفینٹری کی تعیناتی پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے اور چونکہ اس کیمپ سے ایک بھی سپاہی روانہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے ہمیں حسبِ معمول سپاہیوں کی فراہمی کیلئے پنجاب سے رجوع کرنا چاہئے۔ براہِ مہربانی اس معاملے پر لاہور سے خط و

کتابت کریں اور اگر دیگر سپاہیوں کی تعیناتی ممکن نہ ہو تو آزمائی ہوئی کور سے سکھ سپاہیوں کی چار کمپنیاں ہمیں روانہ کیجئے۔ ہمارے اضافی اثاثوں کو مناسب تحفظ کے بغیر رکھنا ایک سنگین غلطی ہوگی۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ میں آپ سے اضافی سپاہی مانگ رہا ہوں کیونکہ 9 جولائی کو ہلاکتوں، زخموں اور بیماریوں کے ہاتھوں ہم 270 سپاہی ضائع کر چکے ہیں، جبکہ ہمیں اب بھی چاروں اطراف سے حملوں کا خدشہ ہے۔ ہمیں اس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ کرنال اپنی جغرافیائی حدود واربعہ کی وجہ سے میرٹھ، سہارنپور اور مظفر نگر سے رابطے کی ہماری لائین پر ہے اور چونکہ یہاں کا مقامی نواب ہمارے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتا ہے اس لئے مقامی آبادی کی جانب سے بغاوت کا خطرہ کم ہے۔"

14 جولائی کو ایک جھڑپ کے دوران چیمبر لین باغیوں کے ہاتھوں شدید زخمی ہوا اور لیفٹنٹ (بعدازاں سر) نارمن 19 جولائی 1857 کو برنیس کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتا ہے:

"کل دوپہر کو ہماری دشمن کے ساتھ سبزی منڈی کے علاقے میں جھڑپ ہوئی، جس کے دوران ہماری 13 ہلاکتیں ہوئیں جبکہ 69 لوگ زخمی ہوئے۔ ہلاک شدگان میں لیفٹنٹ کروز اور والٹری مل شامل ہیں جبکہ لیفٹنٹ جونز کی ٹانگ ضائع ہوئی، لیفٹنٹ پیٹاؤن شدید زخمی ہوئے جبکہ لیفٹنٹ چیمپنسز معمولی زخمی ہوئے۔

مزید پٹھانوں کو یہاں نہ بھیجیں، یہ چیمبر لین کی خواہش ہے جس کے لئے واضح اسباب موجود ہیں۔ اگر انہیں بھیجنا اشد ضروری ہو تو یقین کیجئے کہ دیگر سپاہی تعداد میں ان سے زیادہ ہوں۔"

جان لارنس 11 اکتوبر 1857 کو برنیس کے نام اپنے مکتوب میں لکھتا ہے:

"طوفان کے بعد اب ہم نے سکون کی سانس لینا شروع کی ہے اور جب پچھلے ایام پر نظر دوڑاتا ہوں تو حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ ہم زندہ کیسے ہیں۔ بس فقط خدا کے کرم کی وجہ سے بچ پائے ہیں۔ اطمینان کی بات یہ تھی کہ تمام پنجاب رجمنٹس مصیبت کی اس گھڑی میں ہمارے ساتھ کھڑی تھیں، البتہ یہ بات ہزارہ رجمنٹ کیلئے نہیں کہی جاسکتی۔ کوہ مری میں ہم تشویش ناک صورتحال سے نبرد آزما تھے اور معمولات کو میری توقع کے مطابق حل نہیں کیا گیا۔ ان امور میں بدانتظامی برتی گئی ہے اور جنگل گھنا ہے اور باغیوں کیلئے مناسب جائے پناہ۔

براہ مہربانی پٹیالہ، نابھا اور جھینڈ کے مہاراجوں کیلئے اعزازات پر غور فرمایئے۔ انہیں ہر صورت نوازنا چاہئے کیونکہ ان کی مدد کے بغیر ہم کہاں ہوتے۔"

ان تینوں سکھ سرداروں کو بعد ازاں کثرت سے نوازا گیا اور بغاوت کے الزام میں سزا پانے والے جھینڈ کے نواب اور دادری سردار دونوں کی ضبط شدہ زمینیں ان میں تقسیم کی گئیں۔ ان کے علاوہ بھی انہیں نقد انعامات اور خطابات سے نوازا گیا۔

''پنجاب بغاوت رپورٹ'' (Punjab Mutiny Report) میں لاہور اور قرب و جوار میں بغاوت سے متعلق کچھ یوں بتایا جاتا ہے۔

''لاہور پنجاب کا مرکزی ڈویژن ہے۔ اس ڈویژن میں صوبے کے دو سب سے بڑے تجارتی شہر ہیں جن میں سے ایک دار الخلافہ بھی ہے۔ قرب و جوار یا دیہی علاقے مقامی معتبرین سے پر ہیں جنہیں سکھوں کی حکومت کے دوران دربار سے اپنی وابستگی اور اس کے تسلسل کیلئے زرعی زمینیں اور جاگیریں عطا ہوتی رہی ہیں۔ اس ڈویژن کی آبادی پورے صوبے کی آبادی کی ایک تہائی پر مشتمل ہے۔ یہ ڈویژن صوبے کے پانچ میں سے چار دریاؤں سے سیراب ہوتا ہے۔ ہندوستان میں برطانوی راج کے ضمن میں لاہور کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

شمال۔مغربی صوبوں میں ناقابل کنٹرول بغاوت کے واقعات کے دوران جس اہم پیش قدمی نے ہمیں شمالی ہندوستان میں پیر جمانے کا موقعہ فراہم کیا وہ میاں میر چھاؤنی میں سپاہیوں کو غیر مسلح کرنا تھی۔ 13 مئی کی صبح کو خطرہ توقع سے زیادہ تھا۔ بیک وقت قلعہ پر قبضے اور چھاونیوں میں سپاہیوں کی شورش کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اس اقدام کی اہمیت کا اندازہ لگانے کیلئے اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ یہ قلعہ شہر لاہور کی شہ رگ ہے، جس میں خزانہ اور اسلحہ رکھا جاتا ہے۔ جبکہ اس سے 50 میل کے فاصلے پر فیروز پور میں ایک اور قلعہ ہے جہاں ہندوستان کے اس حصے میں سب سے زیادہ اسلحہ کا ذخیرہ ہوتا ہے، اگر یہ دونوں قلعے دشمن کے قبضے میں چلے جاتے تو شمالی مغربی صوبے اور پنجاب ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے اور ان علاقوں میں موجود تمام یورپی مارے جاتے، دہلی پر دوبارہ قبضہ ممکن نہیں ہوتا، بلکہ یوں کہا جائے کہ پورا ہندوستان ہمارے ہاتھوں سے نکل جاتا۔ بہرحال شیطان کے عزائم ناکام بنائے گئے۔ 13 مئی کو صبح 5 بجے کے قریب 81 ویں پیادل رجمنٹ کی تین کمپنیوں نے قلعے میں پیش قدمی کی اور دیسی انفنٹری گارڈ کو برخاست کر دیا۔ بارہویں ہارس آرٹلری کی توپوں کی توجہ اور قلعے کی فصیل سے بجائی جانے والی گھنٹیوں کی آواز نے سپاہیوں کے دل دہلا دیئے اور وہ غصے اور حیرت کے ساتھ ہتھیار پیش کرنے لگے۔ ان کی تلواریں بھی رکھوائی گئیں۔ اگلے دن 14 مئی کو رات دس بجے کمشنر مسٹر رابرٹ ایک فوجی اور دو سویلین افسران کے ہمراہ منٹگمری کے پاس

آئے۔ ان کے پاس فارسی میں خفیہ انداز میں لکھا ہوا ایک کاغذ تھا جو انہیں کچھ دیر قبل ہی موصول ہوا تھا۔ اس میں تحریر تھا: ''یہ ستلج پر تعینات ایک پولیس افسر کی رپورٹ ہے جس میں 45 ویں دیسی انفنٹری کی جانب سے فیروز پور مورچے پر حملے کی مبہم تفصیل ہے۔ اس میں کاروائی کے نتیجے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ کل میری جانب سے برگیڈیئر اینز کو پیش کی گئی معروضات کہ سپاہیوں نے اسلحہ پر قبضہ کرلیا ہے اور کشتیوں کے پل سے گزر کر لاہور کی جانب مکمل پیش قدمی کر رہے ہیں، پر توجہ نہیں دی گئی ہے۔ حالات کے پیش نظر ہماری یہ مودبانہ گذارش ہے کہ لاہور میں ہماری پوزیشن کو انتہائی درجے کی اہمیت دینی چاہئے۔ شہری فرائض کی ادائیگی کیلئے واحد پنجاب پولیس کور جو کہ وہاں متعین تمام سویلین افسران کے ذاتی محافظوں پر مشتمل ہے، لیفٹنٹ گولیور کے کمان میں جائزہ لینے کیلئے چھاؤنیوں کا معائنہ کرکے آئی ہے۔ ڈپٹی کمشنر ایگرٹن اور اسسٹنٹ کمشنر ایلیٹ بھی حالات کا جائزہ لینے کیلئے گشت کرکے آئے ہیں واپسی پر انہوں نے خاموشی کا عندیہ دیا ہے۔
کچھ ہی دیر بعد، لیفٹنٹ گولیور فیروز پور کے نسبتاً محفوظ ہونے اور بغاوت کو کچل دینے کی قابلِ مسرت خبر لائے، جو کہ انہیں برگیڈیئر کوربیٹ نے ارسال کی ہے، جنہیں اس کے متعلق براہِ راست برگیڈیئر اینز سے معلوم ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لاہور اور فیروز پور کی برگیڈوں کے درمیان کوئی ساز باز تھی؛ جس کا عندیہ 14 مئی کی دوپہر مجھے برگیڈیئر کوربیٹ کی جانب سے ملنے والے دو فوری پیغامات سے بھی ملتا ہے، جن کے مطابق میاں میر چھاؤنی میں تعینات یہ تمام تر سپاہی بغاوت کرنے کو تیار ہیں۔ اس نے انارکلی کے مکینوں میں افراتفری پیدا کردی اور تمام مرد مکینوں کا جنرل جیل کے ہاں ایک اجلاس منعقد کیا گیا تاہم بندوقچیوں اور ہر میجسٹی 81 ویں رجمنٹ کو اتنی چابکدستی سے تیار کیا گیا کہ مقامی سپاہی واپس اپنی بیرکوں میں چلے گئے۔ فرار ہونے والے کچھ سپاہیوں کو ماجھا علاقے کے دیہاتیوں نے گرفتار کرکے قصور کے اسسٹنٹ کمشنر تھامس کے حوالے کیا۔ مسٹر تھامس نے گرفتار شدگان کو لاہور روانہ کردیا۔ ماجھا کے مقامی سکھ معتبرین اس پورے عرصے کے دوران ہمارے وفادار رہے۔

انارکلی میں فوری طور پر مندرجہ ذیل دفاعی اقدامات کیے گئے: قلعے میں چھ ماہ کیلئے چار ہزار افراد کے راشن کا ذخیرہ کیا گیا اور ایک کے سوا تمام دروازے بند کردیے گئے۔ پنجاب کی مختلف رجمنٹوں کے وہ افراد جو تعطیلات پر اس علاقے میں آئے ہوئے تھے، کو کیپٹن ٹریورس کی کمان میں لایا گیا اور انہیں سنٹرل جیل اور دیگر امکانی خطرات کے حامل مقامات پر چوبیس گھنٹے کی نگرانی پر مامور کیا گیا۔ 36 گھنٹے کے اندر انارکلی کے یورپی مکینوں میں سے 130 افراد پر مشتمل ایک رضاکار جتھہ تشکیل دیا گیا اور کچھ دنوں تک انارکلی کی

نگرانی فقط انہیں، سبحان خان کی پولیس بٹالین کی نصف کمپنی اور کچھ عام پولیس سپاہیوں کو سونپی گئی۔ مسلح پولیس کو چھاؤنی جانے والے راستوں کے گشت پر مامور کیا گیا، جبکہ ان راستوں پر رات کے وقت جونیئر سول اور ملٹری افسران کا پہرہ لگایا گیا۔ قافلوں اور سپاہیوں کے خطوط وغیرہ پر عمومی احتیاطی تدابیر پر سختی سے عمل درآمد کیا جانے لگا۔ 26 اور 27 مئی کو گائیڈ کور کا دہلی کی جانب پیش قدمی کے سلسلے میں یہاں سے گذر ہوا جس کے ایک ہفتے کے بعد بریگیڈیئر چیمبرلین کی زیرِ کمان دستے یہاں پہنچے۔ ان میں بغاوت کے الزام میں انارکلی پریڈ گراؤنڈ میں گولی اور توپ کے گولے سے سزائے موت پانے والی رجمنٹوں کا ایک دستہ بھی شامل تھا۔

اس دوران کئی ایک چھوٹے موٹے واقعات پیش آئے۔ غیر مسلح کئے گئے 10 ویں غیر منظم دستے کا ایک سپاہی یکایک تلوار نکال کر حملہ کرنے لگا، کافی تگ ودو کے بعد اس پر قابو پایا گیا۔ اسے پانچ سال قید کی سزا دی گئی۔ تلوار اُٹھائے ہوئے ایک شخص نے شہر کے دروازہ میں سے نکل کر ایک سنتری کو ذبح کر دیا اور کشتیوں کے پل کی جانب فرار ہوتے ہوئے ایک گھوڑے پر سوار سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ کئی لوگوں کو مشکوک نوعیت کے کاغذات رکھنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا۔ ان کاغذات کو جس رازداری اور احتیاط سے برتا جاتا تھا وہ حقیقی طور بغاوت کا عندیہ دیتی تھی کہ ان کے کچھ مجرمانہ مقاصد تھے۔ تفتیش کے بعد اکثر لوگوں کو جیل بھیج دیا گیا۔ 23 مئی کو مقامی اخبارات پر سخت سنسر شپ عائد کی گئی جو کہ بغاوت کے اثرات ختم ہونے تک جاری رہی۔ 23 اور 24 جولائی کو سیسہ اور سلفر کے بنے ہوئے کارتوسی خول فروخت کرنے پر پابندی عائد کی گئی۔ 29 جون کو ہندوستانی آبادی بشمول سول اہلکار اور گھریلو ملازم غیر مسلح کئے گئے اور شہر بدری کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے 23 اگست کو تمام بے روزگار ہندوستانیوں کی مردم شماری کی گئی۔ دہلی کے محاصرے اور اس کے بعد لاہور اور قرب و جوار سے کوئی 2536 ہندوستانیوں کو مزید کاروائی کے لئے پولیس کی نگرانی میں ان کے آبائی شہروں کو روانہ کیا گیا۔

30 جولائی کو میاں میر چھاؤنی میں تعینات 26 ویں دیسی انفنٹری نے بغاوت کر دی اور اپنے کمانڈنگ افسر میجر اسپنسر، ایک نان کمیشنڈ یورپی اہلکار اور دو مقامی اہلکاروں کو ہلاک کر کے فرار ہوئی۔ یہ سپاہی مٹی کے طوفان کے دوران فرار ہوئے جس کی وجہ سے انگریزوں کو ان کے راستے کا علم نہیں ہو سکا۔ راوی کے کنارے امرتسر کے ڈپٹی کمشنر مسٹر کوپر سے جھڑپ کے دوران انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ اس واقعے نے مستقبل میں بھگوڑوں کے تعاقب سے متعلق منصوبہ بندی کی اہمیت کو اجاگر کیا، کیونکہ یہاں پیچھے رہ جانے والی رجمنٹوں کی وفاداری بھی مشکوک تھی۔ چھاؤنی کے عقب میں موجود دیہات میں چار مضبوط پولیس چوکیاں قائم

کی گئیں اور انہیں سنتریوں کے منظم پہرے کے ساتھ ساتھ اردگرد سے گذرنے والے تمام افراد پر کڑی نظر رکھنے کی ہدایت جاری کی گئی۔ ڈپٹی کمشنر کے فرائض سرانجام دینے والے مسٹر آر ای ایگرٹن کو 17 ستمبر کو فوری طور پر ضلع کے جنوب مغربی حصے میں طلب کیا گیا تاکہ مسلمان آبادی میں کھرل بغاوت کے پھیلنے والے اثرات کو روکا جاسکے۔ اسسٹنٹ کمشنر پرکنس کو بھی کچھ دنوں کیلئے ایک دور دراز پولیس چوکی پر تعینات کیا گیا۔ مسٹر ایگرٹن کی زیرِ کمان ویلز ہارس رجمنٹ کی تعیناتی ضلع کی کھرل آبادی کو باغیوں کے ساتھ شامل ہونے سے روکنے کا سبب بنی۔

11 مئی کو لاہور کے دونوں جیلوں میں 2379 قیدی موجود تھے۔ اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اگر دیسی سپاہی بغاوت میں کامیاب ہوجاتے تو ان تمام قیدیوں کو رہا کردیا جاتا، جس طرح آگرہ اور دیگر مقامات پر کیا گیا۔ اس کے علاوہ باغیوں کو گرفتاری کے بعد جیلوں میں رکھنے کی صورتحال بھی درپیش تھی، چنانچہ ممکنہ حد تک جیلوں میں گنجائش پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس کے پیشِ نظر کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کو جرمانے کی ادائیگی یا کچھ معاملات میں غیر مشروط طور پر قیدیوں کی رہائی کا اختیار دیا گیا۔ علاوہ ازیں، عدالتی اہلکاروں کو بھی ہدایت کی گئی کہ وہ قید کے بجائے زیادہ تر جرمانے اور کوڑوں کی سزا سنائیں۔ جیلوں کو مزید مضبوط کیا گیا۔ درمیانی پشتوں کو ختم کیا گیا، پہریداری کو سخت کیا گیا اور رات میں کسی حملے کی صورت میں سگنل کے غرض سے راکٹ بھی فراہم کئے گئے۔"

اعلانات، اشتہارات اور فتوے

باغیوں کی جانب جاری کردہ اعلانات اور فتویٰ جابجا پنجاب کا ذکر کرتے ہیں۔ آیئے ان میں سے کچھ پر نظر ڈالتے ہیں۔

منگل 15 ستمبر 1857ء کو شیخ سعید رنگین رقم کشوری لال لاہوری کے زیرِ نگرانی ایک تفصیلی پمفلٹ لکھا گیا، جس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں آنے کے بعد مجموعی طور پر پورے ملک کی صورتحال پر ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی۔ اس میں پنجاب کے حوالہ جات اس طرح ملتے ہیں:

"لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز کھلم کھلا کہتے پھرتے ہیں کہ دو سال کے اندر تمام سکھوں کو عیسائی کیا جائے گا۔"

"لاہور کی سردارنی رانی کے بیٹے کو نہ فقط عیسائی کیا گیا بلکہ اُسے دوبارہ تخت نشین کرنے سے متعلق وعدہ کی بھی خلاف ورزی کی گئی (یاد رہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا سب سے چھوٹا بیٹا دلیپ سنگھ ستمبر

1843ء میں اپنے بھتیجے راجہ شیر سنگھ کی موت کے بعد لاہور کی مسند پر بیٹھا۔ اُسے 8 مارچ 1835ء کو عیسائی بنا کر بپتسمہ دیا گیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے 19 مارچ 1849ء کو رسمی طور پر اس کی ریاست اپنے قبضے میں لے لی)۔

''سکھوں کو مراعتوں کی ترغیب دیکر ایک دوسرے کا قتل کرنے پر اکسایا گیا۔ عیسائیوں کی طرح سکھ کمپنی بہادر کے وفادار تھے، لیکن ان کی ایک بڑی تعداد کو قتل کیا گیا۔ سکھوں کو عیسائی مذہب اختیار کرایا گیا۔ انہیں سور کی چربی اور شراب والے کارتوس اپنے دانتوں سے چبانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس طرح اگر کوئی انگریزوں کیلئے اپنی جان دینے کو تیار بھی ہے تو وہ اُسے بھی اپنے دھرم سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔''

''بنارس میں سپاہیوں کو دانتوں سے چبا کر کارتوس چلانے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔ حکم عدولی کرنے والے ان سپاہیوں کو سکھ اور انگریز سپاہیوں کے درمیان کھڑا کر کے انگریزوں نے اپنی بندوقیں داغیں تو یہ سپاہی نیچے جھک گئے اور گولیاں سکھ سپاہیوں کو جا کر لگیں جس پر سکھ سپاہیوں نے بھڑک کر انگریز سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور مقامی دیسی سپاہیوں کی مدد سے چار سو انگریز سپاہیوں اور کئی اعلیٰ افسران کو ہلاک کر دیا۔''

''لاہور کی فتح پر آگرہ کے لیفٹنٹ گورنر کے میر منشی نے جب انہیں مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اتنی بڑی سلطنت آپ کے زیرِ تسلط آ گئی تو لیفٹنٹ گورنر نے جواب دیا: ہمیں اس فتح کیلئے کارتوسوں کا شکر گذار ہونا چاہئے نہ کہ خدا کا۔''

''اعلان نامہ برائے لاہور میں تعینات انفنٹری، کیولری اور آرٹلری رجمنٹوں کے دیسی سپاہی۔ دہلی میں جمع ہونے والے آپ کے ہندو اور مسلمان سپاہی بھائیوں کی جانب سے، لاہور اور پنجاب کے دوسرے مقامات میں تعینات ہمارے ہندو اور مسلمان بھائیوں نام:

اسلام علیکم اور رام رام

یہ انتہائی افسوس کا معاملہ ہے کہ اگرچہ ہم نے اپنے مذہب کے خاطر انگریزوں سے بغاوت کی اور اپنے عقیدے کے دشمن تمام یورپی سپاہیوں کو ہلاک کرنے اور لڑائی جاری رکھنے کیلئے ہتھیار جمع کر رہے ہیں اور خدا کے فضل سے اس میں کامیاب ہوں گے، پھر آپ جو تعلق، رشتے اور سپاہ گیری میں ہماری اپنے ہیں کیونکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں؟ یہ رویہ ناقابلِ برداشت ہے، جس بھی صورت ممکن ہو، اپنے دین کے دشمن کو نیست و نابود کر کے دہلی پہنچو۔ کلکتہ سے پشاور تک تمام تر باغی سپاہی دہلی میں جمع ہو رہے ہیں۔

اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے لڑنا کارِ خیر ہے۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان اس مقصد کیلئے ہمارے ساتھ شامل ہیں۔ کسی بھی صورت میں وہاں نہ رہو اور اگر یورپی سپاہی تمہیں روکنے کی کوشش کریں تو انہیں ہلاک کرنے سے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤ۔

اپنے معاوضے اور ملازمت کے متعلق چنداں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ خدا کے فضل سے یہاں 12 روپے ماہوار پر سپاہی کو ملازمت میسر ہے جبکہ کھانے پینے کی اشیاء بھی وافر مقدار میں موجود ہیں۔ لڑائی میں مارے جانے والے مسلمان جنت میں اور ہندو سرگ میں جگہ پائیں گے۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں بس فوراً یہاں پہنچو۔ تمام سپاہیوں سے صلح و مشورہ کرنے کے بعد پورے ہندوستان میں ایک اعلان جاری کیا گیا ہے۔ پورا ملک، ہندو اور مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ اس اعلان نامے کی ایک کاپی آپ کو بھی ارسال کی جا رہی ہے۔ اس کے مندرجات کو توجہ اور چابکدستی سے پڑھو۔ اس کے نقول تیار کرا کے پنجاب میں ہر جگہ ہمارے ہر ہندو اور مسلمان بھائی تک پہنچاؤ کہ وہ باخبر رہیں اور اپنے بس میں ممکنہ عمل کریں۔ یہ کام ہر صورت میں کرو۔

کسی سپاہی کے ہتھیار ہی اس کے بازو اور پیر ہوتے ہیں۔ کسی زبانی حکم پر اپنے ہتھیار حوالے نہ کرو تا کہ تم بے بس نہ بن جاؤ، اور کامنتر تا کی ذلت اٹھاؤ۔ زندگی کی آخری سانس تک ہتھیار نہ پھینکو اور اگر کسی طور یورپی سپاہی تمہیں روکیں یا مخالفت کریں تو انہیں فرار ہونے مت دو۔

تمہیں اپنے رویے پر شرمندہ ہونا چاہئے۔ ہم یہاں دہلی میں جمع ہیں اور تم مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے ہو۔ اس تاخیر کی وجہ کیا ہے؟

اس اعلان نامے میں درج ہدایات پر عمل کرو۔"

(بغاوت دستاویزات، لاہور ڈویژن، جلد اول صفحات: 258-259)

سیالکوٹ کے باغیچہ دروازہ پر چسپاں کیا جانے والا ایک جذباتی اشتہار:

"انگریز بدمعاشوں کیلئے فرمان:

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب میں لاہور کی جانب پیش قدمی کروں گا تو تم فرار نہیں ہو سکو گے، کیونکہ پنجاب کی فوج مکمل طور پر میرے ساتھ ہوگی۔ یقین جانو کہ پنجاب کبھی بھی تمہارا نہیں ہو سکے گا اور تم مشکلات کا شکار ہو جاؤ گے۔ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً یورپ چلے جاؤ۔ اس طرح شاید بچ جاؤ، لیکن تم بے بس ہو۔ خدا نے تمہاری عقلوں پر تالے ڈال دیئے ہیں، اور کوئی بھی عقل کی بات تمہارے دماغ میں

نہیں آسکتی۔"

سیالکوٹ کے باغیچہ دروازے پر چسپاں ایک اور جذباتی اشتہار:

"ہندوستان اور پنجاب کے چیف کمانڈر انچیف مہاراجہ شیر سنگھ کا فرمان، آج تاریخ یلم جیٹھ، سنبت 1914 کو پنجاب کے ہندو اور مسلمانوں کے نام یہ فرمان جاری کیا جاتا ہے کہ یورپی بدمعاش ہیں اور جنگ کے متعلق خبریں شایع نہیں کرتے چنانچہ یہ فرمان جاری کیا جارہا ہے۔ ست گرو کے حکم پر ہم دس سال مصائب کا شکار رہے۔ آزادی کی کوئی امید نہیں تھی لیکن ست گرو کی دربار میں مہر کی کوئی کمی نہیں۔ ست گرو کے کرم سے ان بدمعاشوں کے حواس خطا ہوگئے۔ انہوں نے ہمارے مذاہب کو ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ باقی سب ختم ہوجائیں اور فقط وہ ہی پروان چڑھ سکیں۔ لیکن قسمت نے عقل کو شکست دے دی۔ جب پادری صاحب دہلی پہنچے تو انہوں نے سپاہیوں کو کارتوس چبانے کا حکم دیا۔ سپاہی پوری رات خاموش رہے۔ جب پو پھٹی، کوئل کوکی اور انسانی آوازیں گونجیں تو صوبیدار بہادر جوراکن سنگھ نے اپنے سپاہیوں کو تیار کیا، تمام بدمعاشوں کو قتل کر کے بادشاہ کو تخت پر بٹھادیا۔ پورے ہندوستان کے سپاہیوں کے نام فرمان جاری کئے گئے۔ جنہوں نے اپنی چھاؤنیوں میں موجود بدمعاشوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت جوراک سنگھ ہر تھانے اور تحصیل میں اپنے آدمیوں کو تعینات کرتے ہوئے کلکتہ کی سمت پیش قدمی کر رہا ہے۔ برہما کا راجہ بھی ایک لاکھ چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس وقت کلکتہ میں موجود ہے۔ کسی بھی بدمعاش کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ حضرت مرزا بھائی ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ اس وقت دہلی میں موجود ہیں۔ یقین رکھو کہ خدا انہیں اس ملک سے زندہ بھاگنے نہیں دے گا۔ وہ اسی طرح ہلاک ہوں گے جس طرح وہ خود دوسروں کو مارتے ہیں۔ وہ دہلی سے چالیس میل لاہور کی جانب پسپا ہوچکے ہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو ہم جلد ہی ان کی بیویوں کو اپنی خدمتگار بنائیں گے۔ جو بھی ہندو یا مسلمان کسی فرنگی کو پناہ دے گا وہ انعام کا مستحق ہوگا۔

باقی کل خیر!!"

دہلی میں جمع ہونے والے ہندو اور مسلمان سپاہیوں کی جانب سے جاری کردہ ایک اور اعلان نامے میں کہا گیا:

"ہندوستان و پنجاب کے باسی بھی اپنی بے حسی / لاتعلقی سے بیدار ہوں اور سوچیں کہ وہ حکومت جو ہندوستان کو بھیانک تباہی میں دھکیل چکی ہے اور جس نے ہمارے مذہب کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے وہ یقیناً پنجاب کو بدحال کرنے اور اس کے باشندوں کے مذہب کو زک پہنچانے سے بھی باز نہیں آئے گی اور ہم اس

وقت کچھ بھی نہیں کر پاؤ گے۔ آج جابروں کو اپنے انجام تک پہنچانا آسان ہے۔ کلکتہ سے پشاور تک فوج اُٹھ کھڑی ہوئی ہے اور انگریزوں کی فوج چار پانچ ہزار گوروں سے زیادہ نہیں۔ اس لئے عورتوں کا پہناوا اتار پھینکو اور مردوں کے لباس اور انداز میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ سرکاری محصولات میں ایک ٹکہ بھی نہ دو، حکومت کے قیام سے قبل جو بھی ادائیگی کرے گا وہ پچھتائے گا اور لوگوں یا مسافروں کی لوٹ مار کرے گا، اس کا گھر اور ملکیت ضبط کئے جائیں گے اور اسے مناسب سزا دی جائے گی۔"

(بغاوت کی رپورٹ، لاہور ڈویژن، جلد اول، صفحات: 258-255)

انگریز فوج کا ایک دیسی افسر سیتا رام جو انگریز فوج کے ساتھ پہلی افغان جنگ میں بھی رہا اور برسہا برس افغانستان میں قیدی/ غلام کی حیثیت میں گذار کے آیا تھا، اپنی سرگزشت میں 1857ء کی بغاوت کے حوالے سے ایک بالکل مختلف زاویے سے لکھتا ہے۔ اس سرگزشت سے کچھ اقتباسات:

"سرکار پر جو تباہیاں افغانستان میں آئی تھیں ان کا چرچہ سارے ہندوستان میں ہونے لگا۔ بہت سے لوگوں کا کہنا تھا کہ: یہ بات نہیں ہے کہ انگریز اجیت ہیں۔ خاص طور پر دہلی میں اس قسم کے چرچے عام تھے۔ سپاہی بددل تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سرکار جب چاہے ہمیں سندھ پار بھیج دیتی ہے۔ انہیں شکایت تھی کہ افغانستان جانے کی ترغیب میں سرکار نے جو وعدے کئے تھے وہ بھی پورے نہیں ہوئے۔ دہلی کے باسیوں نے بھی سپاہیوں کی سن گن لینے کیلئے کچھ جاسوس بھیجے۔ میں نے اس ساری صورتحال سے کوارٹر ماسٹر کو آگاہ کیا وہ سن کر پہلے تو ہنسا پھر مجھے کرنل کے پاس لے گیا۔ اس نے بات تو توجہ سے سنی لیکن کہنے لگا کہ تم پلٹن پر عداوت کے غرض سے یہ الزام لگا رہے ہو۔ آئندہ اس قسم کی بات نہ کرنا۔ اس جھڑک کے بعد میں نے کوئی بات صاحبوں کے گوش گذار نہیں کی۔

کابل اور سندھ کی لڑائیوں کے بعد دہلی سے لے کر فیروز پور تک سرکار کی پلٹنیں غدر کرنے پر آمادہ تھیں۔ سپاہی کہتے کہ سندھ جانے کیلئے ہم لوگوں کو زیادہ بھتہ دینے کا وعدہ کیا گیا تھا جو پورا نہیں ہوا۔ ادھر اُدھر صرف چار پانچ پلٹنوں میں بغاوت کے آثار تھے لیکن ناراضگی سب کے دلوں میں تھی اور بہت سوں کا خیال تھا کہ عنقریب بغاوت ہوگی۔

۔۔۔ سال گذر گیا، ایک اور سال گذر گیا۔ سپاہیوں کا بڑ بڑانا اور جوش کم ہو گیا۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ سکھ لوگ سرکار کے مقابلے میں اپنا زور آزمانا چاہتے ہیں۔ ان کی فوج بہت بڑی تھی اور خوب قواعد سیکھی ہوئی تھی۔ ان کو یقین تھا کہ وہ انگریزوں کو شکست دے دیں گے۔ اب سرکار انبالہ اور لدھیانہ کی طرف پلٹنیں

بڑھانے لگی۔ میری پلٹن بھی اور بہت ساری پلٹنوں کے ساتھ وہاں بھیجی گئی اور ہم لدھیانہ پہنچے اور کچھ مدت وہیں قیام کیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ انگریز افسروں کا خیال تھا کہ سکھ لوگ ندی کے پرلے کنارے سے ہی گیدڑ بھبکیاں مارتے رہیں گے اور آگے آنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ ستلج کے کنارے پر ان کی بڑی بڑی ٹولیاں نظر آتی تھیں لیکن ایک بھی ابھی تک ادھر نہیں آتی تھی۔ بالآخر سکھ سواروں کی ایک ٹولی نے ہری پن کے نزدیک ستلج سے پار اُتر کر چند گھسیاروں کو مار ڈالا اور سرکار کی رسد کا کچھ ذخیرہ لوٹ لیا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ ان کی کچھ نیت ہم پر ظاہر ہوئی لیکن اب بھی افسران کا خیال تھا کہ یہ لوگ ہندوستان پر چڑھائی نہیں کریں گے۔

اب اور بھی پلٹنیں فیروز پور بھیجی گئیں اور اسی دوران میری پلٹن کو بھی وہاں جانے کا حکم ملا۔ کوچ در کوچ چل کر ہم چار دن میں وہاں پہنچ گئے۔

خالصہ فوج کا بڑا نام تھا کیونکہ فرانسیسی صاحبوں نے اس کی تربیت کی تھی۔ بندوقیں ان کی سرکار کی سی تھیں اور ان کے پاس بے شمار توپیں بھی تھیں۔ اکثر کالی پلٹنیں سکھوں کا مقابلہ کرنے سے ڈرتی تھیں لیکن چونکہ کچھ یورپی پلٹنیں بھی فوج کے ساتھ تھیں اس لئے ڈھارس بندھی ہوئی تھی۔ چند روز بعد کچھ سوار یہ خبر لیکر فیروز پور پہنچے کہ کم از کم پانچ لاکھ خالصہ فوج ستلج کو عبور کر کے آئی ہے اور چھاؤنی پر حملہ کرنا چاہتی ہے۔ کچھ افسران تحقیق کو گئے اور واپس آ کر بتایا کہ ایک فوج تو آئی ہے لیکن اس کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ فیروز پور میں سات آٹھ پلٹنیں ہی تھیں لیکن پھر بھی جنرل بٹلر خالصہ فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ ہمیں تعجب ہوا جب سکھ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور فیروز پور کی طرف رُخ نہیں کیا۔ بعد میں سنا گیا کہ ان کا خیال تھا کہ ساری چھاؤنی کے نیچے سرنگ لگائی گئی ہے اور اگر انہوں نے حملہ کیا تو سب کے سب اڑ جائیں گے۔ اس لئے وہ میدان ہی میں لڑنا چاہتے تھے۔''

پنجاب میں جنگ آزادی سے متعلق زیادہ تر افسانوی اور جذباتی رنگ ہی اختیار کیا گیا ہے۔ جس کا ایک اظہار حنیف رامے کی کتاب ''پنجاب کا مقدمہ'' میں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''1857 کی جنگِ آزادی مئی میں شروع ہوئی اور جولائی میں دبادی گئی، انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا تو رائے احمد خان کھرل نے ستمبر میں اپنی مہم شروع کی۔ انگریز کو پنجاب میں اپنے قدم جمائے ہوئے بمشکل دس سال ہی ہوئے تھے کہ پنجابی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پنجاب کو انگریز کا وفادار کہنے والے بھول جاتے ہیں کہ انگریز کے قبضے کے بعد سیالکوٹ، امرتسر، جالندھر اور لاہور میں پنجابیوں نے بار بار انگریزوں کے خلاف بغاوت کی

اور اپنی جانیں قربان کیں اس کے برعکس وہ ''بھیا فوج'' جو پنجاب فتح کرنے کیلئے دہلی اور اودھ سے انگریز کے ساتھ یہاں آئی تھی انگریزوں کی خاطر پنجابی حریت پسندوں کو کچلنے کا فریضہ ادا کرتی رہی۔ رائے احمد خان کھرل کے خلاف لڑنے میں بھی اسی ''بھیا فوج'' نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ میں ''بھیا فوج'' کی ترکیب اردو بولنے والے سپاہیوں کے خلاف حقارت کی بنا پر استعمال نہیں کر رہا۔ پنجاب میں اس فوج کے دو ہی نام تھے، بھیا فوج یا ہندوستانی فوج۔ ''ہندوستانی بڑے شیطانی، آ کڑ آ کڑ پھرتے ہیں'' کی طرح کے لوک گیت اس طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن میں نے مغالطے اور خلجان سے بچنے کیلئے ہندوستانی فوج کی ترکیب استعمال نہیں کی کیونکہ قیام پاکستان کے بعد اس کے معنی بدل گئے ہیں۔''

1857 کی جنگِ آزادی کی صد سالہ تقاریب منانے کیلئے 1957 میں حکومتِ ہند نے ایک باقاعدہ کمیٹی بنائی جس کے ذمے اور چیزوں کے ساتھ اس بارے میں تحقیقاتی مقالے جمع کرنا اور شایع کرانا بھی تھا۔ کمیٹی کو موصول ہونے والے ایک مقالے کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ 1857 کی جنگِ آزادی اس لئے ناکام رہی کہ اس میں پنجابیوں بالخصوص سکھوں نے غداری کی۔ کمیٹی نے غداری کے اس موقف کو رد تو کیا لیکن اس حوالے سے کام کرنے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

سیالکوٹ میں بغاوت کچلنے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی مرزا غلام قادر کے کردار سے متعلق جنرل نکلسن نے برطانیہ حکومت کو آگاہ کیا اور ان کے لئے انعامات اور اعزازات کی سفارش کرتے ہوئے لکھا: ''پنجاب قادیان کے اس خاندان نے جس قدر برطانیہ کی امداد کی اور نمک حلالی کا ثبوت دیا کسی اور خاندان نے اتنا کام نہیں کیا'' اس ضمن میں خود مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''میں مرزا غلام احمد قادیانی ایک ایسے خاندان سے ہوں کہ جو اس حکومت کا پکا خیر خواہ ہے۔ میرا والد غلام مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں ایک وفادار اور خیر خواہ شخص تھا۔ جس کو گورنر کے دربار میں کرسی ملتی تھی اور جن کا ذکر مسٹر گریفن صاحب کی تاریخ رئیسانِ پنجاب میں ہے اور 1857 میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی۔ یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار کی مدد کی۔ ان خدمات کی وجہ سے ان کو حکام سے خطوط بھی ملے تھے مجھے افسوس ہے کہ ان میں سے کئی خطوط مجھ سے گم ہو گئے، مگر میرے والد کی وفات پر میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گذر پر مفسدوں کا سرکار انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا پھر میں نے جو اگرچہ اپنے والد اور بھائی کی وفات کے بعد ایک گوشہ نشین آدمی تھا تاہم سترہ برس سے سرکار

انگریزی کی امداد اور تائید میں اپنے قلم سے کام لیتا ہوں، اس سترہ برس کی مدت میں جس قدر میں نے کتابیں تالیف کی ہیں ان سب میں سرکار کی اطاعات اور ہمدردی کیلئے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں نہایت موثر تقریریں لکھیں اور پھر میں نے قریب مصلحت سمجھ کر اسی امرِ ممانعت جہاد کو عام ملکوں میں پھیلانے کیلئے عربی اور فارسی میں کتابیں لکھیں، جنکی چھپائی اور اشاعت پر ہزار ہا روپے خرچ ہوئے اور وہ تمام کتابیں عرب، بلاد شام، روم، مصر، بغداد اور افغانستان میں شائع کی گئیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کسی نہ کسی وقت ان کا اثر ہوگا۔"

(تفصیل کیلئے دیکھئے اشتہار واجب الاظہار، از مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان 1897)

1857 کی جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کی حمائت میں پنجاب سے جو اہم لوگ پیش پیش رہے، انکی کچھ تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

1831 میں لیفٹنٹ برنس کو لاہور کے سفر کے دوران مدد فراہم کرنے اور سکھوں کی دوسری لڑائی میں انگریزوں کا ساتھ دینے والے سرفراز کھرل نے ایک بار پھر اپنے غیر ملکی آقاؤں کی مدد کی اور احمد خان کھرل سے متعلق اہم معلومات بہم پہنچائیں۔ ملتان کے صادق محمد خان نے نہ صرف ایک سو سوار بھرتی کرائے بلکہ ساہیوال کی لڑائی میں انگریزوں کا پورا ساتھ دیا۔ بغاوت کچلنے کے بعد انگریزوں نے اسے ملتان کا انکم ٹیکس افسر بنا دیا۔ دھاڑا سنگھ بھی انگریزوں کی طرف سے لڑائی میں لڑا اور تین سو روپے سالانہ منصب کے علاوہ کشکوری اور دان مہر سنگھ کے گاؤں جاگیر میں پائے۔ ایک روایت کے مطابق احمد کھرل اسی کی گولی کا نشانہ بنا جبکہ دوسری روایت کے مطابق احمد خان کھرل کا قاتل سردار گلاب رائے بیدی تھا۔

سردار نہال سنگھ کو ان کی خدمات کے صلے میں دس ہزار روپے نقد اور چھ ہزار روپے کی جاگیر ملی۔ اس نے خفیہ خبر رسانی کے علاوہ فوج میں بھرتی کا کام بھی کیا۔ جبکہ انگریزوں سے جاگیریں پانے والوں میں جیوے خان، سردار شاہ، مراد شاہ، بابا کھیم سنگھ، بابا سمپورن سنگھ، کنہیا رام، دھارا سنگھ، ماجھی سنگھ اور جماعت سنگھ وغیرہ شامل تھے۔

1857ء کی جنگِ آزادی اور ذرائع ابلاغ

ہندوستان میں اجنبی راج کے دوران صحافت نے جہاں طالع آزماؤں کے تلوے چاٹے وہاں وطن کی آزادی کیلئے بھی کوششوں میں حصہ لیا۔ 1800ء میں جنوبی ہند میں ایک شخص نے وسیع پیمانے پر قلمی اخبارات تقسیم کیے جن میں برطانوی لشکر کے دیسی سپاہیوں اور تمام شہریوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ جرأت سے کام لے کر فرنگیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہو جائیں اور انہیں ملیامیٹ کر دیں۔ 1806ء میں ویلور کے مقام پر بغاوت ہوئی۔ سر جان میلکم کا کہنا ہے کہ اس بغاوت میں قلمی اخبارات کا بڑا ہاتھ تھا۔ 1836ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل آک لینڈ کا کہنا تھا کہ ہم پر جب بھی کوئی نازک وقت آتا ہے تو قلمی اخبار اشتعال انگیزی پر اتر آتے ہیں، بالخصوص برما جنگ کے دوران تو یہ حد سے گذر گئے۔ اسی سال گورنر جنرل کی کونسل کے رکن میکالے نے ایک نوٹ میں لکھا کہ فقط دہلی سے ہر ہفتے ایک سو بیس قلمی اخبار باہر بھیجے جاتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں بیرونی اخبارات کی کل ہفتہ وار اشاعت تین سو ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ مطبوعہ دیسی اخبار تو احتیاط کرتے ہیں تاہم قلمی اخبارات اکثر ہمیں اور ہمارے ملازمین کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمارے قومی کردار اور اطوار پر طنزیہ فقرے کستے ہیں۔

سی ایس سانیال نے 1911ء میں کلکتہ ریویو کے ایک شمارے میں "تاریخِ صحافتِ ہند" پر اپنے مقالے میں صفحہ نمبر 13 اور 14 پر لکھا کہ قلمی اور مطبوعہ دیسی اخبارات نے جنگِ آزادی سے چند ہفتے قبل تک عوام میں آزادی کے جذبات پیدا کرنے میں انتہا کر دی۔ وہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے۔ حکومت کو مسلسل تنقید کا نشانہ بناتے۔ حکومتی مقاصد کو غلط طور پر پیش کرتے اور حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت پیدا کرنے میں لگاتار مصروف رہتے۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ کے پیش رو اخبارات نے فروری 1857ء میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ دیسی صحافت پر سنسرشپ عائد کی جائے۔ اسی ضمن میں لاہور کے انگریزی اخبار "دی پنجابی" نے 28 مارچ 1857ء کے شمارے میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ دیسی اخبارات فوج میں مقبول ہو رہے ہیں۔ اس نے لکھنؤ کے ایک اخبار کی مثال دی جس میں بارک پور کے ہنگاموں کی خبر "شرارت پسندانہ" انداز میں پیش کی گئی تھی۔ ادھر گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے جنگ کے آغاز میں اخبارات کی آزادی سلب کرنے کی غرض سے اپنی کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جسے صحافتی حلقوں میں قانونِ زباں بندی کے نام سے یاد کیا جاتا

ہے۔ گورنر جنرل نے اس قانون کی حمایت میں اپنی تقریر کے دوران دیسی اخبارات پر بہت لے دے کی۔

اینگلو انڈین اخبارات کا مطالبہ تھا کہ قانونِ زبان بندی کا اطلاق فقط دیسی اخبارات پر ہونا چاہیئے۔ لارڈ کیننگ نے اس کے جواب میں کہا کہ اگرچہ انگریزی اخبارات جو باتیں لکھتے ہیں وہ یورپی قارئین کے لیے مناسب ہیں تاہم دقت یہ ہے کہ دیسی اخبارات انگریزی اخباروں سے مضامین اور خبریں ترجمہ کرتے ہیں جو ہندستانی قارئین کیلئے خطرناک بن جاتی ہیں۔

اگرچہ اینگلو انڈین اخبارات نے اس قانون کی شدید مخالفت کی تاہم لاہور کرانیکل نے 11 جولائی 1857 کو اپنے ایک اداریے میں لکھا:

''ہمارے پاس اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ بہت سے دیسی اخبارات سازش اور بغاوت میں مصروف ہیں لیکن یہ دلیل انتہائی بودی ہے کہ دیسی صحافت یا اس کے ایک جزو کی بغاوت پر اینگلو انڈین صحافت کو بھی قانون کی زنجیروں میں جکڑا جائے۔''

انگریزوں کی پالیسی پر عمل پیرا ایک مسلمان کی ملکیت اخبار ''دی پنجابی'' نے 11 جولائی 1857 کو نئے قانون کی تعریف کرتے ہوئے اپنے اداریے میں لکھا: ''دیسی صحافت نے عوام میں مقبولیت کیلئے نہ اعتدال پسندی کو بنیاد بنایا اور نہ سچائی کو۔ اب اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی ہے کیونکہ یہ زنجیروں اور بیریوں میں جکڑ دی گئی ہے اور اسکی شرارت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ ہم نے کبھی بھی اس پالیسی کو پسندیدگی سے نہیں دیکھا تھا کہ ان اخبارات کو آزادی دی جائے جن کو چلانے والے اپنی جہالتِ عظیمہ کی وجہ سے رسوائے زمانہ ہیں اور جو پرلے درجے کے ناشکرے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ آج کی لگائی ہوئی پابندی کبھی بھی نہیں اٹھائی جائے گی کم از کم ایک سو سال تک تو یہ ضرور برقرار رہے گی۔''

اسی قانون کے تحت کراچی سے شایع ہونے والے اخبار ''سندھ قاصد'' کو کئی ایک نوٹس جاری کیے گئے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔ بنگال کے اخبار ''ہرکارہ'' کا لائسنس منسوخ کیا گیا، جب اخبار کا ایڈیٹر مستعفی ہوا تو لائسنس بحال کیا گیا۔ سہرام پور کے انگریزی اخبار ''فرینڈ آف انڈیا'' کو جنگِ پلاسی کی صد سالہ برسی کے عنوان سے ایک ''خطرناک اور اشتعال انگیز'' مضمون چھاپنے پر تنبیہہ کی گئی جب اخبار نے اس تنبیہہ پر ناراضگی کا اظہار کیا تو اس کا لائسنس ضبط کرنے کی تیاری کی گئی جس پر اخبار کے مالک نے حکومت سے معافی مانگ لی۔ کلکتہ کے تین دیسی اخبار دوربین، سلطان الاخبار اور سماچار سدھا برشن بھی اس قانون کی زد میں آئے۔ ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے ایک ''معتبر'' اینگلو انڈین اخبار سے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا وہ

شاہی فرمان نقل کیا تھا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کر دیں اور اس فرمان کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

کلکتہ کے اخبار گلشن نو بہار کے 21 جون 1857ء کے شمارے کے دو مضامین اس قانون کی زد میں آئے۔ اس فارسی اخبار کو شائع کرنے والے پریس کا لائسنس منسوخ کر کے اس کی مشینری اور دیگر سامان کو ضبط کیا گیا۔ اس طرح اخبار خود بخود بند ہو گیا۔

کئی علاقوں میں تو اس قانون کے اطلاق کا بھی انتظار نہیں کیا گیا اور بغاوت کی اطلاعات آتے ہی اخبارات پر سنسر شپ لگا دی گئی۔ 19 مئی 1857ء کو پشاور کے ہفت روزہ فارسی اخبار ''مرتضائی'' نے خبر شائع کی کہ قلات غلزئی رجمنٹ نے بغاوت کر کے اپنے انگریز افسران کو ہلاک کر دیا ہے، بعد ازاں یہ خبر غلط ثابت ہوئی۔ کرنل نکلسن نے اخبار کے ایرانی ایڈیٹر کو جیل میں ڈال دیا۔

لاہور سے اُن دنوں دو اردو اخبار کوہِ نور اور لاہور گزٹ شائع ہوتے تھے جن پر 23 مئی سے سنسر شپ لاگو کی گئی۔ ان میں شائع ہونے والے مضامین کو سنسر کرنے کی ذمہ داری اسسٹنٹ کمشنر پر کنز کی تھی۔ بعد ازاں جب یہ محسوس کیا گیا کہ سیالکوٹ کا اخبار چشمہ فیض بھی اپنی حدود پھلانگ رہا ہے تو اسے ایک سرکاری حکم کے ذریعے لاہور منتقل کیا گیا اور وہ بھی سنسر ہونے لگا۔ ان تین اخبارات کے علاوہ ملتان کے ایک اخبار کو بھی سنسر شپ کے تابع کیا گیا۔ پنجاب ایڈمنسٹریشن رپورٹ 1857ء میں بتایا گیا ہے کہ سیالکوٹ اور ملتان میں ایک ایک پریس بند کیا گیا۔

قلمی اخبار

دہلی سے ایک قلمی اخبار بھی شائع ہوتا تھا جس کے مدیر چُنی نامی ایک صاحب تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ہر روز ایک اخبار لکھتا ہے۔ جسے اپنے خریداروں کو پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ اس اخبار میں عمومی دلچسپی کے تمام موضوعات پر طبع زاد مضامین کے علاوہ دیگر اخبارات سے بھی خبریں وغیرہ اخذ کی جاتی تھیں۔ اس اخبار میں اکثر و بیشتر کارتوسوں کے مسئلے اور فوج میں موجود باغیانہ خیالات کا بھی ذکر ہوتا تھا۔ اس میں دہلی سے شائع ہونے والے فارسی اخبارات سے ایرانی فوج کے ہندوستان پر حملہ آور ہو کر انگریزوں کو مار بھگانے کی خبریں بھی لی جاتی تھیں جس سے دہلی کے باشندوں بالخصوص مسلمانوں میں جوش پیدا ہو جاتا تھا۔

دہلی میں بغاوت کے دوران 24 جون کو بہادر شاہ ظفر نے جمال الدین نامی ایک شخص کو ایک اخبار جاری کرنے کی اجازت دی تاہم اس میں جھوٹی اور معززین پر کیچڑ اچھالنے والی خبروں کی ممانعت تھی۔

''صادق الاخبار'' نامی اس اخبار میں انگریز مخالف مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کی اشاعت دوسو تھی اور یہ دہلی سے باہر بھی ارسال کیا جاتا تھا۔ جبکہ اہم واقعات پر اس اخبار کے خصوصی ضمیمے بھی شائع ہوتے۔

بہادر شاہ ظفر پر چلائے جانے والے مقدمے کے دوران جب حکیم احسن اللہ خاں سے اس اخبار سے متعلق دریافت کیا گیا تو اسکا کہنا تھا کہ بہادر شاہ اس اخبار کا باقاعدہ مطالعہ نہیں کرتے تھے البتہ شہزادے اس کی ... اہمیت دیتے تھے۔

دہلی کے اخبارات سے کچھ اقتباسات

بہادر شاہ ظفر کے مقدمے کے دوران دہلی کے اخبارات سے 14 اقتباسات بھی پیش کیے گئے۔ ان اقتباسات کا اصل اردو فارسی ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ان کے انگریزی تراجم کو خواجہ حسن نظامی نے ''غدر دہلی کے اخبار'' کے نام سے شائع کیا۔ دہلی کے اخبار ''الاخبار'' کا 13 اپریل 1857ء (جلد نمبر 8) کا شمارہ بتاتا ہے:

''کچھ دن ہوئے جامع مسجد کی ایک دیوار پر ایک اشتہار دیکھا گیا، جس میں اوپر تلوار اور ڈھال بنے ہوئے تھے جبکہ نیچے شاہ ایران سے منسوب فرمان درج تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ تمام مومنین کا فرض ہے کہ وہ شاہ ایران کی تائید و حمایت پر کمر باندھ لیں۔ ان کے حکم کی نہایت وفاداری سے اطاعت کریں اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کریں تاکہ وہ جنگ میں انگریزوں کو ہرا کر برباد کرسکیں اور عام لوگوں کو انعامات اور خطابات سے بڑی فراخدلی کے ساتھ نواز دیں۔ اعلان میں یہ بھی بتاتا گیا ہے کہ شاہ ایران جمشید ثانی بہت جلد ہندوستان آئیں گے اور اس ملک کو اپنا باجگزار بنالیں گے۔ وقائع نگار کا بیان ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس فارسی سے ترجمہ کیا ہوا ہے۔ مجسٹرٹ کی عدالت میں بھی اس ضمن میں کئی گمنام درخواستیں پیش کی گئی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اس ماہ سے ایک مہینہ بعد کشمیر پر زبردست حملہ ہوگا۔''

11 مئی کو صادق الاخبار میں دی پنجابی (لاہور)، انگلش مین (کلکتہ) اور دی سنڈیمن (کراچی) کی فراہم کردہ خبروں کے اقتباسات کی مدد سے شاہ ایران کے فرمان اور سرحد پر ایران کی جنگی تیاریوں سے متعلق معلومات فراہم کی گئی۔

6 جولائی اور 13 اگست کے اخبار میں بتایا گیا کہ افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمد خان سے کہا جارہا ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ چھوڑ کر شاہ ایران سے مل جائے

ایرانی فوج کی خبریں کے عنوان سے 22 اگست کے ''اردو اخبار'' میں یہ خبر شائع ہوئی:

''پشاور اور پنجاب سے آنے والے کچھ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایرانی فوج اٹک تک پہنچ گئی ہے۔ مجھے اس خبر کی سچائی پر پورا یقین نہیں ہے۔ میں نے یہ سنی سنائی بات صرف اس لیے درج کی ہے کہ اس کا امکان موجود ہے یعنی کوئی اتنی غیر ممکن بات نہیں ہے کہ اسے فوراً ہی جھوٹ قرار دیا جائے۔ اس کے باوجود ماننا پڑے گا کہ جس انداز میں آج کل لوگ گفتگو کرتے ہیں اس کے پیشِ نظر کسی بھی خبر پر کامل یقین نہیں کیا جاسکتا۔ ان حالات میں خبر درج کرتے ہوئے تبصرے اور پیش گوئی سے پرہیز لازم ہے۔''

قلعہِ معلیٰ اور صحافت کی سازش

فوجی عدالت کے وکیل استغاثہ میجر ایف جے ہیریٹ نے اپنے طویل بیان میں ثابت کرنے کی کوشش کی کہ 1857ء کے انقلاب کی وجوہات میں قلعہ معلیٰ اور صحافت کے درمیان ہونے والی سازش بھی شامل ہیں۔ قبل از بغاوت کے اخبارات نے اس کی زمین ہموار کی، مثلاً صادق الاخبار نے جنوری 1857ء میں خبر شائع کی کہ روس اور ترکی انگریزوں کے خلاف جنگ میں ایران کی مدد کریں گے اور روسی شہنشاہ نے چار لاکھ سپاہیوں پر مشتمل فوج اس مہم کے لیے تیار کی ہے۔ اسی اخبار نے بتایا کہ شاہ ایران یہاں تک فیصلہ کر چکے ہیں کہ کون کون سے درباری کو بمبئی، کلکتہ اور پونا کی گورنری سونپی جائے گی جبکہ ہندستان بھر کی بادشاہی بہادر شاہ ظفر کے حوالے کی جائے گی۔ مارچ میں اسی اخبار نے خبر چھاپی کہ نوسو ایرانی افسر اور سپاہی ہندستان میں داخل ہو چکے ہیں اور پانچ سو افسر اور سپاہی بھیس بدل کر دہلی میں موجود ہیں۔

اخبار نویس کی شہادت

''اردو اخبار'' کے مدیر شمس العلماء محمد حسین آزاد کے والد مولانا محمد باقر تھے۔ انگریزوں کے وقائع نگار جیون لال نے اپنے روزنامچے میں جس طرح اُن کا ذکر کیا ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ بہادر شاہ ظفر کے خاص مشیروں میں شامل تھے اور انقلاب کے دوران بھی بادشاہ کے ساتھ تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ بغاوت کے دوران مولانا نے دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ ہندستانی سپاہیوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مولانا کی یورش کی جس پر مولانا نے ٹیلر کو زنانہ لباس پہنا کر پچھلے دروازے سے فرار کرا دیا۔ سپاہیوں نے ٹیلر کو شناخت کر کے ہلاک کر دیا۔ جنگ کے بعد انگریز عدالت نے ٹیلر کے قتل کے الزام میں مولانا باقر کو پھانسی دے دی۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ''لاہور کرانیکل'' اور ''دی پنجابی'' کی فائیلوں سے پتا لگتا ہے کہ لاہور کرانیکل 1849ء میں پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے فوراً بعد ہی جاری ہوا تھا۔ اس کے بانیوں

میں تاریخ پنجاب اور تاریخ لاہور کے مصنف سید محمد لطیف کے والد منشی محمد عظیم بھی تھے تاہم جب کمپنی وجود میں آئی تو محمد عظیم کی حیثیت ثانوی ہوگئی اور بالآخر وہ اس کے انتظام سے بے دخل ہوگئے۔ انہوں نے ہی 1857ء کی ابتدا میں ''دی پنجابی'' کے نام سے ایک نیا انگریزی اخبار جاری کیا۔ جس کے وہ مالک تو تھے لیکن ادارتی فرائض اور پالیسی کی ذمہ داری اس کے انگریز مدیر کی تھی۔

4 جولائی کو لاہور کرانیکل میں ایک نامہ نگار ایڈیٹر کے نام خط میں لکھتا ہے:

''دشمنوں کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے، یہ ہمارا جنگی نعرہ ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم ایک ایسی مثال قائم کریں جو نسلوں تک مقامی باشندوں کی نظروں کے سامنے رہے۔ غداری اور برائی کے ذلیل ترین نمونے دہلی کو مسمار کر دیا جائے۔ یہ شہر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا جائے لیکن اس کے کھنڈر برقرار رکھے جائیں تاکہ آنے والی نسلیں اسے دیکھ کر عبرت حاصل کریں اور انہیں احساس ہو کہ برطانوی فوج نے اپنے فرزندوں کے وحشیانہ قتل کا کتنا شدید انتقام لیا۔ آخر ہمارے لیے دہلی کی اہمیت ہی کیا ہے؟ ہم اسے ہندستان کا دارالحکومت نہیں سمجھتے لیکن لوگ سمجھتے ہیں۔ اس ملک کے غیر مطمئن عناصر دہلی اور اس کے کٹھ پتلی بادشاہ کو ہمیشہ سے اپنے اتحاد کی نشانی سمجھتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی سب کی نظریں اسی پر لگی ہوئی ہیں۔ خود ہمارے نوکر کہتے ہیں کہ انگریزی حکومت کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور دہلی پر ہمارا دوبارہ قبضہ ناممکن ہے۔ اگر ہم دہلی کو مسمار کر دیں، اسے نقشے سے مٹا دیں تو پھر یہ تصور عام ہو سکتا ہے کہ خاندانِ مغلیہ کا اقتدار مٹ گیا اور برطانوی اقتدار ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا۔ رہا سوال شرارت پسند بادشاہ اور اس کے حواریوں کا، تو انہیں پھانسی دے دو۔''

18 نومبر کو لاہور کرانیکل میں ''ایک خونین انتقام۔واحد صحیح پالیسی'' کے زیرِ عنوان شائع ہونے والے مضمون کے مندرجات کے مطابق:

''دہلی کو مسمار کر کے زمین سے ملا دینا نہایت ضروری ہے۔ جب اس کے باشندے دور دراز کے صوبوں میں جائیں گے تو لوگوں سے اپنے شہر کی بربادی کا ذکر کریں گے۔ وہ بتائیں گے کہ دہلی کے بازار اور گلیاں انگریز عورتوں اور بچوں کے خون سے ناپاک ہو گئی تھیں اس لئے اس کے عالی شان اور خوبصورت محل اب مٹی کے تودے بن کر رہ گئے ہیں۔ اس عظیم الشان شہر کے کھنڈر ایک یادگار کی صورت اختیار کر لیں۔ لیکن ہمیں افسوس ہے کہ جن دیہات سے ہماری نعشیں برآمد ہوئی ہیں، انہیں اس لیے برباد نہیں کیا جاتا کہ مالیہ وصول ہوتا رہے۔ اگر یہی صورت دلی میں ہوئی تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ لوگ یہاں برابر آباد رہیں

گے اور عظمت پارینہ کی یادگاروں کو دیکھ کر وہ پھر سازشوں میں مصروف ہو جائیں گے۔"

5 دسمبر کو "دی پنجابی" نے دہلی کے بارے میں تجویز کیا:

"ہماری تجویز یہ ہے کہ جہاں آج دہلی واقع ہے وہاں ایک بہت بڑا قلعہ تعمیر کیا جائے۔ اس کے ساتھ وسیع پہاڑیاں بنائی جائیں۔ اس کے صدر بازار کے بارے میں یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس میں مقامی باشندوں کی ایک محدود تعداد آباد ہو سکے گی اور خیال رکھا جائے کہ اس کے قریب کوئی مقامی شہر آباد نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ ہماری تجویز یہ ہے کہ ہم افسروں اور سپاہیوں کی سہولت کیلئے جامع مسجد کو گرجا گھر بنالیں۔"

سزا اور انتقام کی دیگر تجاویز

18 نومبر کے شمارے میں لاہور کرانیکل یوں گوہر افشانی کرتا ہے:

"آج جس بات کو سنگدلی اور بے رحمی قرار دیا جائے گا درحقیقت رحم دلی کی ایک صورت ہے۔ ہم اسے ریاضی کے ایک سوال کے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ 1857ء کی بغاوت میں پانچ ہزار یورپی باشندے مارے گئے اور پچاس ہزار مقامی لوگ مارے جاتے ہیں۔ اگر پچاس برس کے بعد ایک بغاوت ہو تو ایک سو سال میں دس ہزار یورپی لوگ ہلاک ہوں گے اور ایک لاکھ مقامی باشندے۔ لیکن اگر ہم اس وقت ایک انتقامی فوج بنا کر پچاس ہزار کے علاوہ مزید پچیس ہزار مقامی لوگ قتل کر دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک صدی تک کوئی بغاوت نہیں ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک لاکھ، بلکہ ایک لاکھ منفی پچیس ہزار مساوی 75 ہزار مقامی باشندوں کی جانیں بھی بچ جائیں گی اور دس ہزار یورپی زندگیاں بھی بچائی جا سکیں گی۔"

اس مضمون کے اختتامی کلمات میں اختیار کی گئی زبان دیکھئے:

"ہم پھر پکار کر کہتے ہیں کہ ایک خونی انتقام لو۔ جس گاؤں میں ہمارے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انگریز باشندے کی ذرا سی بھی توہین ہوئی ہے اُسے جلا کر خاک کر دیا جائے۔ اور اس کے تمام باشندوں کو برباد کر دیا جائے اور کسی کو بچنے نہ دیا جائے۔ آج ہماری سنگینیں لہو سے سرخ ہونے دو تا کہ آنے والے زمانوں میں کسی انگریز عورت کے خون سے کسی قاتل کا چہرا آلودہ نہ ہو سکے۔"

23 جولائی کے لاہور کرانیکل میں ایک نامہ نگار نے تجویز پیش کی کہ جن لوگوں نے غدر میں حصہ لیا ہے ان سب کو گرم لوہے سے داغا جائے۔ ہمارے اسکول اور کالج بند کر دیئے جائیں اور ان پر جتنا روپیہ صرف ہوتا ہے وہ فوج کی تعداد بڑھانے پر صرف کیا جائے۔

ہندستان کی لجسلیٹیو کونسل نے 13 جون 1857ء کو اخبارات، رسائل اور کتابوں کی اشاعت کے ضمن میں گیگنگ ایکٹ (ایکٹ نمبر XV 1857ء) نافذ کیا جس کا بنیادی مقصد اشاعتی امور کو اپنے زیرِ تسلط رکھنا تھا۔ اس کے مطابق، سرکاری لائسنس کے بغیر پرنٹنگ پریس قائم کرنے یا استعمال کرنے کی ممانعت تھی۔ اس سے حکومت کو بلا لائسنس پرنٹنگ پریس کی تلاشی لینے یا ضبط کرنے کا اختیار حاصل ہوا۔ پرنٹنگ پریس چلانے کیلئے حکومت سے پیشگی اجازت لازمی قرار پائی۔ حکومت کو مشروط لائسنس جاری کرنے یا اسے منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہوا، لائسنس کی شرائط یا لائسنس کی منسوخی کے بعد پریس کو استعمال کرنے پر حکومت کو جرمانے وسزا کا اختیار حاصل ہوا۔ کتابوں وغیرہ پر پرنٹر اور پبلشر کے ناموں کا اندراج اور انکی کاپیاں مجسٹریٹ کو فراہم کرنا لازمی قرار پایا۔ حکومت کو مخصوص اخبارات یا کتابوں کی تقسیم کو ممنوع قرار دینے کا اختیار حاصل ہوا۔

اس ایکٹ کی زد میں آنے والا پہلا اخبار بنگال سے شائع ہونے والا ''فرینڈ آف انڈیا'' تھا جس کے 25 جون کے شمارے میں شائع ہونے والے مضمون ''پلاسی کی صدی'' پر حکومت کو اعتراضات تھے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ہند نے 29 جون کو حکومت بنگال کے سیکریٹری کے نام ایک سرکاری حکم نامہ نمبر 1202 جاری کر کے مذکورہ مضمون بالخصوص اس کے اختتامی دو پیراگراف کو شر پسندی اور مقامی رعایا اور اتحادی ریاستوں میں برطانوی حکومت سے متعلق بداعتمادی پھیلانے کا مرتکب قرار دیا۔ حکم نامے کے مطابق یہ مضمون ایکٹ کی تین شقوں کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہے جس میں (1) عوام میں برطانوی حکومت کے لئے بداعتمادی پیدا کرنا (2) ہندو اور مسلمان آبادی میں اس بنیاد پر شک وشبہ پیدا کرنا کہ حکومت ان کے مذہب میں مداخلت کا ارادہ رکھتی ہے اور (3) یہ مضمون حکومت کے مقامی شہزادوں، عمائدین اور ریاستوں سے دوستانہ روابط کو کمزور کرنے کا موجب بنے گا۔

اس ضمن میں اخبار کو متنبہ کیا گیا کہ ایسے تبصروں کی وجہ سے اس کا لائسنس بھی منسوخ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا سرکاری نوٹیفکیشن کے اجراء سے قبل یہ مضمون شائع کرنے پر ''مدراس اتھینیم'' کو تنبیہ کی گئی جبکہ ''بنگلور ہیرالڈ'' ضبط کیا گیا۔ بعد ازاں ایڈیٹر کو برطرف کرنے پر بنگلور ہیرالڈ کے دوبارہ اجراء کی اجازت دی گئی۔

''دی فرینڈ آف انڈیا'' نے 2 جولائی کو اس حکم نامے پر ایک احتجاجی مضمون ''پہلی تنبیہ'' کے

عنوان سے شائع کیا۔ جس میں اس کاروائی کی مذمت کی گئی تھی۔

یکم اگست کو ''دی ڈھاکہ نیوز'' کے شمارے میں شائع ہونے والے ایک مضمون پر اخبار کو تنبیہہ کی گئی۔ 18 ستمبر کو ہندستان کے قدیم ترین جریدے ''دی ہرکارو'' کو مختلف شماروں میں تین مضامین شائع کرنے پر بند کردیا گیا۔

اگرچہ 1857ء تک برصغیر میں ذرائع ابلاغ نے کوئی خاص ترقی نہیں کی تھی اور چند ایک مقامی اور اپنے اشاعتی شہروں تک ہی محدود اخبارات ہی مقامی لوگوں کی ملکیت تھے تاہم ان کا کردار خاصی حد تک جنگِ آزادی کی حمایت میں تھا۔ ذرائع ابلاغ کے ضمن میں سب سے اہم اور دلچسپ کردار اُن اشتہارات، اعلانات اور فرامین کا ہے جو غیر قانونی طور پر تحریر کرکے شائع کیے اور شہروں کے اہم اور پُرہجوم مقامات پر چسپاں کیے جاتے تھے۔ ان اشتہارات میں سے کچھ میں باغیوں کی حمایت میں آنے والی بیرونی امداد کا عندیہ ہوتا تھا تو کچھ میں باغی اپنے دل کی بھڑاس نکالتے تھے۔ کچھ میں محاذِ جنگ پر ہونے والی کامیابیوں سے آگاہ کیا جاتا تھا تو کچھ میں لوگوں کو طالع آزماؤں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی صدا دی جاتی تھی۔ تاہم ان میں سے سب سے اہم وہ اشتہارات تھے جن کے ذریعے باغی سنجیدگی کے ساتھ حال اور مستقبل سے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے تھے۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ان اشتہارات میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں طور پر مخاطب کیا جاتا تھا۔ ان اشتہارات سے انگریز حکمرانوں کی نیندیں اڑ جاتی تھیں اور وہ اکثر و بیشتر اپنی رپورٹوں میں انہیں باغیوں کے [illegible] حملوں سے زیادہ خطرناک گنواتے تھے جیسا کہ گورنر جنرل [illegible] کیننگ 13 جون 1857ء کو ہندستانی اخبارات کیلئے کہتے ہیں: ''اس بات و [illegible] نہ تو جانتے ہیں اور نہ [illegible] ہیں کہ گذشتہ چند ہفتوں کے دوران دیسی اخبارات نے خبریں شائع کرنے کی آڑ میں ہندستانی باشندوں کے دلوں میں دلیرانہ حد تک بغاوت کے جذبات پیدا کردیئے ہیں۔ یہ کام انتہائی مستعدی، چالاکی اور عیاری کے ساتھ انجام دیا گیا ہے۔''

آیئے ان اشتہارات اور پمفلٹوں میں سے کچھ کا سرسری جائزہ لیں۔

ہندستان کے مختلف شہروں بالخصوص صوبۂ اودھ سے دہلی پہنچنے والے سپاہیوں کی جانب سے تاحال اس بغاوت میں شامل نہ ہونے والے بالخصوص پنجاب سے تعلق رکھنے والے سپاہیوں کے نام ایک اعلامیہ جاری کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ:

.... ''دہلی میں جمع ہونیوالے آپ کے ہندو اور مسلمان سپاہی بھائیوں کی جانب سے، لاہور اور

پنجاب کے دیگر مقامات پر تعینات ہمارے ہندو اور مسلمان سپاہی بھائیوں کے نام:

اسلام علیکم اور رام رام

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ہم نے اپنے مذہب کیلئے انگریزوں کے خلاف بغاوت کردی ہے اور آپ جیسے ہی سپاہیوں نے جگہ جگہ اسلحہ جمع کیا ہے اور تمام یورپی سپاہیوں کو آخری شکست دینے کیلئے اور قتل کرنے کے انتظامات کرلیے ہیں اور خدا کی مدد سے وہی فتح یاب ہوں گے۔ تو تم جو ہمارے اپنے اور سپاہی بھائی ہو کیونکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو؟ ایسا رویہ نا قابلِ برداشت ہے۔ جس بھی صورت ممکن ہو اپنے دشمن کو نیست و نابود کرو اور دہلی کی جانب کوچ کرو۔ کلکتہ سے پشاور کے تمام باغی سپاہی دہلی میں جمع ہو رہے ہیں۔

اپنے مذہب کے دفاع میں لڑنا جائز ہے۔ ہزاروں ہندو اور مسلمان سپاہی اس مقصد میں ہمارے ساتھ ہیں۔ کسی بھی طور پر وہاں پڑے نہیں رہو اور یورپی سپاہی کسی بھی حوالے سے تمہاری راہ میں حائل ہوں تو تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں ہلاک کردو۔

اپنی ملازمت اور تنخواہ کی فکر مت کرو۔ خدا کے فضل و کرم سے یہاں پر 12 روپے ماہوار پر ملازمت موجود ہے جبکہ خوراک کا بھی ذخیرہ ہے۔

اس فرمان کی دس، بیس، پچاس یا زیادہ نقول کرانے کے بعد اُسے ہر جگہ پھیلاؤ تاکہ یہ پیغام قریہ قریہ پھیل جائے اور پنجاب کی ہر چھاؤنی میں موجود ہمارے ہندو اور مسلمان بھائی اس سے باخبر ہو جائیں۔ کسی سپاہی کیلئے اس کے ہتھیار ہی اس کے بازو اور پیر ہوتے ہیں اس لیے کسی کو بھی جیتے جی اپنے ہتھیار حوالے نہ کرو اور اگر یورپی سپاہی تمہاری مخالفت کریں تو انہیں فرار ہونے کا موقع بھی نہ دو۔"

سیالکوٹ کے مرکزی باغ کے دروازے پر چسپاں کیے گئے ایک اشتہار کی باغیانہ زبان پر غور کیجئے جس کا عنوان تھا "انگریز بدمعاشوں کے نام فرمان۔"

"یہ ذہن نشین کرلو کہ جب میں لاہور کی جانب پیش قدمی کروں گا تو تمہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہیں ملے گی کیونکہ پنجاب کے سپاہی جوق در جوق میرے ساتھ شامل ہوں گے۔ یقین جانو کہ پنجاب کبھی بھی تمہارا نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ اس صوبے میں تمہاری ہڈیاں توڑی جائیں گی۔ اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو فوراً یورپ کا رخ کرو۔ اسی طرح تمہارا بچنا ممکن ہے ورنہ تمہاری خیر نہیں۔ خدا نے تمہاری عقل پر تالے لگا دیئے ہیں اور تمہارے دماغ میں کوئی بات نہیں آسکتی۔"

اسی جگہ پر چسپاں کیے گئے ایک اور اعلامیے کا پہلا پیراگراف صورتحال کی عکاسی کرتا ہے:

"آج یکم جیٹھ، سمبت 1914 کو پنجاب کے ہندو اور مسلمانوں کے نام یہ پیغام اس لیے جاری کیا جا رہا ہے کہ انگریز انتہائی بدمعاش ہیں اور جنگ سے متعلق خبریں شائع نہیں کرتے، اس لیے آپ کو جنگ کی صورتحال سے باخبر رکھنے کیلئے یہ پیغام جاری کیا جا رہا ہے۔۔۔"

دہلی سے شایع ہونے والے اخبار "صادق الاخبار" کے 19 مارچ 1857ء کے شمارے کے مطابق دہلی کی جامع مسجد سمیت شہر کے کئی ایک اہم مقامات پر محمد صادق کے نام سے شاہ ایران کی جانب سے ایک اعلان چسپاں کیا گیا ہے جس کے مطابق سالم ایمان کے مالک افراد کو غیر ملکی عیسائیوں کی مدد کرنے سے گریز کرنا چاہئے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں مسلمانوں کی فلاح و بہبود کیلئے استعمال کرنا چاہئے۔ اور خدا نے چاہا تو ہم بادشاہِ ایران ہندستان کے تخت پر جلوہ افروز ہونگے اور یہاں کے عوام اور بادشاہ کو خوش و خرم بنا دیں گے۔ ہندوستان کے باشندوں کو تمام تر وسائل کے باوجود انگریزوں نے مفلوک الحال اور تاراج بنا دیا ہے ہم انہیں خوشحال اور بااثر بنا دیں گے۔

اس اعلامیے میں مزید بتایا گیا ہے کہ 900 ایرانی سپاہی اپنے افسران کے ہمراہ ہندستان میں داخل ہو چکے ہیں جن میں سے 500 ایرانی دہلی کے مختلف مقامات پر بھیس بدل کر رہ رہے ہیں۔

اس اعلامیے میں صادق خان خود کو ایرانی ظاہر کرتے ہوئے دہلی میں اپنی آمد کی تاریخ 4 مارچ ظاہر کرتا ہے۔ بقول اس کے اپنے وہ پورے ہندستان سے مخبروں کی رپورٹیں وصول کر کے مستقلاً شاہِ ایران کو روانہ کرتا رہتا ہے۔

اخبار کے مطابق اس اعلامیے کے چسپاں ہوتے ہی دہلی کا شہر اور اس کا قرب و جوار مختلف نوعیت کی افواہوں اور بحث و مباحثے کی زد میں ہیں جہاں ہندو آبادی بھی برملا اس بات کا اظہار کرنے لگی ہے کہ اگر شاہِ ایران ہمارے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو تخت پر دوبارہ بٹھانے کیلئے اسی طرح مدد کرتا ہے جیسا کہ ہمایوں کے ساتھ عباس شاہ صفوی نے کیا تھا تو اس کی فوج کشی کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اخبار کے مطابق اس اعلامیے پر تلوار اور ڈھال کا نشان بنا ہوا تھا۔

صادق الاخبار نے 11 مئی 1857ء کو ایک اور اعلامیہ شائع کیا جس کی ایک نقل اخبار کے مطابق ایک مغل شہزادے کے خیمے سے حاصل کی گئی تھی اور جو بعد ازاں لاہور سے شائع ہونے والے انگریزی اخبار "دی پنجابی" میں شائع ہوا۔ اخبار کے مطابق آجکل (یہ وہی دن تھے جب منگل پانڈے کی بغاوت اُن کی ہلاکت کی صورت میں سامنے آ چکی تھی اور 11 مئی تک کم از کم کانپور سے باغی سپاہیوں نے

دہلی کی جانب پیش قدمی شروع کر دی تھی) اس اعلامیے کے مندرجات پر دہلی اور قرب و جوار میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں اور کئی ایک صاحب ثروت پڑھے لکھے لوگ اپنے طور پر اس کی نقول تیار کرا کے چسپاں اور تقسیم کر رہے ہیں۔

لکھنو میں چسپاں کیے گئے ایک اشتہار میں کہا گیا تھا:

''ہندو مسلمانوں! متحد ہو کر اُٹھو اور ایک ہی بار ملک کی قسمت کا فیصلہ کرو کیونکہ اگر یہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا تو تمہارے لیے جانیں بچانے کا موقعہ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ آخری موقعہ ہے۔ اب یا کبھی نہیں۔''

مدراس کے اشتہار میں تحریر تھا:

''ہم وطنو اور مذہب کے شیدائیو! تم سب ایک ساتھ اُٹھو۔ فرنگیوں کو نیست و نابود کرنے کیلئے، جنہوں نے عدل و انصاف کے ہر اصول کو روند ڈالا ہے، ہمارا راج چھین لیا ہے، ہمارے ملک کو خاک میں ملانے کا ارادہ کیا ہے۔ صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ کہ خون ریز جنگ کی جائے۔ یہ آزادی کیلئے جہاد ہے۔ یہ حق اور انصاف کیلئے مذہبی جنگ ہے۔''

اودھ میں ''فتح اسلام'' کے عنوان سے ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا جس میں مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دی گئی تھی۔ جہاد کا مکمل خاکہ اور آئندہ کا لائحہ عمل وضع کیا گیا۔ اس پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ:

''ہندوؤں کو چاہیے کہ وہ ان رہنماؤں کے ساتھ شامل ہو کر اپنے دھرم کو بچائیں۔ ہندو مسلمان چونکہ بھائی ہیں اس لئے انہیں انگریزوں کو نکالنے کیلئے مل جل کر شریک ہونا چاہیے۔''

اس کے بعد اس پمفلٹ میں انگریزوں پر حملہ کرنے کا پروگرام دیا گیا تھا کہ حملے ایک مقررہ دن پر کیے جائیں گے اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک ہی مہینے میں دو چار دن کے وقفے سے باقاعدہ کیے جائیں تا کہ انگریز کہیں جمع نہ ہو سکیں۔ اس تفصیلی پمفلٹ کے آخر میں ایک اعلان تھا جس کے الفاظ اور اشعار تقریباً وہی تھے جو مولوی لیاقت علی کی جانب سے الہ باد میں جاری کیے گئے اشتہارات میں تھے۔ جہاد کا یہ پمفلٹ دکھنی علاقوں حیدر آباد اور مدراس سمیت پورے ملک میں تقسیم کیا گیا۔

جنرل بخت خان نے دہلی پہنچنے کے بعد جہاں سپاہیوں کی تنظیم سازی اور جنگی حکمت کو آخری شکل دی وہاں اس جنگِ آزادی کیلئے وسیع تر عوامی حمایت حاصل کرنے کیلئے دہلی کے اہم گروہوں سے بھی روابط قائم کیے۔ اس ضمن میں انہوں نے جامع مسجد دہلی میں شہر کے اہم علمائے کرام سے ایک نشست کا

انعقاد کر کے ایک فتویٰ طلب کیا، جو کہ بعد ازاں جامع مسجد کے دروازے پر چسپاں کیا گیا۔ اس فتوے میں بنیادی سوال یہ اٹھایا گیا تھا کہ انگریزوں کے دہلی پر یلغار کے بعد کیا اس شہر کے عام شہریوں پر شہر کے دفاع کا فریضہ عائد نہیں ہوتا؟ پینتیس علما کے اس فتوے میں واضح کیا گیا تھا کہ اگر کسی شہر پر کوئی بیرونی فوج حملہ آور ہوتی ہے تو اس کے دفاع کا پہلا فریضہ تو پیشہ ور فوج کا ہی ہے تاہم ان کی کسی کمزوری یا سستی کی صورت میں اگر طاقت ہو تو شہر کی عام آبادی کو بھی اپنے دفاع میں ہتھیار اٹھانے کی گنجائش ہوتی ہے۔

3 رجب 1274ھ بمطابق 8 فروری 1858ء کو بہادری پریس سے مولوی سید قطب شاہ کے زیرِ اہتمام نیاز علی داروغہ کے ذریعے شہزادہ فیروز کا ایک اعلامیہ شائع ہوا۔ شہزادہ فیروز 10 اپریل 1858ء کو اودھ سے بریلی آ گئے تھے۔ اس تفصیلی اعلامیے میں جہاں اس امید کا اظہار کیا گیا ہے کہ انگریز حملہ آوروں کو جلد یا بدیر شکست دی جائے گی وہاں شہزادے نے مئی 1857ء سے جاری جنگ میں انگریزوں کے خلاف ہندستانیوں کی مزاحمت کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور خود کو ظلم سے نفرت کرنے اور انصاف پسند کرنے والا بتایا ہے۔ اپنے وسائل کی تنگی کا ذکر کرتے ہوئے وہ ہندستانیوں سے انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے اور اپنا ساتھ دینے کی اپیل کرتے ہیں۔

مئی 1857ء سے 1858ء کے پہلے نصف تک کئی شہروں میں ایسے اعلانات اور فرامین بھی گردش میں رہے جن کے تحت انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے والے زمینداروں، تعلقہ داروں اور تاجروں پر مختلف نوعیت کے محصولات ختم کرنے کا اعلان کیا گیا تھا۔

ان قلمی اخبارات اور اشتہارات کا ذکر بہادر شاہ ظفر پر چلائے گئے مقدمے کے دوران بارہا ہوتا رہا۔ خاص طور پر صادق الاخبار کے کردار کے حوالے سے جرح کے دوران ایک گواہ نے جب عدالت کو یہ بتایا کہ اس اخبار کی اشاعت دو سو تھی تو انگریز وکیل نے تعجب سے کہا کہ دیئے گئے بیانات کے مطابق یہ دہلی کا سب سے زیادہ تیز اور منہ پھٹ اور انگریز دشمن اخبار تھا اور بادشاہ سے لے کر گدا گر تک سب اس کو پسند کرتے تھے مگر تعجب ہے کہ اس کے خریدار فقط دو سو تھے۔

اس کے جواب میں گواہ کا کہنا تھا کہ ایک شخص اخبار خریدتا تھا اور بیسیوں پڑھتے تھے۔ دہلی میں یہی دستور تھا کہ ایک آدمی اخبار پڑھ لیتا تو اپنا پرچہ دوسروں کو دے دیتا تھا۔ مقدمے کے دوران اس اخبار نے کل تیرہ اقتباسات عدالت میں پیش کیے گئے جو جنوری 1857ء سے ستمبر 1857ء تک کے تھے۔ انگریزوں کی برصغیر آمد کے وقت اکثر علاقوں میں دربار اور سرکاری خط و کتابت کی زبان فارسی میں شائع

ہونے والے اخبارات بھی غیر ملکی طالع آزماؤں کی گوشمالی میں پیش پیش رہے۔

1822ء میں راجہ رام موہن رائے کا جاری کردہ فارسی اخبار "مراۃ الاخبار" دراصل دنیا کا پہلا فارسی اخبار تھا۔ 1822ء میں مختلف دیسی زبانوں میں شائع ہونے والے اخبارات سے قبل انگریزی اخبارات کمپنی بہادر کے افسران اور ڈائریکٹروں کی حمایت و مخالفت میں تقسیم تھے تاہم بعد ازاں یہ دیسی اخبارات کے خلاف یکمشت ہو گئے اور یہ انگریزی اخبارات حکومت کے ہر اقدام کی حمایت و تعریف کرنے لگے۔ یہ سلسلہ 1857ء میں جنگ پلاسی کے صد سالہ موقعہ پر اپنے عروج پر پہنچا جس کا ایک اظہار مشرقی امور کے ماہر گارسیں دتاسی کے اس بیان سے ہوتا ہے:

"ان منحوس کارتوسوں کی تقسیم کے موقعہ پر ہندستانی اخباروں نے، جو بد دلی پھیلانے میں پہلے سے مستعدی دکھا رہے تھے، اپنی غیر محدود آزادی سے فائدہ اٹھایا اور اہلِ ہند کو کارتوسوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کرنے پر آمادہ کیا اور یہ باور کرا دیا کہ اس حیلے سے انگریز ہندستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتے ہیں۔"

رجب علی حسینی لکھنوی کی ادارت میں شائع ہونے والا فارسی اخبار "سلطان الاخبار" انگریزوں کے ظلم و زیادتی، مکارانہ اور متعصبانہ سازشوں کی نقاب کشائی کو اپنا فرض سمجھتا تھا اور جس بے باکی سے ان پر تبصرے کرتا تھا، اس کی مثال نہیں ملتی مثلاً 2 ستمبر 1835ء کے شمارے میں مدیر نے ایک مضمون لکھ کر ہندستانیوں کو اس بات پر غیرت دلائی کہ مٹھی بھر انگریز ان پر ظلم توڑ رہے ہیں اور وہ بلا چوں و چرا اسے برداشت کر رہے ہیں۔

انگریز استعماریت کے خلاف اپنی تحریروں کے ذریعے احتجاج کرنے والے دیگر فارسی اخباروں میں احسن الاخبار، سراج الاخبار، آئینہ سکندر، دوربین وغیرہ شامل تھے لیکن گلشن نو بہار اس صف میں ہراول رہا جو کہ بحق سرکار ضبط ہو کر بند بھی کر دیا گیا۔

گورنر جنرل لارڈ کیننگ 4 جولائی 1857ء کو بغاوت کے حالات سے کورٹ آف ڈائریکٹرز کو مطلع کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں گلشن نو بہار کا ذکر یوں کرتا ہے:

"کلکتہ کے ایک لیتھوگرافک پریس کا اجازت نامہ بھی ہم نے منسوخ کر دیا ہے اور حکم جاری کیا ہے کہ اس چھاپے خانے کا تمام سامان ضبط کر لیا جائے۔ یہ قدم ہم نے اس وجہ سے اٹھایا ہے کہ اس چھاپے خانے میں ایک فارسی اخبار گلشن نو بہار شائع ہوتا ہے جس میں انتہائی باغیانہ مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔"

حکومت پنجاب کے ریکارڈ سے یہ پیراگراف دیکھئے:

''پنجاب کے اخبارات پر بہ آسانی شدید سنسر عائد کیا گیا۔ پشاور میں ''مرتضائی'' کے ایڈیٹر کو باغیانہ مضامین لکھنے کے جرم میں قید کر کے اخبار بند کر دیا گیا۔ اسی طرح ملتان کے ایک دیسی اخبار کی اشاعت بھی روک دی گئی۔ ''چشمہ فیض'' کے ایڈیٹر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اخبار کو سیالکوٹ سے لاہور منتقل کرے تاکہ اس کی نگرانی کی جاسکے۔''

10 مئی 1857ء کو میرٹھ سے جب اس بغاوت کا آغاز ہوا تو لال قلعہ دہلی سے شائع ہونے والے فارسی اخبار ''سراج الاخبار'' نے 11 مئی کو اس کی تفصیلی خبر شائع کی۔

آیئے اب برطانیہ سے شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

برطانیہ سے شائع ہونے والا ''مانچسٹر گارجین'' 29 ستمبر 1857ء کے اپنے شمارے میں ہندستان کی صورتحال پر برطانوی آبادی کی تشویش کو اس طرح بیان کرتا ہے:

''حالیہ دنوں میں کسی بھی طور پر انھوں نے یہ بات نہیں کی کہ تمام طبقات اور جماعتوں سے تعلق رکھنے والے تمام سیاستدانوں کے دماغوں میں ہماری ہندستانی سلطنت کی صورتحال سے متعلق خدشات ہی ہلچل مچا رہے ہیں، ہر آنکھ ہندستان پر مرکوز ہے اور ہر کان وہاں سے آنے والی خبروں کی آخری سرگوشی تک سننے کیلئے بیقرار ہے۔ اخبارات ہندستان کے طول و عرض سے آنے والی اطلاعات سے پر ہیں۔ کسی دوسرے یا کم اہمیت کے معاملے پر سوچنے یا بات کرنے کیلئے کسی کے پاس وقت نہیں۔ وہاں برطانیہ کی سلطنت، توقیر اور عزت کو داؤ پر محسوس کیا جا رہا ہے۔''

ان دنوں برطانوی پریس بالخصوص ''دی نیشن'' ہندستانی سپاہیوں اور شہری آبادی کی جانب سے انگریزوں سے رکھے جانے والے ناروا سلوک کی من گھڑت داستانوں سے بھرا ہوا تھا۔ انہی میں سے ایک داستان ''مسز فرکوہارسن'' کو تشدد کے بعد زندہ جلانے سے متعلق تھی۔ تاہم یہی خاتون بعد ازاں زندہ سلامت اور یورپ میں رہائش پذیر پائی گئیں۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ یہی دی نیشن اپنے 17 اپریل 1858ء کے شمارے میں برطانوی معاشرے میں غلط بیانی اور ریاکاری کا ان الفاظ میں پردہ چاک کرتا ہے:

''پورے برطانیہ میں جھوٹ کا دور دورہ ہے۔ لارڈ جھوٹ بولتے ہیں تو تمام عوام بھی۔ تاجر جھوٹ بولتے ہیں اور دھوکہ دہی بھی کرتے ہیں۔ بینک اور کمپنیاں ہر قسم کے جھوٹ کا پلندہ بن چکی ہیں۔ صفِ اول کے جرائد پیر جما کر جھوٹ بولتے ہیں اور چھوٹے رسائل ان سے بھی دو قدم آگے ہیں۔''

اخبار دی اسکاٹ مین ہندستانی سپاہیوں کے نام نہاد مظالم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کرنل وھیلر کی ذہنی اور اخلاقی پستی نے ان خوفناک مظالم کا بیج بویا ہے جن پر پوری مہذب دنیا حیرت زدہ اور پریشان ہے۔" یہ اخبار کرنل کو "ایک بیوقوف انسان" کہنے سے بھی نہیں چونکتا۔

ہندستان میں عیسائیت کی تبلیغ کی پرزور حمایت کرتے ہوئے "السٹریٹیڈ لندن نیوز" لکھتا ہے کہ "مشنریوں کو یسوع کا پیغام عام کرنے کیلئے ہندستان جانے دیا جائے تاہم انہیں کوئی سرکاری عہدہ نہ دیا جائے۔"

بنگال میں سپاہیوں کی بغاوت کا ایک اہم عنصر مقامی رجمنٹ میں 200 سکھ اور پنجابی سپاہیوں کو شامل کرنے کا حکومتی فیصلہ تھا۔

یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ 1857ء کی جنگِ آزادی کے دوران بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں ہندستانیوں کی حمایت میں اُٹھنے والی سب سے طاقتور اور توانا آواز کارل مارکس کی تھی۔

کارل مارکس اُن دنوں لندن میں مقیم تھے اور اخبار "نیو یارک ڈیلی ٹریبون" کے مراسلہ نگار تھے۔ وہ 16 ستمبر 1857ء کو اپنے مراسلے میں لکھتے ہیں: "اگرچہ ہندستان میں باغی سپاہیوں نے جو تشدد کیا ہے وہ واقعی بھیانک، مکروہ اور ناقابل بیان ہے، تاہم ایسے برتاؤ کی برطانیہ نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی ہے اور ہندستان کے حالیہ معاملے میں بھی یہ تشدد یکطرفہ نہیں ہے۔ ہندستان میں تعینات برطانوی افسران کے خطوط سے غصے اور اندھے انتقام کی بو آتی ہے۔" وہ ٹائمز جیسے اخبارات میں ہندستان سے متعلق شائع ہونے والی رپورٹوں کا تمسخر اُڑاتے ہوئے اپنے قارئین کو بتاتے ہیں کہ عجب بات ہے کہ دہلی اور میرٹھ میں ہندستانی باغی سپاہیوں کے "مظالم" کی داستان وہاں سے ہزار میل دور بنگلور میں موجود ایک پادری سناتے ہیں جو انکے ذہن کی اختراع سے زیادہ کچھ نہیں ہوسکتی۔

17 ستمبر 1857ء کو نیو یارک ڈیلی ٹریبون میں لکھے گئے اداریے کا اختتام کارل مارکس اس بات پر کرتے ہیں کہ: "ہم نے یہاں ہندستان میں برطانیہ کی حکمرانی کی سچی تاریخ سے ایک مختصر اور معتدل سا حصہ پیش کیا ہے۔ ان واقعات کے پیش نظر غیر جانبدار اور صاحب فکر لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ کیا کسی قوم کی یہ کوششیں بجا نہیں ہیں کہ وہ اُن غیر ملکی فاتحوں کو نکال باہر کرے جو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا بُرا سلوک کرتے ہیں۔ اور اگر انگریز لوگ ایسی باتیں سنگدلی کے ساتھ کرسکتے ہیں تو کیا ان پر حیرت ہوگی کہ باغی ہندستانی اپنی بغاوت اور تصادم کے طوفان میں انہی جرائم اور مظالم کے مرتکب ہوں جو ان پر کیے جاتے ہیں؟"

اٹلی کے ذرائع ابلاغ میں جنگِ آزادی کا ذکر

1850 کی دہائی میں اٹلی ایک آزاد قوم کی حیثیت حاصل کرنے کی نئی بیداری کے انتہائی نازک مرحلے سے گزر رہا تھا، جس دوران مستقبل کے رہائشی ڈھانچے اور نظامِ حکومت سے متعلق تمام فریقین اپنے دلائل پیش کر رہے تھے۔ اٹلی کی کچھ سیاسی جماعتیں اور ان کے قائدین اور دانشور برطانوی جمہوری اندازِ حکومت کو درست قرار دے کر انگلستان کی تمام تر پالیسیوں کے حمایتی تھے تو دوسری جانب انگلستان کی سامراجی پالیسیوں کے کئی ایک اطالوی ناقدین بھی موجود تھے۔ ''انڈیا-قدیم و جدید'' کا مصنف کارلو کیٹینو اپنے مقالے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی لوٹ کھسوٹ کا پردہ چاک کرتے ہوئے مستقبل کے ہندستان سے متعلق لکھتا ہے، ''واقعات کی اندھا دھند قوت طاعون کی خواہش کے برعکس خیال و عمل کا الگ راستہ اختیار کر سکتی ہے۔ ہندستان میں آزادی کے بیج جڑ پکڑ چکے ہیں تا کہ محکوم حاکم بن جائیں۔''

جوسف میسری جولائی 1857ء میں ''ہمعصر ریویو'' کے ایک شمارے میں جنگِ آزادی سے متعلق برطانوی نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''بہت سے لوگ مختلف قوموں اور جغرافیہ کو غلط ملط کرتے ہوئے یہ تصور کریں گے کہ ہندستانی بغاوت آزادی کی ایک کوشش ہے اور ایک ہندستانی قوم کی تعمیر کی خواہش کو ظاہر کرتی ہے۔ تاہم باشعور لوگ جو معاملات کی حقیقی صورتحال کا ادراک رکھتے ہیں ایسی فاش غلطی نہیں کریں گے۔ سپاہیوں کی بغاوت محض فوجی سرکشی ہے جس کی آگ برہمنوں کے مذہبی تعصب سے بھڑک اٹھی۔ آزادی اور نجات کی خواہش سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔''

جبکہ اس کے برعکس اخبار ''عوامی اٹلی'' نے اپنے 8 جولائی کے شمارے میں لکھا: ''بغاوت نے انگلستان کو ایسے ناکوں چنے چبوائے ہیں کہ اُسے ہندستان کے سوا کچھ اور سوچنے کی فرصت ہی نہیں۔ اپنے گھر میں آزادی اور غیر ملکیوں کو غلام بنانے کی پالیسی کی وجہ سے انگلستان کو امریکہ جیسے اپنے بہترین علاقے گنوانے پڑے۔ اب دیکھتے ہیں کہ ہندستان میں کیا گل کھلتے ہیں۔ وہ ان بدبخت لوگوں کی آزاد ہونے کی عظیم کوشش کو خون سے بجھا کر لوگوں کے جوش کو ٹھنڈا کر دے گا۔ لیکن ضرب لگائی جا چکی ہے، آگ روشن ہو چکی ہے اور بات یہیں پر ختم نہیں ہوگی جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں۔''

بعد ازاں 17 اگست کو اخبار نے لکھا: ''انگلینڈ کے اپنے سیاستدانوں کی گواہی کے مطابق ہندستان میں جبر و تشدد کے ایسے طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے جس کی انگلستان نے یورپ میں مذمت کی تھی۔

غداری، دغابازی اور تشدد کے ذریعے انگلستان نے بادشاہ اور والیانِ ریاست کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ وہ معاہدوں کو توڑنے کے لیے قرض دیتا ہے اور دوسروں کے علاقوں پر ناجائز قبضے کی غرض سے بھائی، باپ، بیٹے اور ماں بیٹے میں عداوتیں پیدا کرنے سے بھی نہیں کتراتا۔"

اسی اخبار میں 15 ستمبر کو شائع ہونے والے ایک مضمون میں مصنف نے یورپ میں قائم اس تاثر کہ یہ شورش فقط ایک فوجی ناراضگی ہے، کو زائل کرنے کی کوشش کی، اور لکھا، "بغاوت میں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ باغی اپنے افسروں کو ہلاک کرتے ہیں، لوٹ مار کرتے ہیں اور پھر منتشر ہو جاتے ہیں۔ اُن میں سے بعض اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں جبکہ کچھ ڈاکوؤں کے گروہ بنا لیتے ہیں لیکن یہاں یہ ہوا ہے کہ ایک سے زائد دیسی رجمنٹوں نے بغاوت کی اور ایک مقررہ تاریخ پر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ قدیم تخت گاہ پر قبضہ کیا اور فرنگیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے قومی آزادی کا اعلان کر دیا۔ پھر شاہی خاندان کے ایک فرد کو حکمران منتخب کیا۔ اس کے بعد ایک منشور جاری کرتے ایک نیا نظام وضع کرنے کی کوشش کی گئی۔ انہیں عام ہندستانیوں کی ہمدردی یا کم از کم غیر جانبداری حاصل تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب اگر عملی طور پر نہ سہی لیکن نیت کے لحاظ سے اس بغاوت میں شریک تھے۔ ہندستان میں برطانوی سلطنت کی بحالی خواہ تیز ہو یا سست، مکمل ہو یا نامکمل، بہرصورت یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ دریائے زرد اور دریائے گنگا کے کناروں پر انقلاب نمودار ہو رہا ہے اور یہ جذبہ آزادی کے لیے اعلان کی علامت ہے۔"

ایک اطالوی جریدہ "پاریژن" نے 15 اگست کی اپنی اشاعت میں لکھا: "مظلوموں نے مورچہ بنانا اور ظالموں کو جلانا سیکھ لیا ہے، ہم اس دن کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کریں گے جب ہندستان "آزاد ترین" انگلستان کے چنگل سے نجات پائے گا۔"

اُن انگریزی جرائد کے جواب میں جنہوں نے دہلی کے محاصرے کے دوران فوجی دستوں کی شکست اور ہزیمت کے سبب شدید انتقام لینے کا مشورہ دیا تھا "لاریژن" نے 5 ستمبر کو اپنی اشاعت میں لکھا: "اس ہولناک سبق کے بعد دہلی کو تباہ کرنے کے بجائے اُس کا محاصرہ ختم کرنا چاہیے تھا۔ تقریباً تمام انگریزی ذرائع ابلاغ اس غضب ناک بغاوت پر غم و غصہ میں "دی ٹائمز" کی طرح مظلوم لوگوں کے خلاف انتقام اور ان کو کچلنے کی مہم کا پرچار کر رہے ہیں کیونکہ وہ لوگ ہمیشہ کیلئے اپنی غلامی کی زنجیریں توڑ دینا چاہتے تھے۔ ہم خود غرضوں کی فتح کی نسبت لوگوں کے مقدس خون کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں اور دل و جان سے چاہتے ہیں کہ انگریز قوم ہمیشہ کیلئے ہندستان سے نکل جائے۔ ہندستان میں برطانوی سرکار شائد روئے زمین پر سب سے زیادہ

ظالمانہ حکومت ہے اس لیئے فرنگیوں کے خلاف ہندستانیوں کے انتقامی اقدامات پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس انتہائی دولتمند اور زرخیز ملک کو لوٹ کر کنگال کر دیا ہے۔ یہاں ہر سال انگنت لوگ قحط کے مارے ہلاک ہوجاتے ہیں اور حکومت بے رخی سے دیکھتی رہتی ہے کیونکہ انسان دوست انگلستان نے کروڑوں روپے اینٹھنے کے باوجود ہندستانی صنعتوں کو نیست و نابود کر دیا ہے جبکہ رفاہِ عامہ کا کوئی بھی کام نہیں کیا۔ ہندستان پر کبھی مسلمان خوش اسلوبی کے ساتھ حکومت کرتے تھے لیکن اب اس پر عیسائیوں کی دہشت ناک حکمرانی ہے۔"

ہم عصر فرانسیسی ذرائع ابلاغ اور ہندستان کی جنگِ آزادی

فرانس میں ایک سخت گیر شہنشاہی حکومت قائم تھی، جہاں لوگوں کو عوامی اجتماعات کی اجازت نہیں تھی۔ ایک جانب جہاں پریس پر انگنت پابندیاں عائد تھیں تو دوسری جانب ہندستان سے براہِ راست تعلق نہ ہونے کی وجہ سے وہاں انتہائی کم خبریں پہنچ رہی تھیں۔ جو اطلاعات مل رہی تھیں وہ یا تو برطانوی ذرائع ابلاغ سے مل رہی تھیں یا ہندستان میں مقیم اکا دکا فرانسیسی آبادکاروں کے ذریعے پہنچ رہی تھیں۔ واقعات کی تازہ خبریں بھی نہیں آ رہی تھیں۔ مثلاً مئی 1857 کی بغاوت کی خبریں تقریباً ایک ماہ بعد جون کے اواخر میں فرانسیسی اخبارات میں شائع ہوئیں۔

انگریزوں کا حامی سمجھا جانے والا جریدہ "لاسیسل" 17 نومبر 1857 کو لکھتا ہے: "بدقسمتی سے اس بات کی تصدیق ہو چکی ہے کہ دہلی پر قبضے کے بعد ہولناک کشت و خون ہوا۔ ہمیں وحشیانہ اعمال کی مذمت کرنے میں کوئی تامل نہیں۔ سپاہیوں کے کسی بھی جرم کو حق بجانب نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔"

ایک عوامی اخبار "لیس تافین" نے 29 اگست کو غصے میں اعلان کیا: "اگر انگریز جبر و ستم کی پالیسی پر عمل کریں گے تو بڑی طاقتوں بالخصوص فرانس کو مداخلت کرنی پڑے گی کہ ہندستان کے لوگوں کو مویشیوں کے کسی حقیر ریوڑ کی طرح ذبح نہ کیا جائے۔"

فرانسیسی اخبارات نے اتفاقِ رائے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بداعمالیوں اور برطانوی آبادکاروں کے اُن طور طریقوں کی بھی مذمت کی جو ان کے خیال میں بغاوت کا جواز بنے تھے۔ "ریوو دادا کس ماندے" نے لکھا: "کمپنی کو غلامی کے جوئے کو ڈھیلا کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ بالخصوص پچھلے دس سالوں میں اس نے بڑے پیمانے پر الحاق، بے دخلیوں اور ضبطگیوں کا دور چلایا ہے۔ اُس نے بندوبستی اراضی کا طریقہ بدل دیا ہے اور تمام رسمی معاہدوں کو ناکارہ کر دیا ہے۔" "لیس تافیت" نے تو اور زیادہ کچھ لکھا: "کیا ہندستان قابلِ نفرت انگریزی غلبے کے تحت ایک نوآبادی ہے؟ نہیں۔ انگریزوں نے اسے ایک بہت بڑا قید خانہ بنا دیا ہے جہاں جا بجا پھانسیوں کے تختے نصب کیے گئے ہیں۔"

برطانیہ کے ساتھ معاشی اور نسلی یکجہتی پر زور دینے والے فرانسیسی متوسط طبقے کی رائے تھی کہ ہندستانی خودمختاری کے قابل نہیں ہیں۔ اس لیے اُن کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ غیر ملکی سرپرستی میں رہیں۔

یکجہتی کا یہ رویہ بغاوتِ ہند کے انگریز مظلوموں کیلئے چندہ جمع کرنے کی سرکاری مہم کی صورت

میں ظاہر ہوا۔ یہ مہم ناظم پولیس کی سرپرستی میں ماضا لامبر کی اُس نظم سے شروع ہوئی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی مدح میں لکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ "لاپائی" نے ستمبر 1857 میں لکھا: "ہندستان میں برطانوی سلطنت کے خاتمے کا مطلب تہذیب پر وحشت کی فتح ہوگا۔" جبکہ 19 اکتوبر کو 'جنرل وادی بیت' نے اس امید کا اظہار کیا کہ "اس خوفناک بحران میں برطانیہ کو فتح حاصل ہوگی۔"

البتہ ان رجعت پرست فرانسیسی ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں جمہوریت پسند بغاوت کے دوران اور باغیوں کی سرکوبی کے دوران انگریزوں کے جرائم کی جوش وخروش سے مذمت کرتے رہے اور اس برطانوی پروپگنڈہ کو رد کرتے رہے کہ اس بغاوت کے پیچھے دراصل روس کا ہاتھ ہے اور کہا: "اس امر کی تصدیق ہو چکی ہے کہ مذہب کا سوال تو محض ایک بہانہ ہے، اصل سبب تو قوم پرستی کے عام جذبہ کی از سرنو بیداری ہے۔"

جبکہ ایک اور جریدے نے لکھا: "اب سوال یہ نہیں کہ آیا تمام ہندستانی کم وبیش مہذب یا متحد ہیں یا نہیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا گذشتہ بغاوت کمپنی کی زیادتیوں کا نتیجہ تھی یا واقعی ایک فوجی بغاوت۔"

رجعتی "لا سیسل" کے اس نقطہ نظر کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندوستانی آپس میں لڑنا شروع کر دیں گے۔" 'لیس تافیت' کا کہنا تھا کہ: "یہ ہندستانیوں کا اپنا کام ہے۔ بہر حال یہ حیرت کا مقام ہے کہ ایک جمہوریت پسند کہلوانے والا جریدہ غیر ملکی حکومت کے اس طرح گن گاتا ہے۔"

فرانس کے جمہوریت پسند اخبارات نے نانا صاحب کی شخصیت کی تعریف کی۔ ستمبر 1857 کے دوران 'لیس تافیت' نے کئی بار انہیں خراجِ تحسین پیش کیا: "بغاوت کے اس رہنما میں جنگی تدابیر کی کمال مہارت کے ساتھ ساتھ جرأت اور ہمت بھی ہے۔ نانا صاحب اپنی قوم کا بدلہ لینے والے کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔"

"باغیوں کا سرغنہ نانا صاحب جسے بعض لوگ ایک خونخوار درندہ قرار دیتے ہیں مگر کچھ لوگ انہیں کامل شریف انسان کا درجہ دیتے ہیں، ہماری رائے میں مذہب اور حب الوطنی کے دہرے اثرات کے تحت کام کر رہا ہے۔ یہ انسانی سرگرمی کے دو بڑے محرکات ہیں۔"

20 ستمبر کو 'لیس تافیت' باغیوں کی کارروائی سے متعلق لکھتا ہے: "سپاہیوں کا طرزِ عمل کتنا ہی سفاکانہ ہو، یہ فقط انگریزوں کے اُس ظلم وستم کا ردعمل ہے جو انہوں نے پچھلی ایک صدی سے روا رکھا ہوا ہے۔"

اس دوران مختلف فرانسیسی اخباروں میں قارئین کے خطوط عوامی اُمنگوں کی نمائندگی کرتے

رہے۔ ایک خط میں لکھا گیا: ''ہندستانیوں کے حق میں مداخلت کرو۔ تمام بحری دستوں کو سمندر میں اُتارو۔ فرانسیسی کوششوں کو روس کی کوششوں کے ساتھ جوڑ دو۔ ایشیا کے تمام لوگوں سے اپیل کرو، ان کو مسلح کرو، ان کو برطانوی ہندستان کے خلاف جنگ کیلئے بھیجو۔ ظالموں کا تعاقب کر کے انہیں نکال دو۔ مغل سلطنت کو دوبارہ قائم کرو۔ صرف یہی پالیسی ہے جو درحقیقت فرانس کی شاندار روایات کے شایانِ شان ہے۔''

ایک اور قاری نے ایشیا کی تحریکِ آزادی کا یوں خیر مقدم کیا: ''کسے نہیں معلوم کہ ہندستان کے تمام لوگ انگریزوں کا تعاقب کر کے ان کو اپنے ملک سے نکالنے کے لیے بغاوت نہیں کریں گے؟ اگر ایسے امکانات کی نوبت آجائے تو فرانس کو دریائے گنگا کے کناروں پر اہم کردار ادا کرنا ہوگا اور ہندستانی اقوام کے وسیع اتحاد کا محافظ بننا ہوگا۔''

1857 کی جنگِ آزادی اور روسی پریس

روس میں اس ہندستانی بغاوت کی پہلی اطلاع 27 جون 1857 کو پہنچی جب لندن میں متعین روسی سفیر خرئیپتووچ نے میرٹھ میں شورش اور دہلی پر باغیوں کی چڑھائی کی خبر دارالحکومت سینٹ پیٹرس برگ بھیجی اُس نے روسی وزیرِ خارجہ پرنس گورچاکوف کو بھی اُس ضمن میں ایک یاداشت ارسال کی۔لندن میں مقیم روسی ملٹری اتاشی کرنل اگنائیف نے بھی ہندستانی واقعات کی مفصل رپورٹ روس روانہ کی۔ وہ لکھتا ہے: ''ہندستان میں بغاوت کمپنی کے خلاف صرف کچھ دیسی رجمنٹوں کا اتفاقیہ عمل نہیں ہے۔ بلکہ غلامی کے نفرت انگیز غیر ملکی تسلط سے اپنی سرزمین کو آزاد کرانے کی خواہش کا اظہار ہے۔'' اُس کا خیال تھا کہ حکومتی بدعنوانیوں اور کمپنی کی سب کچھ ہڑپ کر جانے کی لالچ ہی بغاوت کا اصل سبب ہے۔

اخبارات اور رسائل میں ہندستانی بغاوت کے حوالے سے روسی رویہ پر ایک زبردست بحث شروع ہوگئی۔عوام کیلئے اس کا درست ادراک مشکل تھا کیونکہ روسی اخبارات اس موضوع پر اپنا زیادہ تر مواد انگریزی اخباروں سے ہی حاصل کرتے تھے جو انتہائی جانبداری پر مبنی تھا۔ تاہم روسی انقلاب پسند اور جمہوریت پرستوں میں اس بغاوت سے متعلق واضح اور دوٹوک رائے موجود تھی۔ اس ضمن میں ستمبر کے ''سودر ےمینگ'' جریدے میں این اے دوبرولیوف کا مضمون بعنوان ''ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ اور اس کی معاصرانہ صورتحال کا جائزہ'' انتہائی اہم ہے۔ اُس کی نظر میں یہ بغاوت بے اطمینانی کی کوئی اتفاقیہ لہر نہیں تھی بلکہ ''تاریخی طور پر ایک ناگزیر واقعہ تھا۔''

اُس نے ہندستان میں برطانوی حکومت کے قیام کی تاریخ کو کھنگالا اور اس امر کی تحقیق کی کہ کس طرح منچلے تاجروں کی ایک چھوٹی سے ٹولی ترقی کر کے تجارتی سالاروں کی حکمران جماعت بن گئی۔ اُس نے اُن مورخوں اور صحافیوں کے دعوے کو قطعی طور پر رد کر دیا جو سادہ لوحی یا ریاکاری سے انگریزوں کے تہذیبی مقصد کے قائل تھے۔ اُس نے لکھا: ''انگریزوں کا حتمی مقصد حکومت قائم کرنا اور نجی منافع کمانا ہے نہ کہ تہذیب پھیلانا۔''

اُس وقت کی روسی حکومت کا سرکاری موقف اخبار ''روسکی ان ویلڈ'' میں پیش کیا جاتا تھا۔ یہ اخبار ہندستانی بغاوت کی خبریں انتہائی تفصیل سے شائع کرتا تھا۔ 13 اکتوبر 1857 کو اس اخبار میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے مطابق ''برطانوی شیر ریاستوں کے سیاسی اجسام کو نوچنے کا عادی ہے۔ اس بار جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے اُسے اپنی خونخواری کی خصلت کو قابو میں رکھنا ہوگا۔''

گیگنگ ایکٹ

1857 کی جنگِ آزادی کے دوران ذرائع ابلاغ کو برطانوی تسلط میں رکھنے کیلئے بدنام زمانہ "گیگنگ ایکٹ" نافذ کیا گیا۔ اس ایکٹ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

لجسلیٹو کونسل (13 جون 1857)

مندرجہ ذیل ایکٹ، جسے ہندستان کی لجسلیٹو کونسل نے منظور کیا اور گورنر جنرل کی تائید کے بعد عوام کیلئے مشتہر کیا جارہا ہے۔

ایکٹ نمبر XV آف 1857: "اشاعت گھروں کے قیام کو باضابطہ بنانے اور کچھ کیسز میں کتابوں اور جرائد کی سرکولیشن کو محدود کرنے سے متعلق ایکٹ۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے تحت عام علاقوں میں اشاعت کیلئے پرنٹنگ پریس، ٹائیپ یا دیگر آلات حکومت کی جانب سے پیشگی اجازت اور لائسنس کے بغیر رکھنے یا استعمال کرنے پر پابندی عائد کرنے سے متعلق یہ ایکٹ اس لیے نافذ کیا جارہا ہے تاکہ ان کا غلط استعمال قابلِ گرفت آسکے اور مخصوص نوعیت کے اخبارات، کتابوں یا دیگر شائع شدہ مواد کی سرکولیشن کو مناسب طور پر روکا جاسکے۔ یہ ایکٹ مندرجہ ذیل ہوگا:

1. کوئی بھی شخص گورنر جنرل، پریزیڈنسی کی ایگزیکٹو حکومت یا گورنر جنرل آف انڈیا کی جانب سے تفویض شدہ اختیارات کے حامل شخص/ اشخاص کی پیشگی اجازت اور لائسنس کے بغیر کوئی پرنٹنگ پریس یا ٹائیپ یا دیگر آلات یا اشاعت کے ضمن میں قابلِ استعمال اشیاء نہیں رکھ سکے گا۔ اور ایسے کسی لائسنس کے حصول کے بغیر کوئی پرنٹنگ پریس یا ٹائیپ یا اشاعتی کاموں کے دیگر آلات رکھنے یا استعمال کرنے والا مجسٹریٹ کے ذریعے پانچ ہزار روپے جرمانہ یا دو سال قید یا دونوں سزاؤں کے مستوجب ہوگا۔
2. اگر کوئی شخص ایسی کسی اجازت یا لائسنس کے بغیر کوئی پرنٹنگ پریس یا ٹائیپ یا دوسرا اشاعتی سامان رکھے گا یا استعمال کرے گا تو کوئی مجسٹریٹ جس کی حدود میں یہ چیزیں دریافت ہونگی یا نہیں جائے وقوعہ پر موجود دیگر شائع شدہ کاغذات یا کتابوں سمیت ضبط کر سکے گا اور گورنر جنرل آف انڈیا یا کسی پریزیڈنسی کی ایگزیکٹو حکومت یا گورنر جنرل کی جانب سے تفویض کیے ہوئے اختیارات کا حامل کوئی شخص انہیں ٹھکانے لگانے کی ہدایت جاری کرسکتا ہے۔ علاوہ ازیں کسی

مجسٹریٹ کو اس بات کا قانونی استحقاق حاصل ہوگا کہ وہ کسی ایسے گھر، عمارت یا کسی اور مقام پر داخل ہونے اور تلاشی کیلئے وارنٹ جاری کر سکے گا جس کے متعلق اُسے گمان ہو کہ وہاں ایسی کوئی غیر لائسنس یافتہ پرنٹنگ پریس، ٹائپ یا دوسرا اشاعتی اشیاء ہو سکتی ہیں۔

3. اگر کوئی شخص یا اشخاص کوئی پرنٹنگ پریس یا ٹائپ یا دوسرا اشاعتی سامان رکھنا یا استعمال کرنا چاہیں گے تو وہ مجسٹریٹ یا گورنر جنرل کی کونسل کے نامزد کردہ کسی دوسرے فرد سے تحریری طور پر اس کی درخواست کرے گا۔ درخواست میں ایسی کسی پرنٹنگ پریس، ٹائپ یا دوسرے اشاعتی سامان کو استعمال کرنے کے خواہشمند فرد یا افراد کے نام، پیشہ اور رہائشی مقام کا تفصیل سے ذکر کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ اُس مقام جہاں سے ایسی پرنٹنگ پریس، ٹائپ یا اشاعتی سامان کو استعمال کیا جائے گا کی تفصیل بھی فراہم کی جائیں گی۔ درخواست گذار ایسی درخواست کے ساتھ حلفیہ بیان بھی داخل کریں گے۔ جبکہ جان بوجھ کر غلط حلفیہ بیان یا معلومات دینے والے کو جھوٹی گواہی کا مرتکب گردانا جائے گا۔

4. مجسٹریٹ ایسی درخواست کی ایک نقل گورنر جنرل کی کونسل یا پریزیڈنسی کی ایگزیکٹو حکومت یا لائسنس کے اجراء کیلئے اختیارات تفویض شدہ کسی شخص کو ارسال کرے گا، وہ مناسب سمجھنے پر ایسا لائسنس جاری کر سکیں گے اور کسی بھی وقت اسے منسوخ بھی کر سکیں گے۔

5. اگر کوئی شخص، لائسنس جاری کرنے کی شرائط کے برعکس کوئی پرنٹنگ پریس، ٹائپ یا دوسرا اشاعتی سامان استعمال کرے گا یا رکھنے یا استعمال کرنے کی اجازت دے گا یا ایسے لائسنس کی منسوخی کے نوٹس کے بعد یا اسکے پرنٹنگ پریس قائم کرنے کی جگہ تبدیل ہونے کے بعد بھی استعمال کرے گا یا رکھے گا یا اس کی کسی اور کو اجازت دے گا تو ایسے عمل کو بھی بلا لائسنس یہ کرنے کی سزا کا مستوجب سمجھا جائے گا، اور ایسی پرنٹنگ پریس، ٹائپ یا دوسرا اشاعتی سامان ضبط کر کے اس انداز سے عمل کیا جائے گا جیسا کہ اس ایکٹ کے حصہ دوئم میں بیان کیا گیا ہے۔

6. تمام کتب یا دیگر کاغذات جو اس ایکٹ کے تحت لائسنس یافتہ کسی پریس میں شائع ہونگے اس میں پبلشر اور پرنٹر کا نام اور پرنٹنگ اور پبلشنگ کا مقام واضح طور پر درج ہوگا اور ایسی ہر کتاب یا شائع شدہ کاغذ کی ایک کاپی فوری طور پر مجسٹریٹ یا متعلقہ حکومتی اہلکار کو فراہم کی جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس شق کے برعکس کوئی کتاب یا کاغذ شائع کرے گا یا اس کی نقل وضع کردہ طریقہ کار

کے تحت ارسال کرنے کو نظر انداز کرے گا، تا وقتیکہ گورنر جنرل کی کونسل یا لائسنس جاری کرنے والی کسی اور اختیاری کی جانب استثنیٰ حاصل نہ ہو، ایسے اقدام پر اسے مجسٹریٹ کے ذریعے ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں 6 ماہ قید کی سزا دی جائے گی۔

7. گورنر جنرل کی کونسل یا کسی پریذیڈنسی کی ایگزیکٹو حکومت، سرکاری گزٹ میں شائع ہونے والے کسی حکم نامے کے ذریعے کسی مخصوص اخبار، کتاب یا کسی اور شائع شدہ کاغذ کی اپنے زیرِ کنٹرول علاقے یا ایسے کسی علاقے کے کسی مخصوص حصے جو چاہے اس کے زیرِ کنٹرول علاقے میں شائع ہوا ہو یا نہیں، اشاعت یا سرکولیشن پر پابندی عائد کر سکتی ہے اور پابندی عائد ہونے کے بعد جو بھی ایسی کوئی کتاب یا دیگر مواد منگوائے گا، شائع کرے گا یا تقسیم کرے گا یا ان کا اہتمام کرے گا، تو ایسا ہر مجرم، مجسٹریٹ کے ذریعے پانچ ہزار روپے جرمانے یا زیادہ سے زیادہ دو سال قید یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا اور ایسی ہر کتاب یا کاغذ ضبط کیے جائیں گے۔

8. لفظ "اشاعت" (Printing) میں لیتھوگرافنگ بھی شامل ہوگا۔ لفظ "مجسٹریٹ" میں ایسا شخص بھی شامل ہوگا جو مجسٹریٹ کے اختیارات استعمال کرتا ہوگا اور اس میں جسٹس آف پیس بھی شامل ہوگا اور ہر وہ شخص جسے کوئی جسٹس آف پیس سزا کا مستوجب سمجھے گا سرسری سزا کا مستوجب سمجھا جا سکے گا۔

9. اس ایکٹ کی وجہ سے کوئی شخص 1845 کے ایکٹ XI کی شقوں کی پیروی سے مستثنیٰ نہیں ہوگا۔

10. کسی بھی شخص پر اس ایکٹ کی منظوری کے چودہ دن کے اندر مقدمہ نہیں چلایا جا سکے گا تا وقتیکہ گورنر جنرل کی کونسل یا جس علاقے میں جرم سرزد ہوا ہو کی پریذیڈنسی کی ایگزیکٹو حکومت یا اس ایکٹ کی شقوں کے تحت لائسنس جاری کرنے کا اختیار رکھنے والے شخص نے اس ضمن میں حکم جاری نہ کیا ہو۔

11. یہ ایکٹ ایک سال کی مدت کیلئے نافذ العمل رہے گا۔

سر سید احمد خان کو انگریز سے وفاداری کے عیوض ملنے والے انعام واکرام کے پروانے

(1)

چٹھی سیکریٹری حکومتِ ہند نمبر 2379، مورخہ 12 جولائی 1858ء

بنام صاحب رجسٹرار صدر دیوانی عدالت

بجواب چٹھی مورخہ 19 جون 1858ء آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسب تجویز حکام عدالت صدر، امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خان صدر امین بجنور کو غدر کے دوران خیر خواہی اور عمدہ کارکردگی کے عیوض مذکورہ ضلع پر سرکار کے قبضے کے دن سے صدرِ الصدوری ضلع مراد آباد پر ترقی منظور فرمائی ہے۔

دستخط

میور

سیکریٹری حکومتِ ہند

(2)

چٹھی حکومتِ ہند، نمبر 346

بنام سیکریٹری حکومتِ ہند مغربی اضلاع

آپ کے مراسلے بتاریخ 29 جولائی 1858ء نمبر 182 کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ غدر کے دوران خیر خواہی اور حسن کارکردگی کے عیوض امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خان صدر الصدور مراد آباد اور ان کے بیٹے کے لئے تاحیات دو سو روپے ماہوار کی پنشن مقرر کی ہے۔

دستخط

ایڈمن افسر

سیکریٹری حکومتِ ہند

(3)

میر صاحب مشفق مہربان مخلصان سید احمد خان صاحب

صدر الصدور مراد آباد۔ سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات واضح باد۔ بحکم جناب مستطاب معلی القاب نواب گورنر جنرل

بہادر بتاریخ 10 مارچ 1859ء جناب صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ نے یہ اجلاس عالم خلعت پانچ پارچہ و تین رقم جواہر مفصلہ ذیل بہ نظر خیر خواہی آپ کو عطا کیا اور یہ خط حسب ضابطہ سند بنام آپ کے تسطیر ہوا، بطور سند اپنے پاس رکھو۔

(تفصیل خلعت)

پارچہ	:	5
جواہر	:	1
شمشیر مع پرتلہ	:	1
کلاہ چارقب	:	1
گوشوارہ	:	1
جیغہ	:	1
سرپیچ	:	1
نیم آستیں	:	1
دوشالہ	:	1
پٹکہ	:	1

دستخط

جی پامر

مجسٹریٹ وکلکٹر المرقوم

16 مارچ 1859ء

(نوٹ: مندرجہ بالا تینوں اسناد محمد ایوب قادری کی کتاب ''جنگِ آزادی 1857، واقعات و شخصیات'' سے حاصل کی گئی ہیں۔)

ملکہ وکٹوریہ کا اعلان نامہ

مجاہدینِ آزادی کی جدوجہد کو کچلنے اور ہندستان پر ازسرِ نو اپنے قبضے کے بعد یکم نومبر 1857ء کو ملکہ وکٹوریہ نے ہندستانی عوام کے نام ایک اعلان نامہ جاری کیا، جس کے مطابق:

"کمپنی کا راج اب ختم ہوا، اس کی جگہ حکومتِ ہندستان کی باگ دوڑ ہم نے اپنے ہاتھوں میں لے لی ہے۔ اُن لوگوں کے علاوہ جو ہماری انگریز رعایا کے قتل میں حصہ لینے کے مجرم ہیں، باقی جو لوگ ہتھیار رکھ دیں گے، اُن سب کو معاف کر دیا جائے گا۔ ہندستانیوں کی گود لینے کی رسم آئندہ سے جائز سمجھی جائے گی اور گود لیے لڑکے کو باپ کی جائیداد اور گدی کا مالک مانا جائے گا۔ (بعد ازاں اس وعدے کی بڑے پیمانے پر عہد شکنی ہونی تھی) کسی کے مذہبی عقائد یا مذہبی رسم و رواج میں کسی بھی طرح کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ہندستانی والیانِ ریاست کے ساتھ کمپنی نے اس وقت تک جتنے بھی عہد نامے کیے ہیں انکی تمام شرائط پر آئندہ ایمانداری کے ساتھ عمل درآمد کیا جائے گا۔ (یہ وعدہ بھی توڑنے کیلئے ہی کیا گیا تھا) آج کے بعد کسی ہندستانی رئیس کی ریاست یا اُسکا کوئی حق نہیں چھینا جائے گا۔"

اس اعلان نامے پر اودھ کے مجاہدینِ آزادی کی سپاہ سالار بیگم حضرت محل کا جواب ملاحظہ کیجئے:

"اس اعلان میں لکھا ہے کہ کمپنی نے جو وعدے اور عہد و پیمان کیے ہیں، ملکہ انہیں منظور کرے گی۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اس چال کو غور سے دیکھ لیں۔ کمپنی نے بھرت پور کے راجہ کو پہلے اپنا بیٹا بنایا پھر اس کا علاقہ لے لیا۔ لاہور کے راجہ کو لندن لے گئے اور پھر کبھی ہندستان واپس آنے نہیں دیا۔ نواب شمس الدین خان کو ایک طرف پھانسی پر لٹکایا تو دوسری جانب اُسے سلام کیا۔ پیشوا کو پونا اور ستارا سے نکال کر زندگی بھر کیلئے بٹھور میں قید کر دیا۔ بنارس کے راجہ کو آگرہ میں قید کیا۔ بہار، بنگال اور اُڑیسہ کے راجاؤں کا انہوں نے نام و نشان تک نہیں چھوڑا۔ خود ہمارے قدیم علاقے ہم سے یہ بہانہ کر کے چھین لیے کہ فوج کو تنخواہیں دینی ہیں۔ ہمارے ساتھ جو عہد نامہ کیا اس کی دفعہ 7 میں قسم کھائی گئی کہ آپ سے اور زیادہ کچھ نہیں لیں گے۔ اس لیے جو انتظام کمپنی نے کر رکھے ہیں، وہ اگر قائم رکھے جائیں گے تو اس سے پہلے کی حالت میں اور اب نئی حالت میں کتنا فرق ہوگا؟"

مرزا غالب کا کردار

18 اپریل 1828ء میں لکھے گئے ایک خط میں مرزا غالب بتاتے ہیں کہ ان کے چچا نصر اللہ بیگ آگرہ کے قلعدار تھے۔ جب انگریز فوج نے اس علاقے میں پیش قدمی کی تو وہ انگریزوں سے مل گئے۔ لارڈ لیک نے ان خدمات کے عیوض انہیں صوبہ آگرہ میں سونک اور سونسا نامی دو پرگنے جاگیر کے طور پر دیئے۔ جبکہ 1857ء کی جنگِ آزادی کی دوران مرزا غالب کے سسر نواب الٰہی بخش اور انؒ کے بھائی نواب احمد بخش کا کردار بھی انگریزوں کی مدد کرنے والا تھا۔

11 اگست 1866ء کو دہلی سوسائٹی کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مرزا غالب کہتے ہیں:

"1806ء سے یعنی پچھلے 60 سالوں سے انگریزی سرکار کا نمک خوار ہوں اور 1855ء یعنی دس برس سے شہنشاہ بحر و بر حضرت ملکہ رخصت ملکہ معظمہ کا خدمت گزار ہوں۔ میرے دو قصیدے ولایت بھی پہنچے۔ ان میں سے ایک قصیدہ لارڈ ڈکن برا کے ہاتھوں انگلستان روانہ کیا، جس میں منسلک ایک درخواست میں ملکہ کی توجہ روم اور ایران کے بادشاہوں کی جانب مبذول کرائی گئی تھی جو شاعروں کو نوازتے تھے۔ تیسرا میرے مسودات میں موجود ہے جس کا مطلع ہے:

"نامہ ژ وکٹوریہ چونا مور آمد

از اُفق نامہ آفتاب برآمد"

دلچسپ بات یہ ہے کہ مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی رسمی حکومت 1858ء میں ختم ہوئی تو مرزا غالب مغل بادشاہ کے بھی وظیفہ خوار تھے۔ جبکہ دوسری جانب وہ 1806ء سے انگریز سرکار کے نمک خوار بھی تھے۔

22 مارچ 1866ء کو خفیہ عدالت کے جج ولیم کولڈ اسٹریم لندن واپس جانے لگے تو مرزا غالب نے اپنے سپاس نامے میں انہیں مندرجہ ذیل القاب سے نوازا:

"صاحب جمیل المناقب، عمیم الاحسان، علما کے قدر افزا اور علم کے قدردان خدا کی عبادت کرنے والے اور خلق پر مہربان جناب مستکاب ولیم کولڈ اسٹریم صاحب۔"

سپاس نامے کے آخر میں مرزا غالب یہ شعر لکھتے ہیں:

یاز اس سرورِ دلاور کو

اس خداوندِ بندہ پرور کو

شاد و آباد و شادمان رکھیو

اور ہم سب پہ مہربان رکھیو

مرزا غالب کی فارسی تصنیف ''دستنبو'' جو ڈائری کی طرز پر ہے، 11 مئی 1857 سے 31 جولائی 1858 تک کے واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کی ابتدا ملکۂ معظمہ کے قصیدے سے ہوتی ہے:

''در مدح خداوند روئے زمین سایۂ جہان آفریں

حضرت قدر قدرت ملکہ معظمہ انگلستان

خلد اللہ ملکہ بالعدل و الاحسان

مشتمل بر تہنیت ہندوستان''

''۔۔۔ ہندستان والے، منصف حاکموں (انگریزوں) کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر درندہ صفت انسانوں کے دام میں گرفتار ہوئے۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ انگریز حکومت کے علاوہ کسی دوسری حکومت میں انصاف کی اُمید رکھنا بالکل نادانی ہے۔۔۔ اس کتاب کے پڑھنے والے یہ سمجھ لیں کہ میں نے انگریزی حکومت کے نان و نمک سے پرورش پائی ہے اور بچپن سے ان فاتحین عالم کے دسترخوان کا ریزہ چین ہوں۔۔۔''

جنگِ آزادی کے ابتدائی دن یعنی 11 مئی 1857 سے متعلق مرزا غالب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''اس دن جو بہت منحوس تھا، میرٹھ کی فوج کے کچھ بدنصیب اور شوریدہ سپاہی شہر میں آ گئے۔ نہایت ظالم و مفسد اور نمک حرامی کے سبب انگریزوں کے خون کے پیاسے ہوئے۔''

انگریز حاکموں کی وقتی تباہی اور پامالی پر روتے ہوئے غالب لکھتے ہیں:

''دل لوہے یا پتھر کا ٹکڑا نہیں ہے، کیسے نہ بھر آئے، آنکھیں رخنہ دیوار نہیں ہیں کہ آنسو نہ بہائیں۔ حکمرانوں کی موت کا غم منانا چاہئے اور ہندستان کی ویرانی پر رونا چاہئے۔ شہر حاکموں سے خالی اور بندہ پائے بے خداوند سے بھرا ہوا ہے۔''

جنگِ آزادی میں حصہ لینے والے ایک رہنما کا ذکر کچھ اس طرح کرتے ہیں:

"بُرے سے بُرا غلام بھی اپنے آقا سے اس طرح پیش نہیں آ سکتا بشرطیکہ وہ ولد الحیض نہ ہو۔ یہ خبیث، نمک حرام، جس کے منہ پر داغ ہیں، بے حیائی کے سبب سے جس کی آنکھیں پھیل گئی ہیں۔ میں اس پر لعنت بھیج کر جو داستان کہہ رہا تھا اس کو پھر سے شروع کرتا ہوں۔"

جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کا ساتھ دینے والے پنجاب کے مہاراجہ پٹیالہ سے اپنی عقیدت کا اظہار مرزا غالب کچھ اس طرح سے کرتے ہیں:

"فلک مرتبہ، مریخ حشم، راجہ نریندر سنگھ بہادر فرمانروائے پٹیالہ۔"

انگریزوں کے ایک جاسوس گوری شنکر نے حکومت کو یہ اطلاع دی تھی کہ جنگِ آزادی کے دوران بہادر شاہ ظفر کے نام سے جو سکے جاری کیے گئے تھے ان کی پشت پر تحریر مرزا غالب کی تھی۔ جنگِ آزادی کے کُچلے جانے کے بعد غالب نے پنشن اور دربار میں اپنی حیثیت کی بحالی کی بات نکالی تو انہیں باغیوں کا ہمدرد اور ہمنوا بتایا گیا اور ثبوت کے طور پر انہی سکوں کو پیش کیا گیا۔

غالب نے اِسے ذوق کی تحریر قرار دیا، تاہم اس ضمن میں وہ کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر رہے۔ چودھری عبدالغفور سرور کے نام اپنے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

"سکے کا وار تو مجھ پر ایسا چلا جیسے کوئی چھرا کوئی گراب۔ کس سے کہوں؟ کس کو گواہ لاؤں؟ جب بہادر شاہ تخت پر بیٹھے تو ذوق نے بیک وقت یہ دونوں سکے کہہ کر گزارنے۔ بادشاہ نے پسند کیے۔ مولوی محمد باقر نے، جو ذوق کے معتقدین میں تھے یہ دونوں سکے اپنی 'دلی اردو اخبار' میں چھاپے۔ اب یہ دونوں مصرے سرکار کے نزدیک میرے کہے ہوئے ہیں اور گزارے ہوئے ثابت ہوئے۔ میں نے ہر جگہ 'دلی اردو اخبار' کا پرچہ ڈھونڈا، کہیں ہاتھ نہیں آیا۔ یہ دھبہ مجھ پر رہا۔ پنشن بھی گئی اور وہ ریاست کا نام ونشان خلعتِ دربار بھی مٹا۔" (1)

غالب کیلئے پنشن کی ادائیگی اور انعام و اکرام کا بند ہونا ایک سنگین معاملہ تھا۔ چنانچہ جیسے ہی انگریزوں کی مخالفت میں قومی بغاوت کا آغاز ہوا غالب نے انگریزوں کی مدح سرائی کو اپنا شعار بنالیا۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے بغاوت کی ابتدا سے ہی انگریزوں کو اپنا قانونی فرمان روا تسلیم کرلیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی نظر میں بغاوت کرنے والے اور اس میں حصہ لینے والے نمک حرام اور بے ڈھنگ قسم کے لوگ تھے۔

غالب کو دو طرح کی فکر لاحق تھی، ایک تو مغلیہ دربار سے وابستہ رہنے کی بنا پر انتقامی کارروائی کا خوف اور دوسرا پنشن نہ ملنے کی فکر۔ فارسی ڈائری لکھنے کا پس منظر یہی تھا۔

ہرگوپال تفتہ کی جانب سے اس کی اشاعت پر ظاہر کیے گئے خدشات پر غالب لکھتے ہیں:

"چھاپے کے باب میں جو آپ نے لکھا ہے، وہ معلوم ہوا۔ اس تحریر کو جب دیکھو گے، تب جانو گے کہ اہتمام اور عجلت، اس کے چھپوانے میں اس واسطے ہے کہ اس میں سب سے پہلے ایک جلد نواب گورنر جنرل بہادر کی نذر بھیجوں گا اور ایک جلد بذریعہ ان کے جناب ملکہ معظمہ انگلستان کی نظر کروں گا۔"

انگریزوں کے قتل پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسوس وہ پیکر علم وحکمت، انصاف سکھانے والے، خوش اخلاق و نیک نام حاکم! اور صد افسوس وہ پری چہرہ نازک بدن خواتین جن کے چہرے چاند کی طرح چمکتے تھے اور جن کے بند کچھ چاندی کی طرح دمکتے تھے۔ حیف وہ بچے جنہوں نے ابھی دنیا کو (اچھی طرح) دیکھا بھی نہیں تھا، جن کے ہنس مکھ چہرے گلاب لالہ کے پھول کو شرماتے تھے اور جن کی خوش رفتاری کے سامنے ہرن اور کبک کی رفتار بدنما معلوم ہوتی تھی۔ یہ سب ایک دم قتل وخون کے بھنور میں پھنس کر (بحر فنا میں) ڈوب گئے۔"

"خبیث اور آوارہ لوگوں کا یہ گروہ شیر دل فاتحین سے اُلجھ پڑا۔ یہ لوگ اپنے خیال میں تو دشمنوں کو قتل کر رہے تھے، لیکن میرے خیال میں وہ شہر کی عزت و آبرو کو برباد کر رہے تھے۔"

غالب چاہتے تھے کہ انگریز ہر حال میں اُن سے خوش ہوں تا کہ پنشن پانے میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان انگریزوں کی نظر میں باغی ہیں اس لیئے انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں پنشن کے حصول میں مسلمان ہونا رکاوٹ نہ بن جائے۔ اس لیے اپنے آپ کو نیم مسلمان کہلوانے سے بھی نہیں کتراتے۔

"درحقیقت ایک آزاد منش کو واجب نہیں کہ وہ اس پر پردہ ڈالے، خاص طور پر میرے جیسے نیم مسلمان کو جو کسی مذہب وملت کا پابند نہیں اور جو نیک نامی سے مطلق بے نیاز ہے۔"

الطاف حسین حالی نے تو یادگارِ غالب میں لکھا ہے کہ غالب خودداری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے لیکن ان کی یہ تحریر حالی کی بات کی تردید کرتی ہے:

"کاش میری ان تین خواہشوں یعنی خطاب، خلعت اور پنشن کے اجراء کا حکم شہنشاہ کے حضور سے آ جائے جن کے متعلق میں نے اس تحریر میں بھی لکھا ہے۔ میری آنکھیں اور میرا دل انہی کی طرف لگا ہوا ہے۔ اگر ملکہ علم کی بخشش سے کچھ حاصل کر لوں گا تو اس دنیا سے ناکام نہیں جاؤں گا۔"

ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

''اگر ہندستان کا نظم ونسق (غدر میں) تباہ نہ ہوتا اور ناخدا ترس اور ناشکرے سپاہیوں کے ہاتھوں عدالتیں نہ اُجڑ جاتیں تو گلستانِ انگلستان سے ایسا فرمان صادر ہوتا جس سے مرادیں پوری ہو جاتیں اور میری آنکھیں اور میرا دل دونوں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے۔''

اسی ڈائری میں ایک جگہ وہ انگریزوں کی طرف داری میں مذہبی جواز بھی پیش کرتے ہیں:

''خدا اپنے فضل سے جس کو بادشاہت عطا کرتا ہے اس کو فتح کرنے کی طاقت اور شان وشوکت بھی عطا کرتا ہے۔ اسی بنا پر جو شخص فرمان رواؤں کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کے سر پر جوتے لگیں۔ دنیا والوں کیلئے مناسب ہے کہ جن لوگوں کو خدا نے خوش بختی عطا کی ہے ان کے سامنے سر جھکا دیں اور فرمان رواؤں کے حکم کی تعمیل خدا کے حکم کی تعمیل سمجھیں۔''

مرزا غالب بہادر شاہ ظفر کے اُستاد تھے، جو ان کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے بادشاہ سے کئی ایک انعامات اور القاب بھی پائے تاہم جنگِ آزادی کے بعد غالب کے ہاں بہادر شاہ ظفر کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے، یہاں تک کہ بقول شمیم طارق کے: ''غالب نے نہ صرف ان کا ذکر کرنا چھوڑ دیا بلکہ ان کے عطا کیے ہوئے خطابات کو بھی میلے کپڑوں کی طرح اُتار کر پھینک دیا۔''

یہ بات قابلِ غور ہے کہ مرزا غالب انگریزوں کے قتل پر تو خون کے آنسو روتے ہیں لیکن بہادر شاہ ظفر کے ساتھ انگریزوں کے نازیبا سلوک اور ان کی گرفتاری پر فقط اتنا کہتے ہیں: ''کمزور ضعیف بادشاہ پر مقدمہ چل رہا ہے۔'' شاہی خاندان کے تین افراد مرزا ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر، مرزا خضر بہادر اور مرزا ابوبکر کو میجر ہڈسن نے دہلی دروازہ کے قریب گولی مار کر ہلاک کر دیا اور بعد ازاں شاہی خاندان کے مزید بیس افراد کو محض شک کی بنیاد پر قتل کیا گیا تو غالب نے ''اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض کو گولی مار دی گئی۔'' پر ہی بات ختم کر دی۔

غالب نے اپنی ڈائری ''دستنبو'' میں ایسے افراد کا نام لینے سے گریز کیا ہے جو انگریزوں کے حریف تھے، مثلاً فضل حق خیر آبادی اور صدر الدین آزاد جو کہ غالب کے دوستوں میں سے تھے، تاہم انگریزوں کی نظر میں غدار تھے۔ اس کے برعکس حکیم احسن اللہ خان انگریزوں کے حمایتی تھے، اس لیے وہ غالب کی نظر میں پسندیدہ ٹھہرے۔

1857 کی جنگِ آزادی میں خواتین کا کردار

سماجی ارتقا کی تاریخ میں جاگیردارانہ نظام کے حامل ہندستان میں انگریزوں کی آمد اور لوٹ مار کی مزاحمت میں جہاں مردوں نے ہمت و بہادری کا مظاہرہ کیا وہاں خواتین بھی کسی طور پیچھے نہیں، تاہم مورخین اور وقائع نگاروں نے خواتین کے کردار کو بڑی حد تک نظر انداز کیا ہے۔ چند خواتین کا ہی اس ضمن میں تفصیلی ذکر میسر ہے۔

ان خواتین میں اولین نام بائزہ بائی کا ملتا ہے جنہوں نے 36-1835ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت اور سازش منظم کی۔ اس وجہ سے انہیں گوالیار سے ناسک لے جایا گیا۔ 14 جون 1857ء کو وہ گوالیار سے بارہ میل کے فاصلے پر تھیں، ان کا مقصد فوجی کاروائی ہی تھا۔ اخبار الظفر نے انکی آمد کی خبر کی شہ سرخی "شکر حد شکر" لگائی اور لکھا کہ "انکی فوج نے انگریزی فوج کی خوب صفائی کر لی، ظاہری طور پر انگریزوں کا نام ونشان نہ رہا۔"

راجہ ستارہ کی بیوہ جن کا نام نہیں ملتا، اپنے دیوان کے ذریعے انگریزوں سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھیں۔

میرٹھ میں جب سپاہیوں کا کورٹ مارشل ہوا اور ان سپاہیوں کو ہندستانی سپاہی بیرکوں کی جانب لیے جا رہے تھے تو سڑک کے دونوں اطراف خواتین کھڑی ہوئی تھیں جو ہندستانی سپاہیوں کو تحقیر آمیز انداز میں للکار رہی تھیں جو اپنے ہی دیس بھائیوں کو سزا کیلئے لے جا رہے تھے۔ اسکے متعلق ظہیر دہلوی اپنی کتاب "طراز نجیر" میں تفصیل سے لکھتے ہیں۔

میرٹھ میں بغاوت کی خبر لکھنو پہنچی تو وہاں خواتین کا ایک اجتماع ہوا اور خواتین نے متفقہ طور پر شہنشاہ محل سلیمان قدر کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا اور نامور خواتین خاص محل، خورد محل اور سلطان محل نے حضرت محل کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔

حضرت محل نے انتہائی جمہوری طریقہ اختیار کیا۔ اگرچہ انکے فرزند کا معاملہ تھا اور برجیس قدر کو راجہ جے لال سنگھ، ممو خان، کاظم علی کپتان اور سنگم سنگھ کی تائید کے ساتھ توپ خانہ اور فوج کی بھی حمائت حاصل تھی۔ تمام خواتین اس بات پر متفق تھیں کہ واجد علی شاہ کی زندگی میں انکا نائب تو ہوسکتا ہے مگر جانشین نہیں ہوسکتا۔

1857ء کی تاریخ میں ایک سبز پوش خاتون کا تذکرہ ملتا ہے جو نہ صرف مجاہدین کا حوصلہ بڑھاتی تھیں بلکہ خود بھی تلوار ہاتھ میں اٹھا کر میدان جنگ میں مقابلہ کرتی تھیں۔ دلی کے اخبارات نے اس خاتون کا ذکر کیا ہوا ہے جبکہ پروفیسر مجیب نے ان پر ایک ڈرامہ "آزمائش" بھی تحریر کیا ہے۔

مورخ عتیق صدیقی نے ایک اہم دستاویز کی نشاندہی کی ہے کہ مولوی احمد اللہ شاہ اور حکم سنگھ جمعدار کے درمیان خط وکتابت ہوتی رہی ہے۔ دہلی اور اودھ کی حکومتوں نے طئے کیا تھا کہ نیپال میں جلاوطن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بیوہ چندن کور کو واپس لاکر پنجاب کا حاکم بنایا جائے۔ انکے خیر مقدم کیلئے برجیس قدر نے اپنی مہر ثبت کر کے سلطان پور، گورکھپور کے گورنر کو لکھا کہ راہ میں انہیں کوئی زحمت نہ ہونے پائے۔

نیپال کے رانا جنگ بہادر نرلیس کے برطانوی حکومت سے قریبی مراسم تھے اسی وجہ سے جب مہارانی چندر کور نے نیپال جانے کی خواہش ظاہر کی تو اولاً انتہائی حیل وحجت کی گئی لیکن بعد ازاں انہیں پناہ دی گئی اور نیپال ہی انکی آخری آرام گاہ بنا۔

رانی دھروار کی اپنی ریاست پر اتنی مضبوط گرفت تھی کہ دگ وجے سنگھ نے ان سے مدد مانگی تھی۔

محمدی بیگم سے بیگم حضرت محل تک کا سفر کرنے والی خاتون نے جب 1857ء میں برجیس قدر کی تخت نشینی کا اعلان کیا تو کلکتہ میں جلاوطنی اور نیم نظر بندی کاٹنے والے واجد علی شاہ نے سیاسی حالات کے دباؤ کے تحت اپنی اس بیگم کی مخالفت کی جو انہی کیلئے لکھنو میں جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑ رہی تھیں۔ واجد علی شاہ سے انکی شادی شدہ زندگی اُٹھارہ سال پر محیط ہے جن میں سے آٹھ سال زمانہ ولی عہدی کے ہیں۔

انکی بہادری سے متعلق شیدا بیگم واجد علی شاہ کو اپنے ایک خط میں لکھتی ہیں، "حضرت محل نے ایسی غیر معمولی جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا کہ دشمن پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا۔ انہوں نے ثابت کیا کہ وہ غیر معمولی ہمت اور جرأت کی مالک ہیں۔ انکی شجاعت کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ اس بہادر عورت کا شوہر کتنا بہادر ہوگا۔"

بیگم حضرت محل کے کردار کے سلسلے میں یہ پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ وہ چلمن کے پیچھے سے راجہ جے لال سنگھ کے ذریعے افسروں کو مخاطب کرتی تھیں اور جب شرف الدولہ کو نائب بنایا گیا تو اس وقت امراؤ سنگھ، رگھوناتھ، نواب سنگھ کپتان، اعتماد علی خان خواجہ سرا اور مقبول علی خان بھی موجود تھے۔ وہ نہ صرف داخلی امور پر نظر رکھتی تھیں بلکہ آزاد حکومت میں بادشاہ کی نگراں کی حیثیت سے اپنی مملکت کی خارجہ پالیسی بھی طئے کرتی تھیں۔ شاہ دہلی کو بیش قیمت تحائف بھیجنا، فیروز شاہ سے رابطہ رکھنا اور نیپال کی ترائی پہنچنے کے بعد انگریزوں کے حلیف رانا جنگ بہادر کو سفارتی طریقے سے رام کرنا کہ وہ انکے تمام ساتھیوں کو نیپال میں پناہ

دینے پر راضی ہو گیا۔

خود انگریز حملہ آور لکھتے ہیں کہ بیگم حضرت محل کی سربراہی میں لکھنو کی ایک ایک انچ زمین پر سخت لڑائی ہوئی۔ اہم مقامات بیگم کوٹھی، سکندر باغ، موتی محل، شاہ نجف، قیصر باغ وغیرہ پر انگریزوں کے سپاہیوں کی لاشوں سے گذر کر ہی قبضہ ہو سکا۔

ایک اندازے کے مطابق وہ 1820ء میں پیدا ہوئیں اور 1838ع میں واجد علی شاہ کے حرم میں داخل ہوئیں۔ نومبر 1859ء تک نیپال سے متصل ہندستانی سرحد پر انگریزوں کا مقابلہ کرتی رہیں اور اپریل 1879ء میں نیپال ہی میں انتقال کر گئیں۔ بیگم حضرت محل شاعرہ بھی تھیں۔ اپنی زندگی کی المناک داستان وہ کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

حکومت جو اپنی تھی اب ہے پرائی — اجل کی طلب تھی اجل بھی نہ آئی

نہ تخت اور تختہ اسیری نہ شاہی — مقدر ہوئی ہے جہاں کی گدائی

عدو بن کے آئے تھے جو دوست اپنے — نہ تھی جس کی امید کی وہ برائی

زمانہ رکھے گا پر اپنی نظر میں — مری سرفروشی مری پارسائی

لکھا ہوگا حضرت محل کی لحد پر — نصیبوں جلی تھی، فلک کی ستائی

چھبی بائی، مورو پنت کی پہلی بیوی بھاگیرتی بائی کے بطن سے 19 نومبر 1835ء کو پیدا ہوئی۔ 1842ء میں انکی شادی گنگا دھر راؤ سے ہوئی۔ انکے ہاں پیدا ہونے والا بچہ زچگی کے دوران ہی چل بسا۔ 17 نومبر 1853ء کو گنگا دھر راؤ نے دامودر راؤ کو گود لیا۔ 21 نومبر 1853ء کو گنگا دھر راؤ کا انتقال ہو گیا۔

4 جون 1857ء کو جھانسی میں بغاوت کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ مہارانی چھبی بائی کو لالچ دیکر بغاوت میں شامل ہونے سے روکنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ امن پسند اور صلح پسند ہونے کے باوجود اور انگریزوں سے کسی معاہدے کی کوشش میں ناکامی کے بعد اس بغاوت میں شامل ہوئیں۔ اس ضمن میں 11 مئی 1857ء کو سینٹ جیمس ہال میں مسٹر لیارڈ کی تقریر اہمیت کی حامل ہے۔ "آزاد جھانسی کی خودمختار حکمران رانی جھانسی نے اپنے دو سفیر انگریزوں کے ہاں بھیجے۔ آپ جانتے ہیں کہ انکا استقبال کس طرح کیا گیا؟ ایک لمحے کا توقف کرنے کے بعد بتایا کہ "انہیں پھانسی دے دی گئی۔"

اگرچہ حالات رانی کیلئے ناسازگار تھے۔ عمومی طور پر لوگوں کا کہنا تھا کہ انگریزوں سے لڑائی بیکار ہے۔ تین گھنٹے تک رانی کے مشیروں کے درمیان بحث چلتی رہی۔ کاشی ناتھ ماہری اور لکو بخشی انگریزوں سے

جنگ کے مخالف تھے۔ رانی کی قائدانہ صلاحیتوں کا کمال تھا کہ جنگ کے حق میں فیصلہ ہونے کے بعد لڑائی کے مخالفین بھی رانی کے ساتھ جنگ میں شریک رہے۔

رانی نے اس لڑائی میں اندور کی بھیمہ بائی بولیا کی بھی مدد حاصل کی۔ رانی کا توپ خانہ انتہائی شاندار تھا۔ انکی ایک توپ کا نام 'کڑک بجلی' تھا۔

رانی کے محافظ دیوانوں اور جنونیوں کی طرح اصطبل کی حفاظت کرتے رہے اور جب گولہ باری سے انکے کپڑوں کو آگ لگ گئی تو انہوں نے اپنے کپڑوں کی آگ بجھانے کے بجائے اسی آگ سے حملہ آوروں کو جلانے کی کوشش کی۔

ریاست کی عورتیں اسلحہ اور گولہ بارود محاذ پر پہنچاتی تھیں۔ توپ خانہ انگریز کے ہر گولے کے جواب میں ایک گولہ داغتا۔ رانی کالپی میں لڑیں اور گوالیار فتح کرلیا تاہم انہیں وہاں سے نکلنا پڑا۔ اگرچہ تانتیا ٹوپی نے رانی کا ساتھ تو دیا مگر ان کی سپاہ غیر منظم تھی اور سرہیو روز کی تجربہ کار، منظم اور تربیت یافتہ فوج کی توپوں کے سامنے ٹھیر نہیں سکی۔ نواب سکندر جہاں بیگم بھوپال کے پرچہ نویس بھوانی پرشاد 18 جون 1858ء کو اطلاع دیتا ہے کہ میدان جنگ میں ایک گولے سے نواب باندہ کا ہاتھ اڑ گیا جبکہ ایک اور گولہ جھانسی کی رانی کے سینے پر لگا اور وہ میدان جنگ میں ہی شہید ہو گئیں۔

ایک انگریز کپتان لکھتا ہے کہ رانی کے ساتھ انکے تمام محافظ بھی جھڑپ میں کام آئے اور 18 جون جمعہ کے دن دو بجے رانی ہلاک ہوئیں۔ انکی لاش کو صندل کی لکڑیوں کی چتا دی گئی۔

تلسی پور کی رانی: اودھ میں جنگ آزادی کے دوران تلسی پور کی رانی ایشوری کماری بھی انگریزوں کے خلاف تلوار اٹھا کر میدان جنگ میں آئیں۔

تلسی پور، اتر پردیش کے ضلع گونڈہ کا ایک چھوٹا علاقہ تھا۔ جب انگریزوں نے انکی ریاست کو بلرام پور مین شامل کرنے کا فرمان جاری کیا تو رانی نے اسکی مخالفت کرتے ہوئے بغاوت کردی اور شدید لڑائی کے بعد ہتھیار ڈالنے کے بجائے نیپال میں جلاوطنی اختیار کی۔ آج انکو گونڈہ کی لکشمی بائی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

جھلکاری بائی: جنگ آزادی میں جھانسی کی لکشمی بائی سے وابستہ ایک بہادر خاتون جھلکاری بائی کا نام بھی سامنے آتا ہے وہ بھی جھانسی کی رانی کی طرح میدانِ جنگ میں شہید ہو گئیں۔

جب انگریز فوج نے جھانسی کا محاصرہ کرلیا اور شدید جنگ کے بعد جب جھانسی پر انگریز قبضہ یقینی

ہوگیا تھا تو رانی اور انکے جانشین بیٹے کو محاصرے سے نکالنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس منصوبے کے تحت 14 اپریل کی رات کو رانی کو جھانسی چھوڑ کر کالپی روانہ ہونا پڑا اور منصوبے کے تحت جھلکاری نے رانی کا بھیس بدل کر فوج کی کمان سنبھالی، جب جھلکاری میدان میں اتری تو کرنل ہیوروز کی سربراہی میں پیش قدمی کرنے والی انگریز فوج نے سمجھا کہ رانی لکشمی بائی تاحال میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ ہفتہ بھر جاری رہنے والی اس جنگ میں جھلکاری نے جھانسی کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور رانی کے کالپی پہنچنے تک مورچہ سنبھال کر رکھا۔ بالآخر وہ گرفتار ہوگئیں۔ انگریز کرنل یہ مورچہ جیت کر خوش تھا کہ بالآخر رانی لکشمی بائی گرفتار ہوگئی ہے لیکن جب اسے حقیقت کا علم ہوا تو آگ بگولہ ہوگیا اور جھلکاری بائی پر چیخنے لگا کہ تم نے رانی بن کر ہمیں دھوکا دیا اور رانی کو فرار ہونے میں مدد دی، تم نے ہمارے کئی سپاہیوں کو ہلاک کیا ہے، اب تمہیں بھی سزائے موت دی جائے گی۔ اس پر جھلکاری بائی نے فخریہ انداز میں للکارا کہ "مار دے گولی، میں کھڑی ہوں۔" اس دوران ایک انگریز افسر نے کہا کہ مجھے یہ عورت پاگل لگتی ہے، تو جنرل روز نے اسے جواب دیا کہ "اگر ہندستان کی ایک فیصد عورتیں بھی اس طرح پاگل ہوگئیں تو ہمیں ہندستان چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

جھلکاری کو سخت پہرے میں قید کیا گیا تاہم رات کو وہ موقعہ ملتے ہی فرار ہوگئی۔ اسکے ردِعمل میں جنرل روز نے صبح قلعے پر چڑھائی کردی اور اسی حملے کے دوران جھلکاری بائی بھی انگریزی توپ کے ایک گولے سے شہید ہوگئیں۔

مینا بائی: مینا بائی انقلابی پیشوا کی بیٹی تھیں اور والد کی سرپرستی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ وہ تیر کمانی، تلوار اور آتشی اسلحہ چلانے کی ماہر تھیں۔ 1857 کے انقلاب کے دوران جب بٹھور اور کانپور جلنے لگے تھے اور آزادی کے متوالے برطانوی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے اور انگریز حکومت کے دفاتر اور بنگلوں سے یونین جیک اتار کر ہندستانی پرچم لہرا رہے تھے تو انگریز جنرل ہیولاک اس انقلابی مشعل کو بجھانے کیلئے اتاولہ بن گیا۔ اسی وقت مینا بائی بھی جنگ آزادی میں شامل ہوئی تھیں۔ انکی پیش قدمی کو روکنے کیلئے انگریز سپاہیوں نے مینا بائی کا محاصرہ کیا اور مینا بائی کے ساتھ آٹھ دیگر بہادر خواتین پر بدترین مظالم ڈھائے گئے، بالآخر برطانوی سپاہیوں نے مینا بائی کو جلتی آگ میں پھینک کر دھرتی کی اس بیٹی کو امر کردیا۔

گمنام بڑھیا: دہلی کی ایک گمنام عورت روزانہ مردانہ لباس پہن کر اور سبز صافہ باندھ کر گھوڑے پر سوار ہوکر شہر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کرتی اور جنگ میں ان کی رہنمائی کرتے ہوئے انگریزوں پر حملہ آور ہوتی۔ اگر کسی جھڑپ میں اس کے ساتھی بھاگ جاتے تو بھی وہ لڑتی رہتی۔ حسن نظامی اپنی کتاب "بیگمات

کے آنسو' میں اس بہادر خاتون کا ذکر کرتے ہیں۔

بالآخر 18 جون 1857 کو ایک جھڑپ کے دوران وہ انگریز مورچے کے قریب زخمی ہوکر گرفتار ہوگئی۔ گرفتاری کے بعد اُسے انبالہ بھیجا گیا۔ گریتھیڈ 19 جولائی کے اپنے ایک خط میں اس خاتون کو ہندستان کی جون آف آرک لکھتے ہوئے کہتا ہے:

''وہ نہایت بہادری کے ساتھ لڑ رہی تھی، ہمارے دو تین آدمیوں کو اُس نے اپنے ہاتھوں سے نشانہ بنایا، وہ سوار فوج کے حملے کی کمان کر رہی تھی۔''

ظہیر دہلوی بھی اپنی انگریز نوازی کے ساتھ اس عورت کا ذکر یوں کرتا ہے:

''ایسی ہی ایک بڑھیا عورت تھی کہ وہ سر کو منڈا سا باندھ کر اور کمر کو دوپٹہ کس کر سب سے آگے ہوجاتی تھی اور لوگوں کو ترغیب دیتی تھی چلو بیٹا جہاد پر چلو۔ نہ معلوم وہ کٹنی کون تھی۔ روز بازار میں کھڑے ہوکر لوگوں کو ہنکار کرلے جاتی اور آپ سب سے آگے ہوتی تھی اور پھر وہ بچ کر زندہ سلامت آجاتی تھی اور صدہا آدمیوں کا خون کراتی تھی۔''

ہڈسن 29 جولائی کے اپنے ایک خط میں ڈپٹی کمشنر انبالہ کو لکھتا ہے:

''میں تمہارے پاس ایک مسلمان بڑھیا کو روانہ کر رہا ہوں۔ یہ عجیب قسم کی عورت ہے۔ اس کا کام یہ تھا کہ سبز لباس پہن کر شہر کے لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتی تھی اور خود ہتھیار باندھ کر اُن کی کمان کرتی ہوئی ہمارے مورچے پر حملہ کرتی تھی۔ جن سپاہیوں کا اس سے واسطہ پڑا وہ کہتے ہیں کہ اس نے بارہا مردانہ حملے کیے اور وہ شہر کے باغیوں کو فوجی ترتیب سے لڑا رہی تھی۔ یہ بہت ہی خطرناک عورت ہے۔''

تاہم 29 جولائی 1857 کو انبالہ روانگی کے بعد اس عورت کا کوئی سراغ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ریکارڈ میں نہیں ملتا۔

عزیزن رقاصہ: 1857 کی جنگِ آزادی کے دوران سرگرم عورتوں میں ایک نام کانپور اُترپردیش کی رقاصہ عزیزن کا بھی ہے۔ سماجی طور پر معیوب سمجھے جانے والے پیشے سے تعلق کی بنا پر اس کے کردار اور شخصیت پر انتہائی کم لکھا گیا ہے۔ کانپور اور اس کے گرد و نواح میں رقص کی محفلیں آراستہ کرنے والی عزیزن کانپور کے نزدیک لورک نامی قصبے کی رہنے والی تھی، جو اُس کا مرکز تھا۔ کانپور کی بغاوت کے بعد کرنل ولیم نے عزیزن کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کانپور کے محلے لور کی محال میں رہتی تھی اور اُس پر سیٹھ کلومل کی خاص عنایت تھی۔

7 جون 1857 کو کانپور کے پیشوا نانا صاحب نے ایک تاریخی اعلان جاری کیا کہ تمام ہندو اور مسلمان برطانوی راج کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی یہ تحریک اُس وقت تک جاری رکھیں جب تک ہندستان کو انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل نہ ہو جائے۔ یہ تاریخی اعلان ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شایع کیا گیا۔ عزیزن اس اعلان سے اس حد تک متاثر ہوئی کہ عیش و آرام کی زندگی تج کر ایک سچے محبِ وطن کی طرح آزادی کی جنگ میں کود پڑی۔

اسی جذبے کے تحت عزیزن نانا صاحب کی فوج کیلیے عورتوں کی بھرتی کا اہم کام انجام دینے لگی۔ اُس نے پرکشش لباس کی جگہ فوجی وردی پہن لی اور زیورات کی جگہ اسلحہ اور ناز و انداز کی جگہ تلوار اُٹھا لی۔ عزیزن نے نہ صرف خواتین میں جذبۂ آزادی پیدا کیا بلکہ انہیں گھڑ سواری بھی سکھائی اور اسلحہ چلانے کی تربیت بھی دی۔ اس طرح عورتوں کو فوجی روپ میں ڈھالنے کا تمام تر سہرا بھی عزیزن کے ہی سر رہا۔ ان کی قیادت میں قائم عورتوں کی برگیڈ نے کئی اہم کارنامے سرانجام دیے۔ اس برگیڈ کا خاص کام زخمی فوجیوں کو فوری طور پر طبی امداد فراہم کرنا تھا۔ ان کے لیے کپڑے، اشیائے خورد و نوش اور گولا بارود فراہم کرنے جیسے مشکل کام بھی اسی برگیڈ نے اپنے ذمہ لیے ہوئے تھے۔ اس برگیڈ کا ایک انتہائی اہم کام یہ بھی تھا کہ جنگ سے متعلق تمام تر معلومات اُن مجاہدین تک پہنچائیں جو روپوش رہتے ہوئے جنگِ آزادی میں سرگرم تھے۔

عزیزن جون 1857 کی جھلسا دینے والی دھوپ اور تپتی ہوئی دوپہر میں انگریز اور اُن کے دیسی جاسوسوں کی پروا کیے بغیر باغیوں کیلیے گھر گھر جا کر اشیائے ضرورت جمع کرتی اور پھر ان تک پہنچاتی تھی۔ عزیزن کی قائم کردہ برگیڈ آزادی کی جنگ میں براہ راست حصہ لینے کے ساتھ ذہن سازی کا کام بھی کرتی تھی۔ جو نوجوان و بزرگ برطانوی جبر و استبداد کے خوف سے جنگِ آزادی میں حصہ لینے سے کتراتے تھے تو انہیں پیغام کے ساتھ چوڑیاں بھی بھیجی جاتی تھیں۔ چوڑیوں کا طعنہ ملتے ہی گھروں میں دُبکے ہوئے مرد گھروں سے نکل کر نانا صاحب کی فوج مین شامل ہو جاتے۔

عزیزن کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ ننگی تلوار ہاتھ میں اٹھائے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتی تو پوری فضا ''عزیزن کی جے'' کے نعروں سے گونجنے لگتی۔ عزیزن سے متعلق ایک معصر مصنف لکھتا ہے: عزیزن آزادیٔ وطن کے جذبے سے اس قدر سرشار تھی کہ وہ ہر وقت فوجی وردی پہنے رہتی تھی۔ اپنے فوجی ساتھیوں سے مسلسل رابطہ رکھتی۔ اُس کے سامنے ایک ہی مقصد تھا ''ملک کی آزادی اور برطانوی ظلم اور ستبداد سے نجات۔''

1857 کی جنگِ آزادی کا اُبھار ختم ہوا تو دیگر حُریت پسندوں کے ساتھ عزیزن کو بھی گرفتار کر کے جنرل ہیولاک کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ عزیزن کے حسن و جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اُسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس قدر خوبصورت اور نازک عورت بھی فوجی وردی پہن کر اسلحہ استعمال کر سکتی ہے۔ جنرل ہیولاک نے عزیزن کے حُسن سے متاثر ہو کر اسے تجویز کیا کہ اگر وہ اپنا جرم قبول کر لے اور جان بخشی کی درخواست کرے تو اسے رہا کیا جا سکتا ہے لیکن عزیزن نے حالات سے سمجھوتا نہ کرتے ہوئے جنرل ہیولاک کی تجویز ٹھکرا دی۔

ہیولاک کی بات پر عزیزن کا چہرہ غصے کے مارے سُرخ ہو گیا، آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں اور پھول کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ کپکپانے لگے۔ اُس نے انتہائی حوصلے اور جرأت سے کہا: ''ہم رحم کی بھیک مانگنے پر موت کو ترجیح دینا بہتر سمجھتے ہیں۔''

جنرل ہیولاک نے دوبارہ دریافت کیا: ''آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''انگریزی حکومت کا خاتمہ!'' اس پر جنرل ہیولاک نے آگ بگولہ ہو کر حکم صادر کیا: ''اِسے گولیوں سے اُڑا دو۔''

سینے پر پہلی گولی کھاتے ہوئے عزیزن نے ''نانا صاحب کی جے'' کا نعرہ بلند کیا اور پھر گولیوں کی ایک بوچھاڑ نے اس مجاہدہ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

بہادر شاہ ظفر کے ہمراہ جلاوطنی اختیار کرنے والے

۱۔ بہادر شاہ ظفر

۲۔ زینت محل (ملکہ)

۳۔ جواں بخت (شہزادہ، فرزند زینت محل)

۴۔ کوچک سلطان

۵۔ شاہد عباس

۶۔ معظم سلطان

۷۔ جمشید بخت

۸۔ رونق بیگم

۹۔ الطاف اشرف

۱۰۔ محمد عالی قدر

۱۱۔ مرزا انظام شاہ

۱۲۔ مرزا طاہر الدین

۱۳۔ مرزا مصلح الدین

۱۴۔ مرزا افرخ شاہ

۱۵۔ مرزا خدا بخش

۱۶۔ مرزا تراب شاہ

سر سید احمد خان کو انگریز سے وفاداری کے عیوض ملنے والے انعام و اکرام کے پروانے

(1)

چٹھی سیکریٹری حکومتِ ہند نمبر 2379، مورخہ 12 جولائی 1858ء

بنام صاحب رجسٹرار صدر دیوانی عدالت

بجواب چٹھی مورخہ 19 جون 1858ء آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حسبِ تجویز حکام عدالت صدر، امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خان صدر امین بجنور کو غدر کے دوران خیر خواہی اور عمدہ کارکردگی کے عیوض مذکورہ ضلع پر سرکار کے قبضے کے دن سے صدر الصدوری ضلع مراد آباد پر ترقی منظور فرمائی ہے۔

دستخط

میور

سیکریٹری حکومتِ ہند

(2)

چٹھی حکومتِ ہند، نمبر 346

بنام سیکریٹری حکومتِ ہند مغربی اضلاع

آپ کے مراسلے بتاریخ 29 جولائی 1858ء نمبر 182 کے جواب میں آپ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ غدر کے دوران خیر خواہی اور حسن کارکردگی کے عیوض امیر کبیر نواب گورنر جنرل بہادر نے سید احمد خان صدر الصدور مراد آباد اور ان کے بیٹے کے لئے تاحیات دو سو روپے ماہوار کی پنشن مقرر کی ہے۔

دستخط

ایڈمن افسر

سیکریٹری حکومتِ ہند

(3)

میر صاحب مشفق مہربان مخلصان سید احمد خان صاحب

صدر الصدور مراد آباد۔ سلامت

بعد اشتیاق ملاقات محبت آیات واضح باد۔ بحکم جناب مستطاب معلّی القاب نواب گورنر جنرل بہادر بتاریخ 10 مارچ 1859ء جناب صاحب کمشنر بہادر روہیل کھنڈ نے یہ اجلاس عالم خلعت پانچ پارچہ و تین رقم جواہر مفصلہ ذیل بہ نظر خیر خواہی آپ کو عطا کیا اور یہ خط حسبِ ضابطہ سند بنام آپ کے تسطیر ہوا، بطور سند اپنے پاس رکھو۔

(تفصیل خلعت)

پارچہ	:	5
جواہر	:	1
شمشیر مع پرتلہ	:	1
کلاہ چارقب	:	1
گوشوارہ	:	1
جیغہ	:	1
سرپیچ	:	1
نیم آستیں	:	1
دوشالہ	:	1
پٹکہ	:	1

دستخط

جی پامر

مجسٹریٹ و کلکٹر المرقوم

16 مارچ 1859ء

(نوٹ: مندرجہ بالا تینوں اسناد محمد ایوب قادری کی کتاب "جنگِ آزادی 1857ء، واقعات و شخصیات" سے حاصل کی گئی ہیں۔)

دلی کالج

11 مئی 1857ء کو حملے کا نشانہ بننے والے دلّی کالج کی ابتداء 1792ء میں مدرسہ غازی الدین کے طور پر ہوئی تھی۔ 1835ء میں اسے دلی کالج بنا دیا گیا۔ حکومت نے اپنے تعلیمی فنڈز سے کالج کو انگریزی تعلیم کیلئے کچھ رقم جاری کی، لیکن اُس وقت انگریزی سیکھنے کی مخالفت اپنے عروج پر تھی چنانچہ اس رقم سے 200 کے قریب سائنس اور سماجی علوم کی کتب اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ کالج کے چند اہم اساتذہ میں مولوی امام بخش صہبائی، ماسٹر رام چندر، ماسٹر پیارے لال اور مولوی ذکا اللہ شامل تھے۔ اس کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد شہرت پانے والے سابق طلبہ میں ڈپٹی نذیر احمد، محمد حسین آزاد، ماسٹر پیارے لال اور ماسٹر رام چندر شامل ہیں۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے دوران کالج انگریزوں کی امداد قبول کرنے کی وجہ سے حملے کا شکار ہوا۔ جس دوران اس کے انگریز پرنسپل کو قتل کر دیا گیا اور کتب خانے میں موجود انگریزی کتابیں ضائع کر کے ان کے اوراق کالج کے باغ کے فرش پر بچھا دیئے گئے۔ جبکہ عربی، فارسی اور اردو کتابیں لوٹ لی گئیں۔ اگرچہ یہ کالج 1864ء میں دوبارہ شروع کیا گیا تاہم اسے ایک مشن اسکول سے ملا دیا گیا۔

کتابیات

اردو

1۔ جنگِ آزادی 1857 (واقعات وشخصیات)، از: محمد ایوب قادری

2۔ 1857 اور ہم، از: احمد سلیم

3۔ گزٹیر ضلع جھنگ

4۔ تذکرۂ روسائے پنجاب

5۔ تاریخ بغاوتِ ہند 1857

6۔ باغیچہ، از: رجب علی

7۔ 1857 پہلی جنگ آزادی (واقعات اور حقائق) از: میاں محمد شفیع

8۔ ایک غلام کی سرگزشت، از: سیتا رام

9۔ 1857 میں ہندستانی صحافت کا کردار، از: ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

10۔ مقدمۂ بہادر شاہ ظفر، از: خواجہ حسن نظامی

11۔ تاریخ جنگِ آزادی ہند 1857ء، از: سید خورشید مصطفیٰ رضوی

12۔ کمپنی کی حکومت، از: باری علیگ

13۔ واجد علی شاہ اور اُنکا عہد، از: رئیس احمد جعفری

14۔ اسباب بغاوتِ ہند، از: سر سید احمد خان

15۔ داستانِ غدر، از: ظہیر دہلوی

16۔ سرگزشت مجاہدین، از: مہر غلام رسول

17۔ کالا پانی از: مولانا محمد جعفر تھانیسری

18۔ مولانا فضل حق خیرآبادی اور سنہ ستاون، از: حکیم سید محمود احمد برکاتی

19۔ سہ ماہی تاریخ 1857 خاص نمبر 34, 35 اور 36

20۔ غداروں کے خطوط، ترجمہ: سلیم قریشی

21۔ 1857 "خیال نمبر"، مرتبین: ناصر کاظمی - انتظار حسین

22۔ جنگِ آزادی 1857 - دو خفیہ روزنامچے، از: معین الدین حسن خان - جیون لال

23۔ اردو صحافت اور جنگِ آزادی 1857، از: معصوم مراد آبادی

24۔ آخری عہد مغلیہ کا ہندستان، از: ڈاکٹر مبارک علی

25۔ نیا دور انقلاب 1857 نمبر، ناشر: اطلاعات و رابطہ عامہ، اُتر پردیش

انگریزی

1. Mutiny Reports
2. The spepoy Mutiny, 1857, by: Hara Parsad
3. History of Sind, British Period (1843-1936), by: Dr. Muhammad Laiq Zardari.
4. The story of Sindh, by: K.R. Malkani
5. 1857- war of Independance or Clash of Civilization? by: Salahuddin Malik
6. Cry for freedom- Proclamations of Muslim Revolutionaries of 1857 compiled, by: Salim al-Din Quraishi
7. The seppy Revolt, by: Henry Mead
8. The Indian Mutiny- Four Volumes, by: G.W. Forrest
9. The present state of Indian politics, by: Sir Syed Ahmed
10. The combridge History of India, by: H.H. Dodwell
11. Growth of Muslim Nationalism in Sindh, by: D.A. Pirzada
12. Memoirs of Seth Naomul Hotchand translated, by: Rao Bahadur Alumal Trikam Das Bhojwani
13. Sind through the centuries Ed, by: Hamida Khubro
14. The Dairy of John Brunton, by: John Brunton

سنڌي

1. لب تاريخ سنڌ، از: خداداد خان
2. 1857ع جي جنگِ آزادي ۾ سنڌ. از: دادا سنڌي
3. ٽالپرن جي مختصر تاريخ، از: رحيمداد خان مولائي شيدائي
4. سنڌ ۾ جاگيرن جي تاريخ، سنڌيڪار: حسين بادشاهه
5. جنگِ مياڻي، از: قادر بخش نظاماڻي
6. نئين مصر جا پراڻا ورق، از: اِي-بي-ايسٽوڪ
7. سنڌ جي فتح، از: ميجر جنرل ڊبليو-ايف-پي-نيپئر

پڙهندڙ نسُل . پ ن

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين " اُداس نسلين" نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻڪَ "لُڙهندڙ نسُل" نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، چُرندڙ، ڪِرندڙ، اوسيئڙو ڪندڙُ، ڀاڙي، ڪاٺو، ڀاڄوڪڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سگهجي ٿو، پر اسان اِنهن سڀني وِچان "پڙهندڙ" نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان کڻي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعني e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نَسل (پَنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعويٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَنَ جي نالي ڪي پئسا گڏ ڪيا ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بہِ ڪُوڙو آهي.

جهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اهڙيءَ طرح پڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، ٻَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. ٻين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصي ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَٻِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَن پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ ڪان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَن سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي کُليل اکرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڏِ کان وَڏِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳِئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻَ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جٿن جٿن جاڙ وڏي تي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛

ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلهہ نيلا پيلا آهن:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،

جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!

مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،

جنهن رِڻَ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اڻجاڻائي کي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاڻي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ نادانيءَ جي نشاني آهي.

پَنَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ ڪي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڇي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڻڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن ڪي پڙهي سماجي حالتن ڪي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني ڪي **چو، ڇالاءِ ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن ڪي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوشَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ ڪي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اٽل گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن ڪي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ ڪان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻَ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

ون ون ڪي مون پاڪي پائي چيو تہ "منهنجا ياءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ".
- اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)